یعنے

تاریخ افریقہ

جسمیں

الجزائر کے آخری تین سو برس کے تاریخانہ واقعات یعنی قزاقوں کی ابتدائے سلطنت

خاندان باربروسہ کپتان عروج اور خیرالدین کے مفصل کارنامے ترکوں کا بحری اقتدار

اور بحیرہ روم کی تین سو سالہ حکومت عربی شرفاء انگریزی بیڑوں کا تسلط اور آخر میں

جلا وطن مسلمانوں کے حالات بالتفصیل درج ہیں

مؤلفہ مولوی حامد علی صاحب صدیقی ستھانپوری مترجم تاریخ اسپین وغیرہ

بار اول ۱۹۱۱ء دو ہزار ایک سو جلد قیمت فی جلد ۱۲ علاوہ محصول ڈاک

تحفہ

بنام نامی

شمس العلما مولوی سیّد علی صاحب

بلگرامی معتمد امور عامہ و معدنیات

حضور فیض گنجور نظام دکن خلّد اللہ ملکہ

بصد عجز پیش میکند

خا [illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

دیباچہ میں مجھے جو کچھ لکھنا تھا وہ مقدمہ میں بہ تفصیل درج ہے

خلاصۂ داستان یہ ہے کہ اقصائے مغرب (ملک بربر) کو عربوں نے سب سے اول سنہ ۶۹۲ء میں بسرکردگی جرنیل عقبہ فتح کیا اور انیسویں صدی کے آغاز تک اُسپر حکومت کی۔ اِس کم وبیش بارہ سو برس کے زمانہ کو میں نے دو حصّوں پر تقسیم کر دیا ہے۔ دَورِ ترقی اور دَورِ تنزّل۔ پہلا حصّہ ساتویں صدی کے اخیر سے شروع ہو کر پندرھویں کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔ اسمیں ابتداءً اموی اور عبّاسی خلفاء کے بھیجے ہوئے گورنروں نے حکومت کی۔ پھر بنو ادریس۔ بنو اغلب یا اجلب۔ بنو فاطمہ۔ بنو زیری۔ بنو حماد۔ مرابطین۔ موحدین اور اخیر پر بنو حفص۔ بنو زیان۔ بنو میرین حکمراں رہے۔ اس آٹھ سو برس کے زمانہ کو میں نے فی الجملہ عروج کا زمانہ قرار دیا ہے۔ دوسرا حصّہ سولھویں صدی کے عشرۂ اول سے شروع ہو کر انیسویں کے ربع اول پر ختم ہوتا ہے اسمیں اول باربروسہ نامی ایک اولوالعزم خاندان ملک پر قابض رہا پھر نو مسلم یورپین مسلّط رہے۔ پھر قسطنطنیہ سے گورنر منتخب ہو کر آنے لگے۔ اخیر پر بحری غارتگروں اور کھلے لٹیروں کا دَور دَورہ رہا۔ اِس ۳۲۵ برس کے زمانہ کو دورِ تنزّل سمجھو۔ انیسویں صدی کے ربع دوم میں دول یورپ کا غاصبانہ ہاتھ اقصائے مغرب کی عنانِ حکومت کیلئے نمایاں طور پر بڑھنا شروع ہو گیا یہانتک کہ ۱۸۳۰ء میں الجزائر کی اور ۱۸۸۱ء میں ٹیونس کی گورنمنٹ۔ فرانسیسی گورنمنٹ میں مدغم ہو کر بے نام و نشاں ہو گئی۔ بربر کی قدیم خود سر ریاستوں میں صرف ایک مراکو بتر گادتینا باقی ہے سو اب یہ

بھی چراغ سحری ہے۔ اسکے بوسیدہ ایوانِ حکومت میں بھی فرانس نے پولیٹیکل ڈائنگیں لگا دی ہیں۔ بنیادیں ہل گئی ہیں اور ستونِ سلطنت مرکزِ ثقل سے ہٹ چکا ہے۔

اقصائے مغرب کی تاریخ ہونے کی حیثیت سے یہ دوسرا حصّہ ہے۔ کیونکہ اسمیں صرف تنزل کی تصویر دکھلائی ہے اور گو سولھویں صدی کے واقعات میں اکثر عروج کی جھلک بھی دکھلائی دیجاتی ہے لیکن اسکو ایک ٹمٹماتے ہوئے چراغ کا سا سنبھالا سمجھو۔ اصلی عروج و ترقی کے تفصیلی کوائف دیکھنا ہوں تو حصّۂ اول کا انتظار کرنا چاہئے۔ مناسب تو یہ تھا کہ عروج کے بعد زوال دکھلاتے لیکن چند وجوہ سے یہ ممکن نہوا۔ ان میں سب سے بڑی وجہ تو یہی ہوئی کہ دَورِ ترقی کے متعلق عربی اور انگریزی تاریخیں دستیاب نہوئیں اور اگر ہوئیں تو مستعار اور برائے چندے۔ حالانکہ اسلام کی سرگذشت اسدرجہ دلچسپ۔ ولولہ انگیز اور شاخ در شاخ ہے کہ معمولی کہانیوں کی طرح جھٹ پٹ کہہ ڈالنے سے ختم نہیں ہوتی۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ سُننے والے اور کہنے والے دونوں کو محو و بیخود بنادیتی ہے۔ پھر بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ چند کتابوں پر سرسری نظر ڈالکر اور اُنسے بے ترتیب واقعات لیکر انسان اپنی مرحوم عظمت کا مرثیہ آپ ہی اناپ شناپ گھڑ لے اور آپ ہی سُنا دے۔ یہ تو کچھ مؤرخین یورپ ہی کا حصّہ ہے کہ غیر قوم کی تاریخوں کو اسطرح دیکھ جاتے ہیں جسطرح ایک آہوے صیّاد دیدہ کسی پھلے پھولے اور سرسبز میدان کو طے کر جاتا ہے اور پھر اخیر پر ایک من گھڑت کہانی سُنا دیتے ہیں۔

اس بے ترتیبی کی دوسری وجہ یہ ہوئی کہ سولھویں صدی کے عشرۂ اول میں ایک

طرف تو اندلس میں مسلمانوں کی حکومت کا دفتر ختم ہوا اور دوسری طرف اقصاے مغرب میں ایک نیا دور حکومت شروع ہوا یعنی اندلس سے جلاوطن ہو کر لاکھوں مسلمان سواحل بربر پر آباد ہو گئے اور اسپین کے جہازوں اور شہروں پر انتقاماً غارتگرانہ حملے کرنے لگے۔ خیر یہ خاندان بار بروسہ بھی انہی کے اکسانے سے ملک میں سربلند ہوا چنانچہ اس کتاب کے ابتدائی حصے میں جلاوطن اندلسیوں کے اکثر حالات مابعد خود بخود سلسلۂ بیان میں آگئے ہیں جس سے اقصاے مغرب بیشتر اندلس کا تتمہ بنگیا ہے۔

تیسری وجہ یہ ہوئی کہ سولھویں صدی سے انیسویں تک یورپ۔ افریقہ اور امریکہ تینوں براعظموں میں بحری غارتگری اور بردہ فروشی کی بڑی کثرت رہی۔ اخیر میں بربر کے مسلم یورپین فرمانرواؤں کے دست تظلم سے بحیرۂ روم نہایت بدنام ہو گیا۔ اگرچہ غصب حقوق جسکا ایک شعبہ لوٹ مار بھی ہے۔ انسان کی بہت پرانی خصلت ہے اور بر و بحر میں تقریباً یکساں طور پر پائی جاتی ہے لیکن باینہمہ اس زمانہ کے یورپین مؤرخوں نے بحری غارتگری اور بردہ فروشی کو بربر کی خاصیتوں میں داخل کر دیا ہے۔ ہمارے دوستوں کا خیال ہے کہ اگر بربر میں لٹیرے نہ ہوتے تو ترک قسطنطنیہ پر قابض ہو کر بربری ریاستوں سے رشتہ مودت قایم نہ کرتے تو یہ لفظ ہی بےمعنی ہوتا۔ اس سے ہمکو ضرورت ہوئی کہ دول اقصاے مغرب کے آخری تین سو برس کی تاریخ پر ایک محققانہ نظر ڈالیں اور وقعات قلمبند کرنے کے ساتھ اس بات کا لحاظ بھی کریں کہ قرن وسطی کے غارتگروں کی اصلیت اور غارتگری کے ابتدائی اسباب کیا تھے غیر قوم کے افراد اور غیر مذہب کے پیرووں کو وہ کیوں پکڑ کر غلام بنا لیتے تھے اسی سلسلہ میں ترکوں اور بربریوں کے بحری اقتدار اور دول یورپ کے حاسدانہ حملوں کے

کوائف بھی آگئے ہیں۔ اسیطرح خاندان باربروسہ کے ایک جلیل القدر رکن کپتان پاشا خیرالدین کے
کارنامے بھی درج ہوگئے ہیں۔ یہ شخص بلا مبالغہ قرن وسطے کا نپولین تھا۔

تاریخانہ شہادتیں لینے میں مینے جہانتک ہوسکا تنگ چشمی نہیں کی اور جسطرح عربی اور ترکی
مصنفوں سے مدد لی اسیطرح اپنے عنایت فرما یورپین مؤرخوں کا بھی احسان اُٹھایا چنانچہ اخیر میں ان
کتابوں کی ایک مفصل فہرست لکھدی ہے۔

اقصائے مغرب کی ترتیب میں مینے اس بات کی کوشش بھی کی ہے کہ اہل یورپ کے جدید طرز
تاریخ نویسی کو اردو میں منتقل کردوں اور اگرچہ مجھے اعتراف ہے کہ اسمیں پوری کامیابی نہیں ہوئی
لیکن ساتھ ہی اسکے اس بات کا دعوی بھی ہے کہ اگر ذکی الطبع ناظرین اس کتاب کو غائر نظر سے
مطالعہ کرینگے تو اخیر پر جو اثر انکے دل پر پیدا ہوگا وہ کسیطرح اہل بربر کے خلاف نہوگا۔ یہی وہ جادو ہے
جسکو اہل یورپ "انیسویں صدی کا فن تاریخ نویسی" کہتے ہیں۔

اخیر پر میں مسٹر اسٹانلی لین پول کا غائبانہ شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انکی کتاب باربری کورسیر
(غارتگران بربر) سے مجھے بہت ہی مدد ملی ہے۔

ذیل کی کتابوں سے اس کتاب کی ترتیب میں مدد لی گئی ہے

نمبر شمار	نام کتاب	زبان	مصنف کا نام	نمبر شمار	نام کتاب	زبان	نام مصنف
۱	باربری کورسیر	انگریزی	لین پول	۵	سوانح حسن کی وفات تک سلطنت مراکو میں انقلاب	انگریزی	بریتھویٹ
۲	الجزائر کی مکمل تاریخ	"	مارگن				
۳	سکیچ آف کرسٹنڈم مسیحی دنیا پر عذاب الیم	"	سر آر ایل پلے فئر	۶	سفرنامہ ابن بطوطہ	عربی	
				۷	الادریسی	"	
۴	تاریخ تیونس	"	براڈسلے	۸	ابن خلدون	"	

نمبر۱ کی کتاب میں ان کتابوں کا حوالہ بھی دیا گیا ہے اور مجھے بھی ان کتابوں کا پتہ اسی کتاب سے معلوم ہوا۔

مقدمہ

برّاعظم افریقہ کی طبیعی حالت

اگر تم امریکہ اور افریقہ کے نقشوں پر سرسری نظر ڈالو تو معلوم ہوگا کہ دونوں کی ہیئت کذائی میں کچھ اس طرح کی مشابہت ہے کہ دیکھکر حیرت ہوتی ہے جغرافیہ سے ناآشنا آنکھ یک بیک اندازہ نہیں کرسکتی کہ ان میں سے کس برّاعظم کو کلمبس[1] کی سرپرستی پر ناز ہے اور کس کو جنرل عقبہ[2] کی تولیت پر فخر ہے۔ گویا صنّاع ازل نے دو برابر کی سرزمینوں کو ایک ہی سانچے میں ڈھالکر ایک کو کراس[3] (صلیب) کیلئے وقف کردیا تھا اور

---

[1] نئی دنیا یا امریکہ کا دریافت کرنے والا کلمبس خیال کیا جاتا ہے۔ اسنے بسرپرستی ملکہ ازابلا اور شاہ فرڈی نینڈ فرمانروایان اسپین ۱۴۹۲ء میں یہ سرزمین دریافت کی تھی۔

[2] افریقہ کو اول ہی اول جنرل عقبہ نے بہ عہد اموی خلفائے دمشق بہ سرداری دس ہزار عرب ۶۴۲ء میں فتح کیا۔

[3] مسیحی سلطنتوں کا مذہبی نشان۔ شاید حضرت مسیح علیہ السلام کے مصلوب ہونے کی یادگار رہی ہے۔

دوسرے کو کریسنٹ[۱] (ہلال) کے لئے۔ اگر دونوں امانتیں ایک ساتھ سپرد
کیجاتیں یعنی جسوقت مسلمان افریقہ پر متسلّط ہوئے تھے اُسکے ساتھ ہی مسیحی سرزمین
امریکہ پر قابض ہوتے تو کچھ شک نہیں کہ جو ذہنی فرق آج ہم ان دونوں بڑا عظموں
میں دیکھ رہے ہیں ہرگز نہ دیکھتے کیونکہ جسمانی اور ذہنی دونوں قوتیں قدرت کا انعام ہیں
اور ہر قوم اور ہر ملک کو یکساں طور سے عطا کیجاتی ہیں۔ پس کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی
کہ یکساں قوتیں ہر طرف یکساں نتائج پیدا کرتیں مگر سرکش اور خود بیں انسان کے دل
پر اپنے جلال وجبروت کا سکہ جمانے کے لئے مشیّت ایزدی یہ ہوئی اور مصلحت بھی
یہی تھی کہ قوموں کی عظمت میں تقدیم وتاخیر ملحوظ رہے اور نتیجتاً مسلمانوں کا ادبار مسیحیوں کا
اقبال ہو تاکہ زمانہ کی ترقی اخیر تک جاری رہے اور یہ قدرت کا بارِ امانت یعنی قدرت کے
مخفی دفینوں کی تحقیق جو ابتدائے آفرینش سے قوموں کے دوش بدوش ترقی کرتا چلا آتا ہے
آئندہ بھی یونہی چلا جائے یہانتک کہ فطرت کے تمام رازسربستہ فاش ہوجائیں اور ساتھ ہی یہ

قوموں کی ترقی وتنزل

---

[۱] علاءُ الدین سلجوقی کے جھنڈے پر ہلال کی شکل بنی ہوئی تھی۔ اور چونکہ آرطغرل عثمان اعظم
کا باپ علاءُ الدین کا نائب تھا اِس لئے اُسنے بھی یہ نشان اختیار کرلیا تھا جو صدیوں تک
مغربی قوموں کے لئے تصویر مرگ بنارہا۔ یہ مسلمان حملہ آورین کی علامت تھی اور فاتحان عثمانیہ
کا پسندیدہ لوا۔ دیکھو تاریخ ایڈورڈ کریسی صفحہ ۴۔ اب ہلال ایک تاریخی اصطلاح ہے جس سے
ہمیشہ دولت عثمانیہ اور کبھی کبھی عام اسلامی قوت مراد ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ نشان معجزہ
شق القمر کی یادگار ہو۔

تمام کارخانۂ عالم درہم و برہم ہوجائے۔

چنانچہ جسوقت کلمبس ایک نئے دُرِ شاہوار (امریکہ) کی تلاش میں بحر ظلمات[۱] کو کھنگال رہا تھا اُسوقت مسلمان اندلس کے میدانوں میں بارِ عظمت سے سبکدوش ہو رہے تھے۔ اگرچہ اسپین کے تنگ چشم زاہدانِ[۲] خشک نے مسلمانوں کے علوم کی کچھ بھی قدر نہ کی مگر یورپ کی اُولوالعزم قومیں مثلاً فرانسیس[۳] بڑے ذوق شوق سے اِس خدائی امانت کو لے آئیں۔ باایں‌ہمہ اِس زمانہ کے مورخ اکثر عرب کی شاگردی سے انکار کر دیتے ہیں۔ شاید اِس لئے کہ اقرار میں اُنکو مسلمانوں کا احسان تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ حالانکہ مسلمان بڑے فخر سے یونانیوں کی شاگردی اور ہندیوں کی امداد کے معترف ہیں اور یونانی مصریوں کی خوشہ چینی کے مقر۔ یہ کوئی بلند حوصلگی نہیں کہ قوموں کی علمی احسان فرمائی اور شکرگذاری

مورخین یورپ کی سیرۃ[illegible]

---

[۱] بحر ظلمات یا بحر اوقیانوس (اٹلانٹک سی) اُس وسیع قطعۂ آب کو کہتے ہیں جو نئی اور پُرانی دنیا کے درمیان واقع ہے۔

[۲] دیکھو تاریخ اُندلس باب ۱۳ و ۱۴ جس سے معلوم ہوگا کہ گورنمنٹ اسپین نے کسقدر ظلم سے مسلمانوں کے تمام علمی ذخیرے جلا کر خاک کر دیے۔

[۳] فرانس کی تاریخ علم ادب (لٹریری ہسٹری) میں صاف لکھا ہے کہ پیرس میں عرصۂ دراز تک عربی کالج جاری رہا۔ اور لایق نوجوانوں نے عربی سے ترجمے کئے چنانچہ بعض فرانسیسی مورخ تسلیم کرتے ہیں کہ قرطبہ اور اشبیلیہ کے کتبخانے اِس زمانہ کے کتبخانۂ پیرس کا جزو کثیر ہیں اسیطرح وائکلف انگلستان میں فرقۂ پروٹسٹنٹ کا بانی۔ ابن رشد قرشی اُندلسی کی تصانیف سے فائدہ اُٹھانے کا اعتراف کرتا ہے۔ اسپرٹ آف اسلام (روح الاسلام) مصنفۂ آنریبل مولوی سید امیر علی صاحب بالقابہ۔

[۴] دیکھو المامون مرتبہ پروفیسر محمد شبلی نعمانی۔

کی بحث پر اسقدر سخن پروری کریں کہ امر صریح سے بھی قطعی انکار کر دیں حالانکہ دنیا کی تاریخ صاف بتلا رہی ہے کہ یہ صرف زمانہ ہے جو اپنی ترقی کے لئے ہر قرن میں کسی ایک قوم کو بطور مرکب منتخب کر لیتا ہے۔ اقوام دنیا قرنوں سے شہسوار زمانہ کی ران تلے اسیطرح چلی آتی ہیں اور آیندہ چلی جائینگی۔

الغرض پندرھویں صدی کے ساتھ یورپ میں مسلمانوں کی عظمت کا پہلا دفتر ختم ہو گیا۔ اُدھر یورپ نے اپنی قومی کتاب کا دیباچہ شروع کیا۔ اور اسوقت جبکہ انیسویں صدی قریب الختم ہے اگر کوئی دانشمند یورپ اور امریکہ کے موجودہ مدارج ترقی کا مقابلہ کرے تو بجز اسکے اور کچھ نتیجہ نہیں نکال سکتا کہ زمانہ کا گوشہ چشم اب یورپ سے امریکہ کی طرف پھرتا جاتا ہے۔ عنقریب۔ شاید اس سے بھی پیشتر کہ بیسویں صدی چند قدم بڑھے مرکب زمانہ بننے کا قرعہ اہل امریکہ[1] کے نام پر نکلیگا۔ کیا اُس وقت امریکہ کو یورپ کی شاگردی سے انکار کرنا زیبا ہوگا؟ ہرگز نہیں۔ اسیطرح یورپ کو عرب کی خوشہ چینی سے انکار

---

[1] اس کا ثبوت خود اہل امریکہ کی پالیسی ہے۔ تم نے کبھی نہ سُنا ہوگا کہ امریکن بیڑا چھوٹے سے چھوٹے جزیرہ پر محض ملک گیری اور ملکداری کی ہوس کی بنا پر حملہ آور ہوا ہو۔ قوموں کو آزادی جیسے قدرتی حقوق سے محروم کرنا کُشت وخون سے تخت حکومت حاصل کرکے اُسکو بزور شمشیر محفوظ رکھنے کی تکلیف اُٹھانا امریکہ کے قومی قانون کے خلاف ہے۔ اُس کا خیال ہے کہ کسی قوم کا اقبال۔ دولت۔ جاہ وحشمت ملک گیری پر منحصر نہیں بلکہ صرف اسپر کہ قوائے ذہنیہ۔ قدرتی دفینوں کی تحقیق میں صرف کریں۔ اور نظام آسایش کی تکمیل کریں۔

کرنا سعادتمندی نہیں۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ اس مجہول خیال کی بنیاد پر جب اہلِ یورپ کسی ایسے مُلک کی موجودہ سوشیل یا پولیٹیکل حالت پر قلم اُٹھاتے ہیں جو کبھی عربی فیضان سے بہرہ مند تھا تو اُسکو پُر عیب اور پُر نقص ثابت کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے۔ اور یہ امر شاید مصلحتًا قلم انداز کر دیتے ہیں کہ قرون گذشتہ میں ترقّی زمانہ کا ذریعہ بنکر وہ اپنا فرض ادا کر چکا ہے[1]۔ مثلاً جب کوئی سیّاح افریقہ سے سیر کرکے واپس جاتا ہے اور سفرنامہ مرتّب کرتا ہے تو ضرور ہے کہ خواہی نخواہی یہ خیال ظاہر کرے کہ باوجودیکہ افریقہ ایک پُرانا برّاعظم ہے اور عربی حکومت سے مُستفیض ہو چکا ہے مگر پھر بھی وہ اِسقدر وحشی ہے اور امریکہ جسکو دریافت ہوئے صرف چار صدیاں گذری ہیں نہایت شائستہ اور مہذّب ہے۔

سرسری نظر سے امریکہ اور افریقہ گو ہمشکل معلوم ہوتے ہیں لیکن ذرا متجسّس نظر سے دیکھو تو اول الذکر کے متن پر سیاہ گول بندیاں۔ لمبے ٹیڑھے خط۔ سیاہ بل کھاتے ہوئے سلسلے بڑے اور چھوٹے اس کثرت سے دکھلائی دینگے کہ تل دھرنے کو

---

[1] جن دنوں افریقہ میں عربی حکومت اوج پر تھی تو سقناسہ۔ سجل ماسہ۔ طہرات۔ طلمسان۔ قیروان۔ قاہرہ مراکو بڑے بڑے کو ثرعلوم تھے جہاں یورپ کے سینکڑوں طلّاب ہر قسم کے علوم میں درس لیتے تھے۔ خصوصًا سیلوطہ تجبیر اور فیض کی تعلیم گاہیں۔ اشبیلیہ۔ قرطبہ اور غرناطہ کے کالجوں کی ہم پلّہ تھیں۔ اُندلس کے ایک نامی اور جیّد فلاسفر ابو بکر بیجلے نے آخری دن فیض ہی میں گذارے اور ۱۱۳۸ء (۵۳۳ھ) میں یہیں مر گیا۔ اسیطرح علامہ ابن طفیل القیسی جو اشراقین میں سے تھا۔ اور فلسفہ۔ ریاضی۔ ہیئت و ہندسہ اور طب میں یکتائے روزگار تھا۔ آخری عمر بربر میں بسر کرکے ۵۸۱ھ میں مراکو میں جاں بحق ہوا۔ ان تعلیم گاہوں اور علاموں کے تفصیلی حالات سلسلۂ قصص الاسلام میں حسبِ موقع قلمبند

جگہ نہیں۔ اسکے خلاف افریقہ خصوصًا اُسکا بالائی حصہ بالکل تو نہیں مگر بہت کچھ خالی اور مثل کفِ دست صاف ہے۔ البتہ متن کے کنارے کنارے ہرسہ اطراف پر دریاؤں اور شہروں کے علامات دکھلائی دیتے ہیں۔ گویا ایک سفید کپڑے کے گرد سیاہ چھپی ہوئی سنجاف لگی ہے۔ یہ کفِ دست میدان ہی وہ صحرائے اعظم ہے جو سیکڑوں کوس تک دامن تمنّا کی طرح پھیلتا چلا گیا ہے اور جسمیں مدّ بصر تک ریت کے ٹیلوں۔ سراب یا ریگ رواں کے سوا نہ پانی کا قطرہ دکھلائی دیتا ہے نہ درخت کا پتّا۔ یہی وہ دشت کربلا ہے جسمیں سیکڑوں یورپین علمی تحقیقات کا احرام باندھکر جاتے ہیں اور صحت یا جان نذر کر دیتے ہیں۔ صحرائے اعظم قدرتی طور سے کئی حصّوں میں منقسم ہے مثلًا سوڈان۔ لیبیا۔ فیضان وغیرہ۔ انمیں پہلا وہ مقام ہے جسکے حالات ایک عرصۂ دراز سے ہمارے ہندوستان کے اخبارات کا مرکزِ بحث چلے آتے ہیں اور جسکا نتیجہ ابھی تک بجز اسکے کچھ نہیں کہ مہذب قوموں کو وحشی قوموں کے مُنھ نہ آنا چاہئے۔

صحرائے اعظم کے عین شمال میں۔ ساحل بحرِ اعظم کے برابر شرقًا غربًا وہ سرزمین واقع ہے جو بار بری سٹیٹس یا ریاستہائے بربریہ کہلاتی ہے۔ یعنی ٹریپولی۔ ٹیونس۔ الجیرز۔ مراکو۔ متقدمین اسکو ایفریقا لکھتے ہیں۔ جسطرح اس سرزمین کے جنوب مغرب اور کسیقدر مشرقی حد پر ریگ رواں کا بحر ذخار موجیں مارتا ہے۔ اُسیطرح شمال میں بحیرۂ روم کا نیلگوں پانی۔ ایک طرف آبنائے سسلی۔ اور دوسری طرف آبنائے جبرالٹر سے گذر گذر کر اور لہرا لہرا کر اُسکے سنگلاخ ساحل سے سر ٹکراتا ہے۔

گویا بربر کا ایک شمالی کنارہ موسومۂ راس بونا - جزیرۂ سسلی سے ملنے کی کوشش کرتا ہے - اور دوسرا کنارہ موسومہ قلعہ سیوطہ جبرالٹر سے ملنے کو بڑھتا ہی مگر ہر طرف آبنائیں سدّراہ ہیں - اصل یہ ہے کہ ان دو متضاد عناصر کے سمندروں نے شمالاً جنوباً ایک دوسرے کے محاذی واقع ہوکر بربر کو ایک ایسا جزیرہ نما بنا دیا ہے جسکی دنیا بھر میں نظیر نہیں شکل میں یہ کچھ کچھ قوس دائرہ یا ہلال سے ملتا ہے جسکے سرے غرب کی طرف راس جوبی اور شرق کی طرف ساحل ٹریپولی کا ایک گوشہ سمجھو - ہمنے تو یہ خیال استعارتاً ہی ظاہر کیا ہے یورپ کے جغرافیہ دانوں کو دیکھو کہ وہ سب کسقدر سنجیدگی سے متفق الرائے ہیں کہ چونکہ بربر کی آب و ہوا یورپ کی آب و ہوا بالکل مطابق ہے اسلئے غالب گمان ہے کہ یہ خطّہ کسی زمانہ میں یورپین جزیرہ ہوگا - جسکو مغرب جنوب - اور مشرق کی طرف سے - ایک عظیم قطعۂ آب بطور اندرونی بحیرہ گھیرے تھا - اور شمال میں ایک چھوٹی سی جھیل ملحقۂ یورپ واقع تھی - مگر قوانین جیالوجی[1] کے عمل سے وہ بحیرہ رفتہ رفتہ خشک ہوکر صحرائے اعظم ہے اور وہ جھیل بڑھتے بڑھتے بحیرۂ روم سے مبدل ہو گئے - یا یوں کہو کہ بحیرۂ روم کی مغربی طاس سے اور لطف یہ کہ اس زمانہ کے بڑے بڑے مشہور تجربہ کار انجنیر زور و شور سے پیشینگوئی کر رہے ہیں کہ صحرائے اعظم پھر اسیطرح رفتہ رفتہ بحیرۂ آب ہو جائیگا[2] - بہرحال اسمیں شک نہیں کہ سرزمین

---

[1] وہ علم جسمیں کرۂ زمین کے اندرونی و بیرونی حصص اور انکی جسمانی خلقت - تغیر - انقلاب - ترقی و تنزّل سے بحث کیگئی ہے -

[2] دیکھو یونیورسل جیوگریفی (جغرافیۂ گیتی) مصنفۂ ریکلس فرانسیسی - باب ۱۱ ترجمۂ انگریزی -

بربر اگر جزیرہ نہیں تو جزیرہ نما ضرور تھا۔ جو شمال میں ایک طرف جزیرہ سسلی سے اور
دوسری طرف ملک اسپین سے بذریعہ خاکنائے وصل تھا۔ اسطرح پر کہ سلسلۂ اطلس[1]
مغرب کی طرف کوہستان الپکزرا سے۔ اور مشرق کی طرف کوہ اٹنا سے ملتا تھا لیکن
جیسا کہ جغرافیہ دان دلیل دیتے ہیں۔ یہ دونوں کوہستانی خاکنائیں فی الواقع جیالوجی کے
عمل سے غرقاب ہوگئیں۔ اور بحیرۂ آب واقع جنوب خشک ہوکر بحیرۂ ریگ سے بدلگیا۔
یوں تو وہ تمام وسیع قطعۂ آب جو پورٹ سعید سے شروع[2] ہوکر تنجیر پر ختم ہوجاتا ہے
بحیرۂ روم ہی کہلاتا ہے۔ مگر آسانی کے لئے جغرافیہ دانوں نے اسکو کئی حصوں میں
منقسم کرلیا ہے۔ مثلاً بحیرۂ شام (لیوانٹ) مجمع الجزائر یونان (آرکے پیلگو)۔ اکثر
آبنائیں خلیجیں وغیرہ۔ اسیطرح وہ حصہ جو ملک بربر خصوصاً صوبۂ ٹریپولی کے
شمالی کنارہ کو مقابل کی سرزمین یورپ سے جدا کرتا ہے۔ خلیج سدرہ کہلاتا ہے۔ بربر کا
بحیرۂ روم یہیں سے شروع ہوتا ہے۔ سولھویں صدی میں اگر کوئی شوقین سیاح ایک
چھوٹی سی کشتی میں خلیج سدرہ سے چلتا۔ اور مغرب کی طرف ساحل کے ساتھ ساتھ سفر
کرتا تو اُسکو عجیب غریب حالات دکھائی دیتے۔ اگرچہ اس زمانہ میں اہل بربر بحری غارتگری
میں اپنے یورپین ہمسایوں کے نوآموز شاگرد تھے۔ لیکن ساحل ملک اس ناموزون پیشہ

---

[1] اطلس یا ایٹلس ملک بربر کا پہاڑ جو شمال میں ساحل کے ساتھ ساتھ چلا گیا ہے۔

[2] اسکے ایک طرف سائپرس۔ روڈس۔ کینڈیا۔ جزائر یونان۔ مالٹا۔ سسلی۔ سارڈینیا۔ کورسکا۔ فرمنٹرا۔ بیالیرک۔ منورکا۔ مجورکا وغیرہ جزیرے ہیں۔ اور جزیرہ نمائے اسپین ہے۔ اور دوسری طرف کچھ حصہ مصر اور سواحل بربر کے

ریاستہائے
بربر
مغرب
مشرق
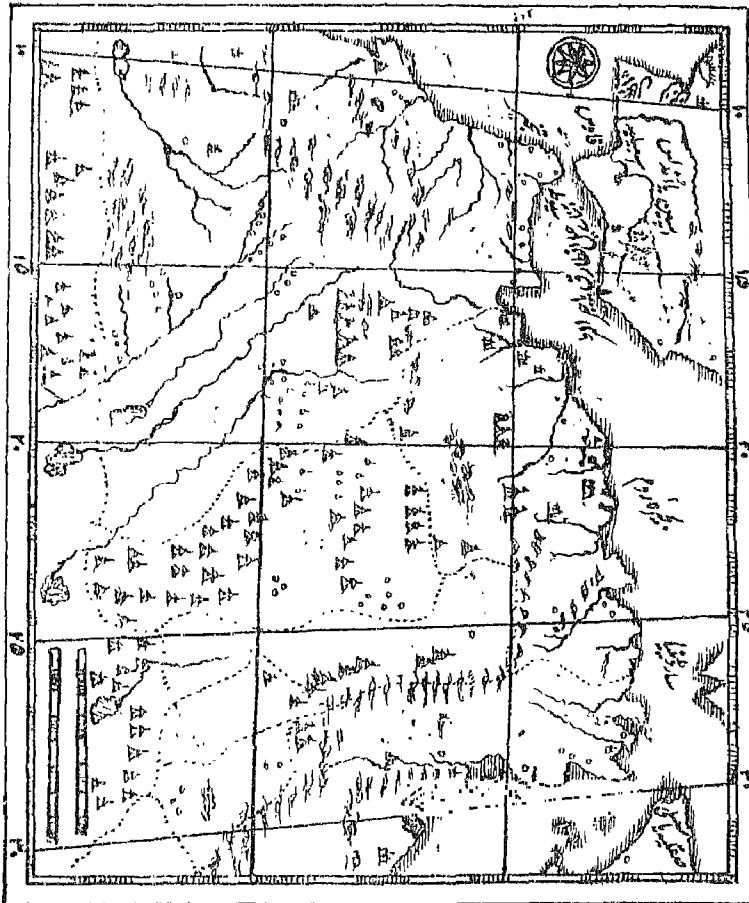
کے لئے کچھ ایسا موزوں تھا کہ یورپ کو بہت جلد ضمناً تسلیم کرلینا پڑا کہ - کس نیا موخت علمِ تیر از من ؛ کہ مرا عاقبت نشانہ نکرد ؛ نقشہ سے ظاہر ہے کہ اِس خلیج سے لیکر شمالی بحر اوقیانوس تک - تمام ساحل پر قدرتی بندرگاہوں کا ایک ایسا سلسلہ چلا گیا ہے جو سِسلی تک کہیں منقطع نہیں ہوتا - ان میں اکثر کوہستان اطلس کی سنگلاخ چٹانوں کو پشت پر لیکر اسقدر مستحکم اور دشوار گذار ہوگئے ہیں کہ ایک معمولی ملّاح جس کو ساحل کی تنگ اور پوشیدہ کمینگاہوں سے کچھ بھی واقفیت ہو پورے جنگی بیڑے کے تعاقب سے تنہا بچ سکتا ہے - اور سولھویں صدی میں تمام ساحل پر کہیں کوئی ایسی وسیع اور کشادہ بندرگاہ نہ تھی جس میں کوئی جنگی جہاز بحالت تعاقب سما سکتا بلکہ برخلاف ہر طرف چھوٹے چھوٹے گھاٹ - چاکٹ اِس کی طرح نہایت تنگ اور لمبے - خشکی میں دور تک کھُلے تھے یا اگر کشادہ تھے تو عمیق نہایت کم تھے - یا چھوٹی چھوٹی پہاڑی گھاٹیاں جن میں ایک معمولی کشتی پناہ گزیں ہوسکتی تھی - چنانچہ سب سے پہلی بندرگاہ جو خلیج سدرہ کے سیاح کو پیش آتی وہ ٹریپولی یا طرابلس[1] ہے اس کے بعد جزیرہ جربہ[2] جو اسی خلیج میں واقع ہے - اس کی پشت پر ایک بہت بڑا اور وسیع قطعہ آب بطور اندرونی بحیرہ واقع ہے جسکی حفاظت کے لئے ہر طرف مستحکم جنگی قلعے بنے تھے - اور چونکہ پانی میں ہر وقت

ساحل افریقہ کی طبعی حالت

طرابلس - جربہ

---

[1] شہر طرابلس کے منظر - موقع - عام حالت نضارت و تروتازگی اور عمارات کے لئے دیکھو سفرنامہ حکیم ناصر خسرو مرتبہ مولانا حالی صفحہ ۴۴ و ۴۵ -

[2] قدیم تاریخی فسانوں میں جربہ کے باشندوں کو لوٹس ایٹر یعنے نیلوفر خوار لکھا ہے جس سے اس شہر کے حاشیہ کی قدرتی نضارت و سرسبزی کا اظہار منظور ہے -

طوفان برپا رہتا تھا۔ اس لئے تجارتی جہاز تو ایک طرف اسپین کے جنگی بھی اسکو تمام
بادگرد سمجھتے تھے۔ اور دور ہی سے تعاقب سے دست بردار ہوجاتے تھے۔ جربہ سے آگے

مہدیہ

بڑھکر مغرب کی طرف شہر مہدیہ واقع ہے جس کو متقدمین افریقا کہتے تھے۔ یہ کبھی
بنو فاطمیہ کا دارالخلافہ تھا۔ اس کے قریب ایک بندرگاہ کے کھنڈر اور قرن وسطےٰ
کی قطع وضع کا ایک جنگی قلعہ ابھی تک دکھائی دیتے ہیں۔ اور آگے چلکر شہر ٹیونس

ٹیونس

واقع ہے جو صوبۂ ٹیونس کا دارالخلافہ ہے۔ یہ وہی قدیم متبرک مقام ہے جہاں مسلمانوں
نے خلیفۂ عبدالملک کے ظلّ حمایت میں جہازرانی کی ابجد سیکھی تھی۔ اور سب سے پہلی
بندرگاہ اور میگزین بنایا تھا۔ قطع نظر اس کے ساحل بربر پر اول درجہ کی یہی ایک بندرگاہ
ہے جسکو گالیٹا یا حلق الوید کہتے ہیں۔ اور اسقدر محفوظ ہے کہ جہاز کو ایک مرتبہ داخل ہوکر
پھر کسی طرح کے طوفان کا اندیشہ نہیں رہتا۔ جربہ کی طرح ٹیونس کے قریب بھی ایک جھیل ہے
جو بزرٹا (بزرطہ) کہلاتی ہے اگر حلق الوید اور بزرطہ کے درمیان ایک مختصر سا قطعۂ آب
رواں مثل نہر سویز جاری کیا جائے تو بندرگاہ مذکور بآسانی اسقدر وسیع ہوسکتی ہے

قرطاجنہ

کہ بحر روم کے تمام جہاز اس میں بے تکلف سما جائیں۔ ٹیونس کے بعد کارتھج (قرطاجنہ)

فرینہ

اور پورٹوفرنیا (فرینہ) کی قدیم مشہور بندرگاہیں واقع ہیں جو اگرچہ اب تو بوجہ ریت سے اٹ
جانے کے بالکل نکمّی ہیں لیکن سولھویں صدی میں خاصی کمین گاہیں تھیں۔ اور اکثر جولائی
سے ستمبر تک نہایت مفید اور کارآمد تھیں۔ کیونکہ اس موسم میں سمندر کی طوفان خیز
ہوائیں جزیرۂ سائپرس کی جانب سے اس بلاکی تیزی سے چلتی تھیں کہ مضبوط سے مضبوط

جہاز بھی راس بونا کی طرف نہ بڑھ سکتا تھا۔ موجودہ الجزائر اور ٹیونس کی حد فاصل
کے قریب بندرگاہ تبارکہ واقع ہے جسکو اہل جنیوا نے ابتدا سے جہازرانی میں اپنا
مرکز قرار دیا تھا۔ اور وہاں کے ایک مشہور تاجر خاندان المعروف بہ لومی لینی کا ہیڈ کوارٹر تھا
اسکے بعد شہر لاکلی واقع ہے جو کبھی تو ایک معمولی کمینگاہ تھا مگر سولھویں صدی میں ایک
مشہور اور عمدہ بندرگاہ بنگیا تھا۔ چنانچہ مارسیلز کے سوداگر جو باستشن[1] ڈی فرانس سے
اُن مقامات کی نگرانی کرتے تھے جہاں سے مونگا برآمد ہوتا تھا۔ آتے جاتے اکثر اسی
گھاٹ پر ٹھہرتے تھے۔ اِس سے ذرا آگے بڑھکر مشہور شہر کانسٹنٹائن (قسطنطین) کے
عین مقابل شہر بونا واقع ہے۔ جس کی کشادہ سڑکیں ہر قسم کی اشیاء آمد برآمد
کے لئے نہایت موزوں تھیں۔ سولھویں صدی کے وسط میں اسکی بندرگاہ پر اسباب
غارتگری سے گرانبار جہازوں کا جمگٹا رہتا تھا۔ یہاں سے کچھ زیادہ فاصلہ پر ایک اور
نہایت قدیم اور متبرک بندرگاہ واقع ہے جسکو جیجل[2] یا جبل بنی ہلال کہتے ہیں۔ یہ وہی
مشہور شہر ہے جسپر کبھی موجد جہازرانی یعنے اہل فینشیا کے نشان کا پھریرا لہراتا تھا۔ پھر اہل
نارمنڈی کا قبضہ ہوا۔ پھر قیصران روما کا تسلط ہوا۔ اور بالآخر سولھویں صدی میں خاندان
باربروسہ نے اسکو سنبھال لیا۔ بہ لحاظ موقع و منظر بربر کی کسی بندرگاہ کو وہ بات نصیب
نہیں جو جیجل کو ہے۔ سیاح دیکھیگا کہ ایک سنگلاخ قطعۂ زمین بہ شکل نصف دائرہ بیرون

شبارکہ

لاکلی

بونا

جیجل بنی ہلال

[1] یعنی فرانس کا برج جو ایک مقام کا نام تھا۔

[2] جیجل یا جبل بنی ہلال کے قدیم منظر و موقع کے لئے دیکھو سفرنامۂ حکیم ناصر خسرو صفحہ ۴۴ و ۴۵ ۔

ساحل سمندر میں نصب ہے جسکو ایک تنگ ریتلی خاکنائے نے بڑا عظم سے وصل کر کے گویا جزیرہ سے جزیرہ نما بنا دیا ہے۔ دور سے یہ بالکل بینی کوہ معلوم ہوتا ہے کپتان عروج نے اپنے ترکتاز جانبازوں کے لئے جو مستحکم قلعہ بنایا تھا وہ ابھی تک اس قطعہ پر موجود ہے۔ اور سامنے ایک مختصر اور موزوں بندرگاہ بنی ہے جسکو سنگلاخ بلندیاں قدرتی سدّ آب کی طرح ہر طرف سے اپنے حلقہ میں لئے ہوئے ہیں۔ جیجل سے تین میل جانب غرب شہر بوجیہ واقع ہے جس کی بندرگاہ

بوجیہ

اسقدر محفوظ ہے کہ سخت سے سخت طوفان خیز ہوائیں بھی جہاز کا بال بیکا نہیں کر سکتیں۔ پھر مشہور شہر الجزائر جو ریاست الجزائر کا دارالحکومت اور بڑا معرکہ گاہ ہے اگرچہ ابتدا میں بندرگاہ نہ تھا مگر بعد کو بنا لیا گیا۔ اسکے قریب ہی بندرگاہ شرشیل

الجزائر و شرشیل

واقع ہے جو حالت امن میں قزاقوں کا آرامگاہ اور طوفان میں جہازوں کی پناہ تھا خصوصًا اُس موسم میں جبکہ شمالی تیز ہوائیں سمندر میں تلاطم پیدا کرتی تھیں اس مقام کی قدر و قیمت دوچند بڑھ جاتی تھی۔ شرشیل سے آگے بڑھکر طینس

طینس

واقع ہے جس کی بندرگاہ اگرچہ نہایت ہی دشوار گذار لیکن ایک مرتبہ داخل ہونے کے بعد عمدہ مامن تھی۔ اور آگے چلکر مشہور شہر طلمسان کے محاذ میں شہر اوران واقع ہے

اوران

اسکے ایک جانب بندرگاہ مرسٰی الکبیر دکھلائی دیتی ہے جسکو روما کا پورٹس ڈیوی نس (خدائی بندرگاہ) کہنا چاہئیے۔ اور دوسری جانب بندرگاہ جامع الغزواۃ ہے۔ آخرالذکر کا موقع اسقدر ناہموار اور سنگلاخ ہے کہ اگر کوئی واقفکار قزاق تعاقب سے

گھبرا کر ادھر اُدھر چھپ جائے تو ہزار سراغ رسانوں کو بھی پتہ نہ لگے۔ ان کے بعد تنجیر اور سیوطہ کی بندرگاہیں آتی ہیں اور ساتھ ہی شمالی ساحل ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر سیّاح آبنائے جبرالٹر سے عبور کر کے مغربی ساحل پر پہنچے تو اُسکو بھی کمینگاہوں سے خالی نہ پائیگا۔ اس طرف بھی ناواقف نظر سے پوشیدہ ساحل میں جابجا چاک سے کھلے ہیں۔ چنانچہ اِن سب میں مشہور مقام سیلی ہے جس کے گرد بالو ریت کی وہ کثرت ہے کہ گویا ایک فصیل کھنچی ہے اور مقام مذکور کو لٹیروں کے لئے ایک قدرتی حصن حصین بناتی ہے۔ سیلی کے قریب ہی قصبۃ القصر واقع ہے جو کبھی قزاق گردی میں غنائم کا گودام تھا۔ سیوطہ کے بلند اور مشہور تاریخی قلعہ سے اگر سیاح جانب شمال دوربین لگائے تو اُس کی نظر آبنائے جبل الطارق کو عبور کرتی اور کوہ جبل الطارق کی اونچی نیچی چوٹیوں سے بل کھا کر گذرتی اسپین کے اُن تاریخی میدانوں پر پڑیگی جن میں ہنر بران اسلام کے تیغ و قلم کے ہزاروں مجسّم کرشمے یادگاروں کی شکل میں ہنوز ایستادہ ہیں اور اِس اُولوالعزم اور جلیل القدر قوم کی مرحوم شان و عظمت پر ماتم کر رہے ہیں جس نے یورپ کو کچھ کم ایک ہزار برس تہذیب و شائستگی تمدّن و ملکداری کی تعلیم دی تھی۔ اُندلس کے مایۂ ناز شہر سراپا حسرت سامنے دکھائی دینگے جنکی بابت حالی نے لکھا ہے:۔

تنجیر سیوطہ

سیلی

قصبۃ القصر

هویدا ہے غرناطہ سے شوکت اُنکی — عیاں ہے بلنسیہ سے قدرت اُنکی

بطلیوس کو یاد ہے عظمت اُن کی — ٹپکتی ہے قادس میں سر حسرت اُنکی

نصیب اُن کا اشبیلیہ میں ہے سوتا
شب و روز ہے قرطبہ اُن کو روتا

کوئی قرطبہ کے کھنڈر جا کے دیکھے   مساجد کے محراب و در جا کے دیکھے
حجازی امیروں کے گھر جا کے دیکھے   خلافت کو زیروزبر جا کے دیکھے

جلال اُن کا کھنڈروں میں ہے یوں چمکتا
کہ ہو خاک میں جیسے کندن دمکتا

چھوٹی چھوٹی بندرگاہوں اور کمینگاہوں کی کثرت کے علاوہ اندرونی مقامات بھی حسب دلخواہ تھے۔ دریا۔ جہازرانی کے قابل اگرچہ کوئی نہیں مگر آبشاروں کا چھوٹا ہونا جو عندالضرورت کارآمد ہوسکتی تھیں گویا دریاؤں کا نعم البدل تھا۔ ساحل کے قریب سنگلاخ چٹانیں اسقدر بلند اور ڈھلوان ہیں کہ اگر کوئی دور اندیش قزاق چاہتا تو ہر جگہ سے سمندر کا وسیع نظارہ کرسکتا اور اِس طرح اپنی ذرّیات کو غنیم کے حملہ یا شکار کی آمد سے مطلع کرسکتا تھا۔ ساحل کی تمام اراضی اسقدر زرخیز تھی کہ باشندوں کی جمیع ضروریات کی بآسانی کفیل ہوسکتی تھی۔ کوہ اطلس کے دامن میں اور اُسکے پرلی طرف بھی اُندلس کے جلاوطن مسلمانوں نے چھوٹے چھوٹے گانوں آباد کرلئے تھے۔ تمام میدان اور زیرین وادی دامن کوہ تک سرسبز چراگاہوں سے معمور تھے جن میں عربی قبیلے۔ اونٹ بھیڑ بکریوں کے گلّوں سمیت سال کے بارہ مہینے خانہ بدوش گھومتے پھرتے تھے شہر جربہ کی نضارت اور تروتازگی میں گلشن فردوس کا جلوہ نظر آتا تھا۔ اُسکے ہرے بھرے

کھیت۔ شاداب مرغزار۔ انگور۔ زیتون۔ بادام۔ خوبانی۔ انجیر کے باغات عجیب نظر فریب سین پیش کرتے تھے۔ شہر ٹیونس سرسبز چراگاہوں اور پھلے پھولے باغوں کے حلقہ میں اسی طرح ایستادہ تھا جس طرح صحن چمن میں کوئی مشجّر قبہ۔ اگر اہل بربر نے اُس کو عروس المغرب کا خطاب دیا تھا تو بالکل زیبا تھا۔

ساحل بربر میں سب سے بڑا یہ وصف تھا کہ بارہ مہینے طوفان خیز ہوائیں سمندر میں طوفان برپا رکھتی تھیں جسکی دست درازیوں سے کچھ وہی خوب بچ سکتے تھے جو ساحل کی سنگلاخ کمینگاہوں اور اُس کے پُر پیچ راہ ورسم منزل سے کماحقہ واقف تھے۔ معمولی واقفکار یا اجنبی ملّاح و ناخدا کے لئے تو اِن میں سے ہر ایک موقع تارِ عنکبوت سے کم نہ تھا۔

ساحل کی خاصیت

سولھویں صدی کے شروع میں جب بحیرۂ روم میں آتش غارتگری شعلہ زن ہوئی تو نئی اور پرانی دنیا میں سلسلۂ تجارت کا آغاز تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ تمام تجارتی جہازات جو یورپ کے ممالک مثلاً فرانس۔ اسپین۔ انگلینڈ۔ ہالینڈ اور اٹلی وغیرہ سے یا بحیرۂ شام کی بندرگاہوں سے آتے تھے یا یہاں سے امریکہ کو جاتے تھے اُن کو بیشتر اسکندریہ یا سمرنا سے گذرنا پڑتا تھا۔ پس ضروری تھا کہ آتے یا جاتے آبنائے جبرالٹر یا مالٹا سے عبور کریں اور چونکہ یہ دونوں آبنائیں ساحل بربر کے مشرقی اور مغربی دو نکلے ہوئے گوشوں سے پیدا ہوئی ہیں لہذا تمام تجارتی جہازوں کو بحیرۂ روم کی مغربی طاس سے گذرنا ناگزیر تھا گویا اُن تمام بندرگاہوں اور کمینگاہوں کے قریب سے

تجارتی جہازوں کا رستہ

گذرتے تھے جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ پس ظاہر ہے کہ اگر کوئی دلیر اور جانباز مشرق میں ٹیونس پر۔ وسط میں الجزائر پر۔ اور مغرب میں قلعۂ سیوطہ پر قبضہ کرکے اور ان مقامات میں جم کے اِدھر اُدھر جستجو کرتا تو اُسکو اس قسم کے صدہا موقعے بآسانی مل سکتے تھے کہ بحر روم کے تمام تجارتی جہازوں کو جو یورپ اور امریکہ دونوں برّاعظموں کی دولت سے معمور آتے جاتے رہتے تھے ایک اشارہ سے بربر میں خالی کرالے۔

اِس مختصر طبعی حالت سے معلوم ہوگا کہ بربر کے سواحل پیشۂ قزاقی کے لئے قدرتی طور سے کہاں تک موزوں تھے۔ آئندہ ملک کا تمدن۔ حکومت اور خارجی تعلقات مجملاً بیان کئے جائینگے اور اُس کے ضمن میں اُن اسباب کی اصلیت اور تدریجی رفتار کا ذکر ہوگا جنکا نتیجہ آخر یہ ہوا کہ سولھویں صدی کے ساتھ بحیرۂ روم تمام جہازوں کے لئے ایک ایسی بھول بھلیاں بنگیا جس سے بجز اسکے اَور کسی بات میں مفر نہ تھا کہ سر بہ تسلیم ہوکر تمام اثاثۂ جہاز بربر کے کسی بندرگاہ میں داخل کردیں اور خود اہل جہاز عمر بھر کے لئے خطّ غلامی لکھدیں۔

بربر کی پولٹیکل حالت

واضح ہو کہ بربر[۱] کو مسلمانوں نے سب سے پہلے ۶۹۲ء میں جنرل عقبہ کے ماتحت فتح کیا چنانچہ ابتداے فتح سے بہت سے اسلامی خاندان اُسکی حکومت

---

[۱] شمالی افریقہ یا بربر کو اقصاے مغرب بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ مسلمانوں نے اول مصر کو فتح کیا تھا۔ اور مصر سے بربر جانب مغرب واقع ہے۔ لہذا اُسکو اقصاے مغرب کے نام سے موسوم کرتے تھے۔

سے یکے بعد دیگرے مستفید ہوئے یہاں تک کہ عربی عمّال جن کا عزل ونصب خلفاسے دمشق وبغداد کے ہاتھ میں تھا موقع پاکر مطلق العنان ہو گئے۔ انہیں بنو ادریس اور بنو اغلب زیادہ ممتاز تھے جنھوں نے ۷۸۸ء اور ۸۰۰ء میں جداگانہ خودسر حکومتیں قایم کیں۔ ان کے استیصال پر ۹۰۹ء میں بنو فاطمیہ نے زمام سلطنت ہاتھ میں لی۔ دولت علویہ فاطمیہ جسطرح مجموعتاً نہایت مقتدر اور اقبالمند تھی اسیطرح اسکے ممبر بھی فرداً فرداً نہایت جلیل القدر اور اُولوالعزم تھے۔ اس عہد کا سب سے مشہور واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے اول مہدیہ (افریقہ) کو دارالخلافہ بنایا اور پھر ۹۶۸ء میں قاہرہ میں منتقل کر لیا۔ چونکہ اس ابتدائی زمانہ میں بربر اور مصر کے درمیان کوئی مستقل۔ محفوظ اور سہل ذریعہ رسل ورسائل نہ تھا لہذا اس انتقال کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطنت اقصاے مغرب کا شیرازہ بکھر گیا اور بجاے ایک کے متعدد فرمانروا سربلند ہو گئے مثلاً بنو حمود صوبۂ طلمسان میں۔ بنو زیری صوبۂ ٹیونس میں۔ وغیرہم لیکن گیارھویں صدی کے آخر میں مرابطین کا ستارۂ اقبال بلند ہوا اور عرصۂ دراز تک افریقہ کے بیشتر حصہ نیز اندلس پر پرتوافگن رہا۔ پھر بارھویں کے وسط میں ایک اور اُولوالعزم خاندان نے خروج کیا جو موحدین مشہور تھا موحدین کی حکومت کسی قدر زیادہ دیرپا اور ٹیونس سے لیکر بحر ظلمات تک پھیلی تھی لیکن متلون المزاج زمانہ کو ایک حالت پسند نہیں اور قانون قدرت کا اصول بھی یہی ہے کہ ہر قوم باری باری دنیا کی حکومت اور دولت سے بہرہ مند ہوتی رہے چنانچہ قریباً

بنو ادریس۔ اغلب
بنو فاطمیہ۔ ۹۰۹ء

۹۶۸ء

بنو حمود و بنو زیری
مرابطین

موحدین

ڈیڑھ سو برس بعد موحدین کا آفتاب اقبال بھی غروب ہوگیا اور اب تین خودسر

بنو الحفص

خاندان اور پیدا ہوئے یعنے بنو الحفص ۱۲۲۸ء سے ۱۵۳۴ء تک ٹیونس میں۔ بنو زیان ۱۲۳۵ء سے ۱۴۰۰ء تک مغرب الاوسط میں۔ اور بنو میرین ۱۲۰۰ء سے ۱۵۵۰ء تک مراکو میں۔ آخر سولھویں صدی میں ان کے استیصال پر ایک نیا دور شروع ہوا جسکی تاریخ ناظرین کے سامنے ہے۔ اِس میں تین مختلف فرمانروا خاندان شامل تھے یعنے الجزائر میں خاندان ڈے۔ ٹیونس میں خاندان بے جو ترکی نسل سے تھا۔ اور مراکو میں ایک قدیم عربی خاندان حکمران تھا جسکے فرمانروا شریف یا سلطان مراکو کہلاتے تھے۔ اِن میں خاندان آخر الذکر ہنوز حکمران ہے مگر الجزائر کے پولٹیکل اسٹیج پر فرنچ ری پبلک نمودار ہے اور ٹیونس کے پاشا اگرچہ کچھ عرصہ تک برائے نام مطلق العنان رہے مگر حقیقت میں وہ فرانسیسی گورنروں کی "حالا کشیدند" میں رہنے کے بعد

۱۸۸۲ء

آخرکار ۱۸۸۲ء میں فرانسیسیوں کی نپولٹن[1] پالیسی کا شکار ہوگئے۔

گورنمنٹ اسلام کی ملکی پالیسی

سلطنت کے انقلاب اور فرمانرواؤں کے عزل و نصب پر جو خفیف شورشیں ملک میں وقتاً فوقتاً برپا ہو جاتی تھیں اگر اُن سے قطع نظر کیجائے تو حکومت اسلام اول سے آخر تک حاکم و محکوم دونوں کے لئے یکساں طور سے مبارک تھی جیسا کہ بیان کیا گیا ہے بربر کے تمام حکمران خاندان خاک پاک عرب سے نہ تھے

[1] نپولٹن پالیسی مراد ہے عالمگیر پالیسی سے۔

جسکا خاصہ ہی رحم و عفو و چشم پوشی و آزادمنشی ہے - بلکہ بیشتر خاص ملک کے وہ دیسی قبائل تھے جو ایک تدریجی رفتار سے تخت حکومت تک پہنچے تھے - پس اگر اُن میں نو دولتہ قوموں کی صفات پائی جاتیں تو خلاف توقع نہ تھا مگر باینہمہ اُن کا طرز حکومت ذمیوں کے لئے سرمو بار خاطر نہ تھا - مسیحیوں کو گرجا بنانے اور ارکان مذہبی ادا کرنے کی کھلی اجازت تھی - انجیل کا وعظ اور درس و تدریس بے کھٹکے کرتے تھے - اور باہمی اختلاط میں تعصب و اکراہ نہ تھا چنانچہ تیرھویں صدی میں شاہان مراکو اور ٹیونس اسقف اعظم (پوپ آف روم) کے ساتھ جسقدر اخلاصمندانہ رسل و رسائل[۱] رکھتے تھے وہ فیض کے بشپ (مجتہد) کے عبودیت ناموں سے کسی طرح کم نہ تھی -

عیسائیوں سے سلوک

تمام ملکی خدمات مالی - انتظامی اور جنگی میں مسلمان اور مسیحی گورنمنٹ اسلام کے یکساں معتمد علیہ تھے - مسیحی جسطرح جج اور ناظم ہوتے تھے اُسی طرح جرنیل اور کرنیل بھی بنائے جاتے تھے - اقوام یورپ سے جو کچھ اُن کے تعلقات تھے وہ انتہا درجہ کی اخلاصمندی پر مبنی تھے - خصوصاً گیارھویں صدی سے جبکہ بنو فاطمیہ نے افریقہ سے تعلقات قطع کئے اور سولھویں صدی کے شروع تک جبکہ آل عثمان نے قسطنطنیہ میں ایک جلیل القدر سلطنت کی بنیاد قایم کی اہل بربر کی فارن پالیسی توقع سے زیادہ دانشمندانہ اور آئین ملکداری کے عین مطابق رہی -

خارجی تعلقات

ایک طرف یورپ کو افریقہ کے چمڑے اور دیگر ملکی پیداوار کی ضرورت تھی اور

---

[۱] تاریخ بربھوسیٹ باب ۱۰۱ - ۲۰ - شاہ ٹیونس کا ایک رسمی خط اور پوپ کا جواب نہایت ہی دلچسپ ہیں -

دوسری طرف افریقہ کو یورپ کے مصنوعات کی احتیاج تھی اسلئے طرفین نے رفع
ضروریات کے لئے معاہدے تحریر کر دیے تھے تاکہ باہمی تعلقات منضبط
ہو جائیں۔ اس میں شک نہیں کہ تاجران بحیرۂ روم مثلاً اہل وینس۔ جنیوا۔ اور پیسا وغیرہ
سے سلاطین بربر کی بحری قوت نہایت کم اور کمزور تھی اور بادی النظر میں اس
باہمی قرارداد کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی تھی مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ فرمانروایان بربر کو عہدنامے
تحریر کرنے یا انکی بجا و بیجا شرائط پورا کرنے میں مجبوری تھی بلکہ برخلاف تاجران بحیرۂ روم
کو "دے برندش" کا مضمون درپیش تھا کیونکہ تمام تجارتی جہازوں کو بحیرۂ روم کے مغربی
طاس اور شمالی سواحل سے گذرنا ناگزیر تھا اور جب یہ تھا تو اقوام ساحل سے موافقت رکھنا
بھی لازمی تھا تاکہ تجارتی حقوق ہر طرح محفوظ رہیں۔ پھر یہ بھی تھا کہ اگر فرمانروایان بربر
کو ذرا بھی کوئی وجہ بدنیتی یا حرص بیجا ہوتی تو ایک طرفۃ العین میں تمام عہد و پیمان بالائے
طاق ہوتے اور تاجران یورپ کے جہاز بربر کی بندرگاہوں میں محصور ہوتے۔ مگر تاریخ
سے اس قسم کی عہد شکنیوں کا پتہ نہیں ملتا بلکہ برعکس معلوم ہوتا ہے کہ اہل بربر نہ
صرف عہد نامے لکھتے تھے بلکہ انتہا درجہ کے خلوص اور استقلال سے ایک
ایک شرط[1] پورا کرتے تھے۔ اہل سسلی[2] ہمیشہ سے فیض۔ طلمسان۔ اور ٹیونس کی ریاستوں

---

[1] دیکھو لین پول صفحہ ۲۲ و ۲۳۔

[2] مسلمان اسکو صقلیہ لکھتے ہیں۔ انھوں نے ۸۲۱ء میں فتح کر کے ۲۰۰ برس حکومت کی
صنعت و حرفت میں امراے صقلیہ آجتک یورپ میں مشہور ہیں۔

یورپ کی تجار قوموں کے حقوق

سے دوستانہ تعلقات رکھتے تھے۔ان کو دیکھکر پیسا[1]۔ پرووینس[2]۔ اراگون[3]
وینس[4]۔ اور جنیوا[5] کی تجارت پیشہ اقوام نے بھی اُنسے دوستی پیدا کی۔ بلکہ بعض کو اسقدر
رسوخ ہوا کہ ٹیونس اور سیوطہ جیسی مشہور بندرگاہوں میں اُن کے لئے بطور رزیڈنسی
کوٹھیاں مخصوص ہوگئیں۔ باقی قوموں کی طرف سے معتمد سفیر بطور کانسل حاضر رہا
رہتے تھے جن کی ہر طرح عزت وحفاظت کیجاتی تھی۔ جنیوا اور پیسا کے لئے افریقہ
کی تجارت بعض وجوہ سے بالخصوص مفید تھی لہذا ٹریپولی (طرابلس) ٹیونس۔ بوجیہ۔
سیوطہ۔ اور سسلی وغیرہ مقامات میں اُن کی طرف سے ٹریڈنگ کمپنیاں (جماعت
تاجران) قائم تھیں۔ خاصکر جنیوا کو افریقہ سے اسقدر دلچسپی تھی کہ ایک مرتبہ جب
مسیحی مجاہدین بربر پر حسب عادت چڑھ آئے اور ٹیونس کو تاخت وتاراج کرنے
لگے تو اہل جنیوا نے تمام مذہبی اور قومی پاسداری چھوڑ کر اُن کا خوب مقابلہ کیا اور
اسقدر آڑے ہاتھوں لیا کہ پُرجوش مجاہدین کو بھاگتے ہی بنی۔ اِس سچّی رفاقت کی
وجہ یہی تھی کہ سلاطین بربر کے ظلّ حمایت میں اہل یورپ کے نہ صرف تاجرانہ حقوق

---

[1] اٹلی کا مشہور شہر غربی ساحل پر کوہ ایپی نائز کے دامن میں واقع ہے۔ سولھویں صدی میں تجارت کا مرکز اور بحری غارتگری کا مبداء تھا۔ اسکا گرجا ایک خمیدہ مینار کے لئے نہایت مشہور ہے جو قریب ۱۸۰ فیٹ بلند۔ ۱۶ فیٹ ٹیڑھا۔ اور ۸ منازل پر مشتمل ہے۔

[2و3] پرووینس فرانس کے اور اراگون اسپین کے مشرقی کنارہ پر واقع ہیں قرن وسطیٰ میں مشہور تجارتی ریاستیں تھیں۔

[4و5] وینس اور جنیوا کا حال تیسرے باب میں مفصل درج ہے۔

محفوظ تھے بلکہ مذہبی آزادی بھی ہر طرح ملحوظ تھی چنانچہ ٹیونس میں جو اُسوقت اقصائے
مغرب کا دارالاسلام مانا جاتا تھا مسیحیوں کا عظیم الشان گرجا موجود تھا۔

اگرچہ ان معاہدوں کی وجہ سے بحیرۂ روم میں کھُلی غارتگری کا اندیشہ نہ رہا تھا مگر
معمولی لڑائیوں کے خطرے بدستور تھے جسطرح باہمی نفاق اور شکر رنجیاں ہر خاندان
کے مشاغل زندگی ہیں اسیطرح جنگ وجدل قوموں اور ملکوں کے وظائف
حیاتیہ ہیں۔ اگر شخصی زندگی سے شکر رنجیاں اور قومی زندگی سے جدال خارج کردیے

غارتگری کی ابتدا

جائیں تو لائف (حیات) اور ہسٹری (تواریخ) صغرے اور کبرے سے زیادہ وقعت
نہ رکھیں۔ اختلاف شخصی اور قومی زندگی کی جان[1] ہے۔ اور جب باہم اختلاف ہوتا ہے
تو فریقین بلکہ اُن کے ہمسائیوں تک کی زندگی بے کیف ہوجاتی ہے چنانچہ بنو فاطمیہ
نے اپنے زمانۂ عروج میں قرطبہ کے بنی امیہ اور بربر کی ہمعصر وہمسر قوتوں کو مغلوب
کرنے کے لئے بحیرۂ روم میں اکثر جنگی طوفان برپا کئے جن کے اثر سے تجارت کسی
طرح پنپ ہی نہ سکتی تھی۔ اُنھوں نے وہ تمام جزیرے جو جانب غرب واقع ہیں یعنی سسلی
سارڈینیا۔ کورسیکا۔ اور بیلیرک وغیرہ بدون خونریز لڑائیاں لڑے فتح نہ کئے تھے۔ اسی
طرح ایک مرتبہ ۱۰۰۵ء میں اہل بربر نے شہر پیسا کو تاخت وتاراج کرڈالا۔ اہل پیسا نے
جواباً ایک بربری بیڑے کو آگ لگادی[2]۔ اِس واقعہ سے تین برس بعد ۱۰۰۸ء

---

[1] دیکھو رسالۂ مسرت از مولف ہذا۔

[2] دیکھو باربری کورسیر صفحہ ۲۲ تا ۲۵۔

میں ایک فاطمی جرنیل المخاطب بہ "المجاہد" فاتح سارڈینیا اور "لارڈ مجورکا" نے شہر پیسا کے ایک حصہ کو بطور جواب الجواب جلا دیا اور ۱۰۱۱ء میں قلعہ لونی کو جو صوبہ اٹروریا[۱] کا مشہور شہر ہے ہیڈ کوارٹر بنا کر علاقۂ قرب وجوار میں مسلسل حملوں سے ایک طوفان برپا کر دیا۔ آخر کار ۱۰۱۷ء میں جب اٹلی سے خود پوپ نے اور سارڈینیا کی طرف سے اہل پیسا اور دیگر اقوام نے سخت کشمکش و کوشش کی تب ان سے نجات ملی۔ اسی طرح ۱۰۳۴ء کے قریب ایک افریقی بیڑا ایلغار یا تاخت و تاراج کرنے کی غرض سے کلیبیریا[۲] کو بھیجا گیا۔ انہی دنوں میں اہل پیسا کو پھر کچھ جوش آیا اور دفعتاً شہر بونا پر چڑھ آئے اور اُسکو فتح بھی کر لیا۔ جب اہل نارمنڈی کا وقت آیا تو وہ بھی بحری فتنوں کی آگ بھڑکانے سے نہ چوکے اور ۱۰۷۲ء میں سسلی کو بزور شمشیر فتح کر کے ۱۰۸۷ء میں یکایک مہدیہ پر حملہ آور ہوئے اور شہر کو جلا دیا۔ خلاصہ یہ کہ یورپ اور افریقہ میں نقیض رہتا ہی تھا اور اس لئے سمندر بھی خونریزی اور تاخت و تاراج سے خالی نہ تھا۔ لیکن جیسا کہ ظاہر ہے یہ واقعات گیارھویں صدی سے متعلق ہیں۔ قرون مابعد میں جب بربر کے اندر مستحکم اور باقاعدہ حکومتیں قائم ہو گئیں تو اس قسم کی شورشیں شاذ و نادر برپا ہوتی تھیں ورنہ فی الجملہ تمام بحر و بر میں امن تھا۔ خصوصاً بنو حفص کی تین سو برس کی حکومت اس لحاظ سے بہت زیادہ مشہور

---

[۱] جزیرۂ سارڈینیا کا ایک صوبہ ہے۔
[۲] اٹلی کا ایک صوبہ۔

کا مرکز معلوم ہوتا تھا - اسنے گورنمنٹ اسلام بلا تفریق رنگ و روپ یا مذہب و قومیت یکساں سلوک و مراعات کرتی تھی اُنکے تاجرانہ حقوق اور مذہبی رسوم کا ہر طرح لحاظ کیا جاتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ ہر شخص اپنے ہمسر و ہمسایہ طاقتوں کے نزدیک بھی اُسیقدر رہر دلعزیز اور ممتاز تھے جسقدر کہ رعایا سے بر بر کے نزدیک[1] -

جن تجارتی عہدناموں کا ذکر اوپر کیا گیا ہے یہ ظاہر ہے کہ انمیں جہازوں کی آزادانہ آمد و رفت اور اہل جہاز کے جان و مال کی حفاظت شرط مقدم تھی - اور اسی ایک شرط کی بجا آوری فریقین کا بڑا فرض تھا - مگر باایں ہمہ لوٹ مار کا بازار گرم تھا اور معاہدوں کی خلاف ورزی بے تکلف کیجاتی تھی - کس فریق کی طرف سے ؟ خاص اہل یورپ کی طرف سے - خود یورپین مورخ تسلیم کرتے ہیں کہ اس مقدس پیشہ کی بانی مبانی خاص اقوام یورپ ہی تھیں - اُنھوں نے اسکی ابتداء کی - اسکو ترقی دی - انھوں نے ہی اسکو ذریعۂ معاش بنایا اور اپنی ہمسایہ قوموں کو سکھلایا - ایک جماعت آگے بڑھکر عہدنامجات مرتب کرتی تھی اور دوسری غارتگرانہ حملوں کی تجویزیں سوچتی تھی - وہ یونان جو کبھی انسانی فضائل کا سرچشمہ اور علم و حکمت کی کان تھا - روڈس اور مالٹا جو اُسوقت

یورپ کے غارتگر

---

[1] دیکھو کتاب کمرشل ریلیشن بٹوین ایفریکا اینڈ دی کرسچن نیشنس (افریقہ اور مسیحی دنیا کے تجارتی تعلقات) یہ کتاب فرانسیسی سے انگریزی میں ترجمہ ہوئی ہے - مطبوعہ لیڈن ۱۸۹۲ء صفحہ ۱۰۰ تا ۱۰۱ -

[2] دیکھو لین پول صفحہ ۲۴ و ۲۵ -

مملکت فرانس
مارسیلز
ریاست اراگون
بارسلونا
مملکت ہسپانیہ
بطلیوس
قرطبہ
اندلس
بلنسیہ
قادس
جنیوا
قسطنطین
انگریزی میل
جزائر و ممالک واقعہ بحیرۂ روم
۱۰۰ ۲۰۰ ۳۰۰ ۴۰۰ ۵۰۰
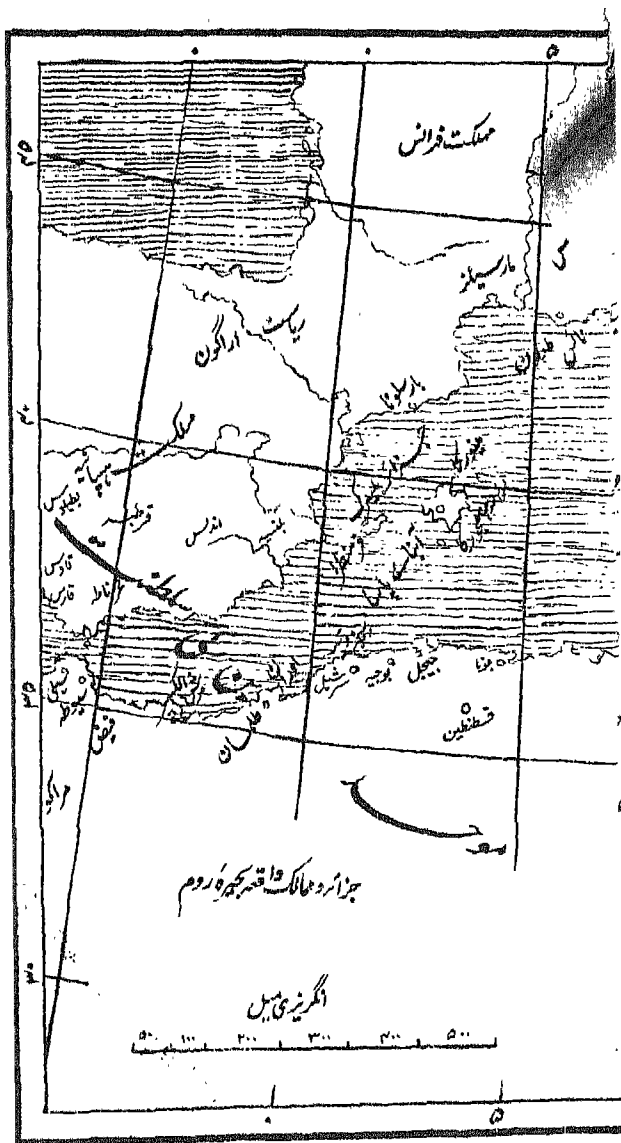
رہبانیت اور تقدس کا مرکز اور مجاہدین و غازیان مذہب کا ملجاء
سارڈینیا جنیوا اور پیسا وغیرہ کا علم غارتگری سب سے زیادہ بلند تھا۔
تجارتی جہاز بلکہ شوقین سیاح کی کشتی تک اُنکے دام تزویر سے نہ بچ سکتی تھی
ت مرتبہ قرن وسطے ہمارے اس بیان کی مجسم شہادت ہیں۔ اپنے
لہ تجدید معاہدہ کی ضرورت ہمیشہ اسلئے ہوتی تھی کہ کوئی یورپین قوم
ورزی کر بیٹھتی۔ غارتگری کو زیادہ ترقی اسوجہ سے ہوئی کہ اُسوقت
مذہب سے بہوت اور سرگرم جہاد تھا اور جہاد کا رُخ چونکہ ہمیشہ ایشیا کے
اقصاے مغرب کی طرف رہتا تھا جو یورپ سے دور دراز فاصلہ پر
سکے ساتھ تجارت بھی زیادہ رونق پر تھی۔ پس جو مسیحی ریاستیں مثلاً
دیگر اس کار خیر میں شریک نہ ہوسکتی تھیں وہ مجاہدین کے رسد
دں کو لوٹ کر شریک ہوجاتی تھیں۔ پھر یہ بھی تھا کہ اُس زمانہ میں
ری قوت بھی نہ تھی کہ ان مردم آزار قوموں کی سرکوبی کیجا سکتی
سلسلہ روز بروز بڑھتا گیا۔ اِنکے علاوہ اثناے جہاد میں فریقین
مر پر غارتگرانہ حملے کرنے سے دریغ نہ کرتے تھے خواہ دشمن کو نقصان
سے یا خود فائدہ اُٹھانے کے لئے مگر پہلی وجہ زیادہ قرین قیاس

ہے۔ فرامی سارٹ مترجمۂ ٹی جونز مطبوعۂ لیڈن ۱۸۴۴ء جلد ۲ صفحہ ۱۱۲
رناموں کی بجنسہ نقلیں موجود ہیں۔

ہے۔ چنانچہ سترھویں صدی میں انگریزی جہازوں[1] نے اسپین کے مقبوضات
واقع امریکہ پر اسی معقول عذر پر لوٹ مار کے حملے کئے تھے۔ بہرحال جنگ کی
صورتوں میں تو یہ بے اعتدالیاں کچھ نازیبا نہ تھیں مگر صلح کی حالت میں بھی بعض یورپین
قومیں موقع دیکھتیں تو غارتگری سے کبھی نہ چوکتی تھیں۔ مثلاً سنہ ۱۲۰۰ء میں جبکہ سلطان
ٹیونس اور گورنمنٹ پیسا کے درمیان عہدنامہ کی بنا پر پوری صلح تھی۔ اہل پیسا نے
از راہ عہدشکنی ٹیونس پر بلاوجہ فوجکشی کی اور راستہ میں مسلمانوں کے تین جہازوں کو
حملہ کرکے لوٹ لیا اہل جہاز پر بلالحاظ عمر و مدارج تشدد کیا۔ عورات کو بے پردہ کیا
اور باوجود تعاقب غنائم سمیت پیسا کو معاودت[2] کی لیکن گورنمنٹ پیسا نے اس
واقعہ پر ذرا بھی توجہ نہ کی۔ اُدھر سلطان ٹیونس نے اُسکو ایک بزدلانہ حرکت سمجھکر
انتقام کا خیال تک بھی نہ کیا۔ حالانکہ اگر خیال ہوتا تو پیسا کے تجارتی جہازوں کا بحیرۂ
روم میں پتہ تک نہ ملتا۔ اسیطرح جزیرۂ سسلی بھی قزاقوں سے خالی نہ تھا اور گورنمنٹ
درپردہ یا علانیہ اُنکی حمایت کرتی تھی۔ اہل نارمنڈی کو بھی ہاتھ صاف کرنے میں تکلف
نہ تھا بلکہ سلاطین ٹیونس عرصۂ دراز تک اُنکو ایک رقم کثیر بطور خراج سالانہ ادا کرتے
رہے جس سے یہ مطلب تھا کہ اگر اہل نارمنڈی قزاقی سے دستکش نہوں تو کم از
کم اہل بربری کو معاف رکھیں۔ ایسے خراج کو خونبہا سے امن سمجھنا چاہیے! علاوہ ازیں

یورپ کے لٹیرے اور اُن کے حملے بربری پر

[1] دیکھو لین پول صفحہ ۲۵

[2] دیکھو لین پول صفحہ ۲۷ -

ریاست اراگون اور جنیوا میں ہمیشہ زور آزمائی رہتی تھی اور اس ضمن میں اہل بربر کو اکثر بیجا ظلم سہنا پڑتا تھا۔ گورنمنٹ اٹلی کی بابت اگرچہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ قزاقی کی علانیہ مخالف تھی بلکہ اگر رعایائے اٹلی میں سے کوئی شخص مرتکب غارتگری ہوتا تو اُسکو قرار واقعی سزا دیتی اور مال غنیمت کا پتہ لگا کر اُسکے اصلی مالک کو بجنسہ واپس کر دیتی لیکن اٹلی کی نیک نیتی کی تقلید بہت کم کیجاتی تھی۔ ورنہ چودھویں صدی تک تمام جنوبی یورپ میں قزاقی کا بازار گرم تھا اور افریقہ کی ہمسر وہمسایہ قوتوں کو گویا درپردہ اس مقدس پیشہ کی تعلیم وترغیب دے رہا تھا۔

ایک یورپین مورخ کی رائے

ایک پُرجوش یورپین وقائع نگار[1] جب اقوام یورپ کو وقعات کی بناء پر الزام غارتگری سے سبکدوش نہ کر سکا تو گھبرا کر لکھتا ہے "دبائے غارتگری اُسی وقت عالمگیر ہوئی جب لیوانٹ میں ترکوں کا بحری اقتدار بڑھا۔ یورپ میں اس فن کے موجد یا باعث یہی ہیں چونکہ وہ خود پہلے سے مشاق تھے اسلئے لیوانٹ پر قابض ہوتے ہی اُنھوں نے بربری غارتگری کو ہر طرح جرأت دلائی بلکہ فتح قسطنطنیہ کے بعد خود بھی اس قسم کی دست درازیوں سے دریغ نہیں کیا" اور یہ کہ "بحیرۂ روم میں غارتگری کی ابتدا خواہ کسی نے کی ہو مگر اصلی رگیولیٹر ترک تھے" معقول! نزلہ برعضو ضعیف

---

[1] مسٹر ۔ آر ۔ ایل ۔ پلے فیئر مصنف "دی سکرج آف کرسچنڈم" (یعنی مسیحی دنیا پر عذاب الیم) لین پول سے بے تعصب شخص نے بھی اسکا اتباع کیا ہے دیکھو باربری کورسیئر صفحہ ۱۳۔

میسر ہزد۔ ضعیف اسلئے کہ "مرد بیمار" ہے۔ اگر جیسن کا حملۂ غارتگری ایک بعید القیاس فسانہ ہے تو اہل یونان کی بحری ترکتازیوں کو صحیح تاریخانہ واقعات تسلیم کرنا توعین قرین عقل ہے۔ یونانیوں نے اِس فن میں وہ یدطولیٰ حاصل کیا تھا کہ جیسن کی عیاریاں بھی گرد کردی تھیں۔ اُنکے زمانہ میں جبکہ ترکوں کو فتح قسطنطنیہ یا لیوانٹ کا خیال تک نہ تھا۔ یونان کے آس پاس نہ کوئی بحری قطعہ محفوظ تھا نہ برّی۔ پھر اَور قوموں نے اُنکی شاگردی کی جنکا مختصر بیان ہوچکا ہے۔ پھر بیت المقدس کے مجاہد اول رُوڈس میں بعدہٗ مالٹا میں جمکر سولھویں صدی کے اخیر تک برابر غارتگری کرتے رہے۔ جیساکہ ناظرین کو آئندہ معلوم ہوگا۔ اس سے بڑھکر شہادت یہ کہ اسی صدی کے شروع میں خاص

---

۵۱ زار نکلس نے ٹرکی کو سک مین (مرد بیمار) کا خطاب دیا تھا۔ دیکھو ہسٹری آو ٹرک لین پول باب ۱۷۔

۵۲ قدیم یونان میں ایک ریاست آرگس کے نام سے ۷۵۰ برس قبل از مسیح قائم کیگئی تھی۔ یونان کے سینوی فسانوں میں مذکور ہے کہ یہاں کے ایک باشندہ جیسن نامی نے شاہ کولکس پر جسنے ازراہ غارتگری فرکزس کو قتل کرکے اُسکا خزانہ لوٹ لیا تھا کچھ عجیب طریق سے انتقاماً حملہ کیا۔ یعنی آرگو نامی جہاز میں بمعیت دیگر فرمانروایاں یونان بڑی شان وشوکت سے لنگر اُٹھایا۔ چونکہ فرکزس جس جہاز میں مع مال و دولت کولکس کو روانہ ہوا تھا۔ اُسپر ایک سُنہرے دُنبہ کی شکل بطور نشان کے نصب تھی۔ اسلئے شاعروں نے یہ گھڑ لیا کہ جیسن کا انتقامی حملہ گویا سُنہری اُون (گولڈن فلیس) کو واپس لینے کے واسطے تھا۔ اُون سے دُنبہ اور دُنبہ سے جہاز مع مال و دولت مراد ہوگی۔

یورپین بکنیرز[1] کی ترکتازیاں مقبوضات اسپین واقع امریکہ اور جزائر غرب الہند پر ایسے مشہور و معروف تاریخانہ واقعات ہیں جن سے یورپ کا ہر طفل مکتب واقف ہے لیکن یورپ کے پُرجوش وقائع نگاران باتوں کو سہوًا یا شاید مصلحتًا قلم انداز کر دیتے ہیں اور ترکوں کے سوا کسی قوم کو اِس لقب کا مستحق نہیں سمجھتے۔ اب رہا یہ امر کہ غارتگری کی ابتدا کس نے کی اور کس نے اُسکو ترقی دی۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ بربر بھی لٹیروں سے کبھی خالی نہیں رہا چنانچہ شہر مہدیہ اور خلیج گیبس کے دہانہ کے شہر اُنکے بڑے بڑے مرکز تھے۔ سیاح البیقری جب بارہویں صدی میں اِس سرزمین کی سیر کرتا پھرتا تھا تو اُسنے بندرگاہ بونا پر بچشم خود دیکھا کہ ایک چھوٹا سا بیڑا لوٹ مار کے لئے روانہ کیا جاتا تھا۔ اسیطرح چودہویں صدی میں علامہ ابن خلدون لکھتا ہے کہ بندرگاہ بوجیہ میں ایک باقاعدہ کمپنی اِس مقصد کے لئے قائم تھی کہ مال غنیمت کی تجارت اور بردہ فروشی کو ترقی دے

بربر کے

---

[1] یورپین بکنیر یعنے فرنگی بحری غارتگر جو خاصکر فرانسیس اہل ڈنمارک اور انگریز ہوتے تھے۔ اُنھوں نے سولھویں صدی کے شروع میں اسپین کے مقبوضات واقع غرب الہند امریکہ پر غارتگری شروع کی۔ سونٹ بار۔ لالونائز۔ پاسکو۔ مارگن۔ مشہور ترکتاز تھے جنھوں نے ہزاروں کو تہ تیغ اور لاکھوں کو مفلس کیا۔ علاوہ ازیں تین غارتگرانہ حملے اَور مشہور ہیں۔ وان مور کا حملہ جزیرۂ اوسٹنڈ پر ۱۶۰۳ع میں۔ گرینٹ کا ۱۶۸۵ع میں۔ اور پوائنٹس کا ۱۶۹۷ع میں (دیکھو ہوم سائکلو پیڈیا مرتبہ ٹمپین صفحہ ۲۲۱) ترکوں کو خود قوم کاسیک سے مدتوں تکلیف اُٹھانا پڑی۔ جو روسی رعایا اور آخرکار روسیوں ہی میں مدغم ہو گئے۔ یہ لوگ اناطولیہ۔ اور ٹرکی کے جہازوں کے حق میں گویا نہنگ تھے۔ (قزاق)

مگر حسن اتفاق سے یورپین مورخ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ واقعات حالت جنگ میں پیش آتے تھے نہ کہ صلح میں۔ اور یہ کہ گو بعض یورپین قومیں مثلاً اہل یونان و سپیا وغیرہ سمندر میں عادتاً لوٹ مار کرتی تھیں۔ مگر بربر اور عام دول وریاستہا سے یورپ کے تعلقات دوستانہ ہونے سے خالی نہ تھے۔ عہد نامجات کی فی الجملہ عزت کرتے تھے۔ قزاقی سے دستکش اور تجارت کے بہی خواہ تھے۔ صرف فتنہ وفساد کے زمانہ میں غارتگری ریگا جائز سمجھی جاتی تھی مگر پندرھویں صدی میں ایک ایسی قوی وجہ پیدا ہوگئی جس سے یہ آگ دوچند تیزی سے بھڑک اُٹھی۔ یعنے غرناطہ کا زوال و مسلمانان اُندلس کی جلاوطنی۔

یوں تو پندرھویں صدی کے ساتھ ہی سلطنت غرناطہ میں ضعف پیدا ہوگیا تھا مگر شاہ فرڈینینڈ اور ملکہ ازابلا کی تخت نشینی پر مسلمانوں کا ایوان حکومت نمایاں طور سے متزلزل ہونے لگا۔ مالگا (مالیحہ) اور غرناطہ کی فتح اور ابو عبد اللہ خاتم السلاطین اُندلس کی جلاوطنی سے لیکر سولھویں صدی کے عشرۂ اول تک جو کچھ وحشیانہ ظلم اسپین نے مسلمانوں پر کیئے انکی نظیر تاریخ دنیا میں کسی قرن اور کسی قوم میں باستثنا بنی اسرائیل [illegible] نہیں ہیں۔ انکو ملکی اور مذہبی حقوق سے محروم کیا۔ بزور شمشیر بپتسمہ دیا۔ انکے صدہا کتب خانے جلا دیئے۔ انکی عورات کو بے پردہ کیا۔ اور زندہ آگ سے [illegible]

بربریں غارتگری کی باعث[1]

[1] دیکھو تاریخ لین پول صفحہ ۲۶۔ نیز تاریخ مارگن۔

جلا[۱] دیا۔ کاش گورنمنٹ اسپین اس پالیسی کو عمل میں لانے سے پیشتر اسکے زبون نتائج پر غور کر لیتی! کوہستان الپکزرا کی بغاوت کے اختتام پر کئی لاکھ مسلمان ڈن جان آواسٹریا کے حکم سے جبراً نکالدیے گئے اور باقی خود نکل کھڑے ہوئے اور آبنائے جبرالٹر کو عبور کر کے سواحل بربر۔ اوران۔ شرشیل۔ الجزائر۔ اور سیوطہ جیسے قریب اور مستحکم مقامات میں آباد ہو گئے۔ اُسوقت اُنکے جوش انتقام کا اندازہ کچھ وہی خوب کر سکتا تھا جسپر یہ تمام مصائب و آلام نازل ہوئے۔ اُنکے نزدیک قومی شوکت

[۱] علامہ شبلی سفرنامہ قسطنطنیہ میں لکھتے ہیں یہاں (قسطنطنیہ) میں نے ایک عجیب دردانگیز تماشا دیکھا جسکا اثر دیر تک میرے دل پر رہا۔ ایک جداگانہ کمرہ میں چند عورتیں جو طرح طرح کے عذاب میں مبتلا ہیں ایک شکنجہ میں دابی جارہی ہیں۔ ایک کی پیٹھ پر جلتے ہوئے لوہے کی پٹڑی رکھدی ہے کہ گردن سے لیکر کمر تک چار چار اُنگل کھال اُتر گئی ہے۔ اسیطرح اوروں کو عجیب عجیب طریقہ سے اذیت دیجارہی ہے یہ عورتیں وضع ولباس سے دولتمند اور شریف معلوم ہوتی ہیں۔ اکثر کمسن۔ خوبصورت اور نازک اندام ہیں سخت تعجب ہوتا تھا کہ کن ظالم ہاتھوں نے اِن حُسن کی دیبیوں پر ہاتھ اُٹھانے کی جرأت کی ہوگی!! دریافت سے معلوم ہوا کہ اسپین میں جب اسلامی حکومت برباد ہو کر عیسائیوں کی سلطنت قائم ہوئی تو عموماً مسلمان تبدیل مذہب پر مجبور کیے گئے۔ اور چونکہ اسلام کا اثر آسانی سے دلوں سے مٹ نہ سکتا تھا۔ انکو انواع واقسام کی اذیتیں دیجاتی تھیں۔ اور بےبسی و کمزوری۔ کے لحاظ سے عورتوں پر ظلم کیا جاتا تھا۔ یہ مظلوم عورتیں اسی عبرت انگیز واقعہ کی یادگار ہیں۔ اسوقت مجکو خیال ہوا کہ آہا! یہی عیسائی ہیں جو ہمکو طعنہ دیتے ہیں کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا!!!

یہ تصویریں قسطنطنیہ کے ایک ایسے عجائب خانہ میں رکھی ہیں جو ایک عیسائی دولتمند نے اپنے روپیہ سے قائم کیا ہے علامہ شبلی کو تعجب ہے کہ ترک اس دردانگیز تماشہ کو دیکھتے ہیں مگر کبھی تعرض نہیں کرتے۔ بے تعصبی اسے کہتے ہیں۔

مذہبی حمیّت۔ اور لطف زندگی انتقام میں تھا۔ مانا کہ اِن مقامات میں جو کچھ اُنہوں نے کیا وہ بالکل وحشت اور جہالت کا نمونہ تھا۔ بے شک وہ سفّاکا نہ مردم آزاری سے کسیطرح کم نہ تھا مگر کیا اُنکا جوش انتقام طبعی نہ تھا؟ بیشک وہ اس قابل نہ تھے باقاعدہ جنگ کرکے بدلہ لیتے مگر وہ اُن وحشیانہ مظالم کی سوہان رُوح یاد کو کسطرح دل سے مِٹا سکتے تھے

اس موقع پر مسلمانوں کی جہازرانی پر ایک سرسری نظر ڈالنا مناسب ہوگا۔ ابتدا میں مسلمان اِس فن سے بالکل بے بہرہ تھے اور بے بہرہ ہونا ہی چاہئے تھا کیونکہ عرب میں جو اُنکا زادبوم اور سرچشمۂ دین و دنیا تھا سمندر کا مفہوم تھا ریگستان۔ اور جہازرانی کا

ل بربر کی جہازرانی

سار بانی چنانچہ عرب کے ریگستانوں سے باہر نکلکر جب اُنھوں نے سمندر کو دیکھا تو اُسکی عجیب دلچسپ[1] تعریف کی ہے فتوح شام و مصر تک تو خود امیر المؤمنین وقت نے ہی اُنکو بحری سفر سے باز رکھا۔ پھر اموی خلفاء بھی مانع رہے چنانچہ موسیٰ گورنر افریقہ مغرب کو اسپین پر حملہ کرنے سے اسی بنا پر منع کیا گیا تھا۔ یہ سنہ ۱۱ء کا واقعہ ہے۔ گویا ابتدائے آٹھویں صدی میں مسلمان بحیرۂ روم میں جہازرانی کی قابلیت نہ رکھتے تھے لیکن بعد کو ایک حکمراں قوم ہونے پر جب اُنہوں نے دیکھا کہ حریف قوموں کا تقابل بدون جہازرانی ناممکن ہے تو رفتہ رفتہ اِسطرف متوجہ ہوئے اور بعہد خلیفہ عبد الملک

---

[1] حضرت فاروق اعظم نے عمرو بن العاص سے جو اسوقت فتوح مصر میں مشغول تھے دریافت کیا کہ سمندر کیا چیز ہے۔ اِس عربی جنرل نے جواب دیا کہ سمندر ایک بڑا بھاری حیوان ہے جسپر احمق آدمی اسیطرح سوار ہوکر چلتے ہیں جسطرح لکڑی کے بڑے کُندوں پر کیڑے۔

ٹیونس مسلمانوں کا سب سے پہلا بندرگاہ اور بحری میگزین قرار پایا۔ اسوقت سے عاملانِ افریقہ فنِ مذکور میں کچھ نہ کچھ ترقی کرتے رہے اور بحری سفر کے ذرائع سے کبھی خالی نہیں رہے۔ چنانچہ بنو اغلب نے ایک بڑے بیڑے کی مدد سے جزائر سسلی۔ سارڈینیا۔ اور کورسیکا کو فتح کیا۔ پھر بنو فاطمیہ اور بنو امیہ اندلس نے بحیرۂ روم کی حکومت کے لئے مدتوں زور آزمائیاں کیں۔ اول الذکر فریق کے پاس (اسوقت) دو سو مضبوط جنگی جہاز تھے۔ اسیطرح موحدین بھی ایک نہایت طاقتور اور عظیم الشان بیڑے کے مالک تھے چنانچہ اُندلس تک اسی بیڑے کی مدد سے اُن کی رسائی ہوئی۔ موحدین کے جانشین اگرچہ بوجہ اسکے کہ وحدت سے کثرت کی طرف مائل ہو گئے تھے نسبتاً کم اور کمزور تھے مگر ایسے بحری سامان سے وہ بھی خالی نہ تھے جو عند الضرورت سواحلِ شمالی کو کسیقدر محفوظ کر سکتا اور تاجرانہ مقاصد پورا کر کے اہلِ ملک کے حوائج رفع کر سکتا۔ خلاصہ یہ کہ ۱۵۰۰ء تک مسلمانانِ بربر جہازرانی میں خاصی مہارت حاصل کر چکے تھے۔

اسبابِ غارتگری کا لب لباب

اب اہلِ بربر کو قزاق بننے کے لئے اور کس بات کی ضرورت تھی؟ ملک کا شکستہ اور چاک در چاک ساحل چھوٹی چھوٹی محفوظ کمینگاہوں سے معمور تھا۔ جہازرانی میں وہ اسوقت تک کافی مہارت حاصل کر چکے تھے۔ وہ اپنی ہمسایہ قوموں سے پیشۂ قزاقی میں صدیوں سے سبق لے رہے تھے خاصکر حضرات یونان اور سپیا نے اُنکو بڑے بڑے داؤ پیچ سکھلائے تھے بعض اقوام یورپ کی متواتر عہد شکنیاں

دیکھکر اُنکی نیک نیتی بھی متزلزل ہوتی جاتی تھی۔ اور پھر ملک میں کوئی ایک آہنی پنجہ
بھی نہ تھا جو انکو کبھی کی طرف مائل ہونے سے باز رکھتا۔ بنو فاطمیہ نے جب سے بربر
سے پولٹیکل تعلقات قطع کردیے تھے تب سے اُن میں تفرقہ پڑگیا تھا اور عنانِ
حکومت ایک ہاتھ کے بجائے متعدد اور مختلف ہاتھوں میں گردش کرتی رہتی
تھی۔ اہل ملک عموماً مرکزِ قومیت سے گرتے جاتے تھے۔ گویا ملک میں ہر طرف
سامانِ غارتگری مہیّا تھے اور صرف ایک قومی تحریک کی ضرورت تھی جو سولھویں
صدی میں پوری ہوگئی یعنے اُنکے ہزاروں لاکھوں برادرانِ اسلام گورنمنٹ اسپین
کے مظالم سے تنگ ہوکر خانماں برباد وسقیم الحال۔ لُٹے ہوئے قافلوں کی شکل
میں ہر طرف سے سواحل بربر پر ٹوٹ پڑے۔ اہل ملک کے سینوں میں قومی اور
مذہبی حمیّت کی آگ بھڑک اُٹھی۔ فرمانروایانِ بربر قطع نظر اسکے کہ خود بھی اُسی ایک
شجر کی شاخ اور اُسی ایک شیرازۂ جمعیت کے جزو تھے اگر بلحاظ پولٹیکل مصالح
امور اُندلسیوں کے خلاف کوشش کرتے تو کیا ہوتا۔ اُنکی بحری اور بری طاقتیں
کسیطرح اِس قابل نہ تھیں کہ ایسے طول طویل ساحل کو جا بجا عرصۂ دراز تک اُندلسیوں
کے مقابلہ پر محفوظ کرسکتیں۔ اُدھر قومی قانون۔ دلی ہمدردی اور سچّی مہمانداری کرنے
پر مجبور کرتا تھا۔ ایسی حالت میں بجز اسکے اور کیا چارہ تھا کہ جلا وطن اندلسیوں کو اپنے
دامنِ شفقت میں پناہ دیں اور اُنکے جوشِ انتقام میں ہر طرح شریک ہوں چنانچہ
ہزاروں لاکھوں مسلمان اسپین سے نکلکر بلا تکلف ساحل بربر پر آن پڑے اور نہ تمام

غارتگری کا بڑا سبب

کی تدبیریں سوچنے لگے۔ یہاں پہلے ہی سے گویا بھڑک اُٹھنے والی چیزوں کا انبار لگا ہوا تھا جسمیں صرف ایک چنگاری کی ضرورت تھی جو اسطرح مہیا ہو گئی اور تمام مغربی بحیرۂ روم یک بیک آتش غارتگری سے بھڑک اُٹھا۔

اسوقت یورپ کی کیا حالت تھی

اہل یورپ کی اِسوقت فی الجملہ کیا حالت تھی؟ وہ اپنے حریف ہمسایوں کو ایسے خطرناک پیشہ کی تعلیم دیکر سخت پچتاتے تھے۔ اسپین زبان حال سے اپنی گورنمنٹ کی وحشیانہ پالیسی کو نفرین و ملامت کرتا تھا۔ کوہستان الپکزرا[۵] ۔ ڈن جان آو اسٹریا کی سفاکانہ حکمت عملی کو الزام دیتا تھا مگر "خود کردہ را درمان چیست"۔ اہل بربر تین سو برس کامل تمام تجارت پیشہ اقوام یورپ کی قسمتوں کے گویا مالک رہے جس دولتمند قوم کو چاہتے ایک گوشۂ چشم میں دیوالیہ بنا دیتے تھے۔ اُسوقت سے جبکہ عروج اور خیرالدین باربروسہ نے چارلس پنجم شاہ اسپین کی تمام بحری اور برّی طاقت کے دھوئیں اُڑائے اور اُنیسویں صدی کے آغاز تک جبکہ یورپ کی مشہور جنگ آزما قوموں نے ہتھیار سامنے ڈالدیے۔ بربری قزاق (باربری کورسیر) تمام مغربی بحیرۂ روم اور اُسکے تنگ و تاریک حصوں کے مالک الملک لاشریک لہ رہے تمام آیندو روندگان سے جو چاہتے بطور خونبہا امن مانگ لیتے تھے۔ اور اگر اُنیسویں صدی کے شروع میں بھی دول یورپ اپنی بحری قوتوں کی طرف توجہ نہ کرتیں تو بحیرۂ روم آجتک

---

[۵] دیکھو اُندلس باب ۱۴۔ ڈن جان آو اسٹریا نے قریباً بیس ہزار اُندلسیوں کو الپکزرا سے جلاوطن کیا۔

اس خس وخاشاک سے صاف نہوتا - اس تین سو برس کے عرصہ میں اہل
بربر نے یورپ کی کسی قوم کو قشقۂ اطاعت لگائے بدون نہیں چھوڑا - کیا اہل
وینس وجنیوا یا پیسا اور کیا اہل فرانس - انگلینڈ - سویڈن - ڈنمارک - ہالینڈ - یا
اہل امریکہ سب کے لیئے بحیرۂ روم سے صحیح وسلامت گذرنے کی ایک ہی شرط تھی -
یہ کہ ایک رقم کثیر بطور خراج سالانہ اداکریں اور بیش بہا تحائف سیعادمعینہ پر
نذر دیں - چنانچہ ہر قوم یہ شرط طوعاً تو نہیں مگر کرہاً پورا کرتی تھی اور نہ کیسے کرتی جبکہ
الجزائر کے شاہی بندرگاہوں میں ہزاروں یورپین غلاموں کا دم والپسین تک ٹوکریاں
اٹھانا یا بربری کشتیوں پر پابزنجیر بلیاں چلانا ایک مآل اندیش دانشمند کے لیئے کافی
تنبیہ تھی -

فرانس باوجود کافی اقتدار کے خاموش تھا کیونکہ بربری قزاقوں کا سواحل
اسپین کو تاخت وتاراج کرنا اُسکی قومی اور ملکی پالیسی کے عین موافق تھا - ہالینڈ کو
ہمیشہ یہی فکر رہتی تھی کہ جسطرح ہوسکے اُسکی حریف ومتقابل قومیں تکلیف ومضرت
اٹھائیں اسلیئے وہ بھی ہمیشہ اس عذر پر ساکت رہتا تھا کہ اُسکی تجارتی عظمت الجزائر

دول یورپ کا نفاق

کی دوستی پر منحصر ہے - خلاصہ یہ کہ جب تک جمیع اقوام یورپ نے باہمی نفاق اور
خانہ جنگی کو چھوڑکر یکجہتی اختیار نہ کی اُسوقت تک انکو یہی ذلتیں سہنا پڑیں چنانچہ
فرانس کے جہاں آشوب انقلاب کے ختم پر جب اس انقلاب کا ریگیولیٹر مقید ہوگیا اور
بوناپارٹ
برّاعظم کو تحریک سے تسکین ہوئی تو دول یورپ نے بمقام ایکسلاچیپل ایک کانگرس منعقد

کی تب کہیں جاکے یورپ دنیا کو "عذاب الیم" سے نجات ملی۔

مقدمہ ختم کرنے سے بیشتر یہ بیان کرنا اور باقی ہے کہ اندلسیوں نے اہل بربر کی مدد سے اور غارتگری کے پیرایہ میں خاص اسپین سے کیا سلوک کیا لین پول نے جس ولولہ انگیز اور پُر اثر زبان میں یہ حالات قلمبند کئے ہیں مناسب ہے کہ بجنسہ اُسی کا ترجمہ پیش کیا جائے۔

"دنیا میں معلومات کے تین ہی طریقے ہیں۔ منقول۔ معقول۔ اور مشاہدہ تینوں سے ثابت ہے کہ ابتدائی زمانہ کے انسان کے خصائل درندوں سے زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔ وہ اپنی وجہ معاش حیوانات کو شکار کرکے پیدا کرتا تھا یا فریب (پالیسی) سے پکڑ کے۔ اِس زمانہ کا مہذب انسان بھی اس سے خالی نہیں مگر اُسنے مارڈالنے کے وحشیانہ طریقہ کو ایک پیشہ ور جماعت کے لئے مخصوص کردیا ہے اور اگر وہ خود اِس فعل کا مرتکب ہوتا ہے تو اُسکو "تہذیب تکلف" کے رنگ میں رنگ کر "شکار" یا "ورزش" جسمانی کے نام سے موسوم کرلیتا ہے حالانکہ شکار بھی ایک طرح کی قسی القلبی ہے مگر چونکہ اُسمیں ذرا "تہذیب" کی شاخ لگ گئی ہے اور بوجہ شوق۔ تذبذب۔ امید و بیم۔ اور خطرۂ جان کے ایک قسم کی تحریک اور جوش پیدا کرتا ہے اسلئے مقبول عام سمجھا جاتا ہے۔ تاہم یہ مہذب انسان اُس نامہذب انسان سے وحشت میں ایک قدم آگے ہے۔ وہ غیر جنس (کم درجہ کے حیوانات) کو مار کر خوراک پیدا کرتا تھا اور یہ اپنے ہی ابنائے جنس پر ہاتھ صاف کرتا ہے

گو کسیقدر تہذیب و شائستگی کی ٹٹی کی آڑ میں چنانچہ مہذب اور شائستہ قوموں میں
چالاک عیار اور زبردست ہمیشہ بیوقوف اور سادہ لوح زیردستوں کو شکار کیا
کرتے ہیں ۔ اگر صریح مثال دیکھنا ہو تو قمار خانوں کی سیر کیجئے ۔ یہاں ضعیف الرائے
اور قمار کے دلدادہ ہمیشہ مکار حریفوں کے خنجر تلے تڑپا کرتے ہیں ۔ ہر طبقہ میں
انکا ایک نام جدا ہے ۔ اعلےٰ طبقہ میں پوچھئے تو فنانشیر (افسران مال) کہلاتے ہیں
ادنےٰ طبقہ میں چور ۔ اُچکا ۔ گٹھ کترا ۔ پس نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ لوٹ مار کی عادت انسان
میں قدیم الایام سے پائی جاتی ہے اور کسی خاص ہی میں نہیں بلکہ عموماً ہر شخص میں ۔ اس
خیال کی بناء پر شاید ہمارے ناظرین قزاقی کو ایک مہذب مشغلہ سمجھکر قزاق کے
جوش مسرت کا اندازہ کرنے کے شائق ہوں گو ہم خوب جانتے ہیں کہ اپنے فعل مذموم
کی رغبت سے اُنکے دل فی نفسہٖ پاک ہیں ۔ ہم اُنکو اندازہ کر لئے دیتے ہیں ۔ بہت
سے تارک الدنیا اور زاہدان خشک ایسے ہیں کہ اگر اُنسے سوال کیجئے کہ ہر شخص چور
اُچکا کیوں نہیں ہوتا ؟ تو وہ یہی جواب دینگے "اسلئے کہ ہم میں سے ہر شخص میں اس
درجہ کی چالاکی اور عیاری نہیں ہوتی" ۔ چور لٹیرا بننے کے لئے فرومایگی اور خبث باطنی
کی ضرورت تو ہے ہی ۔ لیکن ایک ایسی قوی تحریک کی ضرورت بھی ہے جس سے
متاثر ہو کر انسان خواہ نخواہ حصول معاش کے جائز اور سلامت روی کے طریقوں
کو چھوڑ دیتا ہے اور سراپا مخدوش طریقے اختیار کر لیتا ہے ۔ نفس الامر یہی ہے
کہ امید و بیم ۔ تذبذب و اندیشہ اور ذاتی چالاکی و عیاری کا علم وغیرہ ہی اُس قوی تحریک کے

اجزا ہیں جو کسی منچلے کو چور۔ اُچکا۔ لٹیرا۔ یا قزاق بننے پر آمادہ کر دیتے ہیں یا کسی بیکار کو اُن بڑے کاموں کی طرف متوجہ کر دیتے ہیں جو بطور غلط العوام "مہذب مشاغل" کہلاتے ہیں۔

ہمارے مور قزاق (اہل اُندلس) ان سب باتوں میں طاق تھے۔ مزید براں نہایت شجاع۔ دلیر۔ اور زبر دآزما تھے۔ وہ قبل ازیں اہل اسپین سے بارہا زور آزمائیاں کر کے اپنی جرأت و شجاعت کے متواتر ثبوت دے چکے تھے۔ بڑے بڑے خطرناک بحری سفر کر کے سمندر کے سرد و گرم اور سواحل اُندلس کے نشیب و فراز سے خوب واقف ہو چکے تھے۔ انھوں نے اکثر آس پاس کے شہروں پر بلکہ شاید سارڈینیا اور پروونس پر کامیاب ترکتازیاں کی تھیں لیکن اسوقت وہ ایک ایسے کار خیر کی طرف متوجہ ہوتے تھے جو تمام گذشتہ کاموں سے بالاتر اور زیادہ دلچسپ تھا۔ وہ کیا؟ اُن ظالموں سے انتقام لینا جنھوں نے اُنکو اوج عزت سے خاک مذلت پر گرایا تھا۔ اُنکو خانماں برباد۔ مفلس۔ بے حرمت۔ اور آخر کار جلاوطن کر کے دنیا کے وسیع میدان میں بیکس و بے پناہ چھوڑ دیا تھا۔ وہ ناخدا ترس اور قسی القلب جنھوں نے اُنکے اعزا و اقارب کو اور لخت جگر و قرۃ العین کو اُنکی آنکھوں کے سامنے ذبح کیا تھا۔ اور اُنکے مذہب کی توہین کی تھی۔ کیا ایسے جفاکاروں سے انتقام لینا کار خیر نہ تھا؟ بے شک تھا۔ لیکن کیونکر؟ الجزائر کی بندرگاہ میں بے شمار چھوٹی چھوٹی اور ہلکی ہلکی کشتیاں سطح آب پر لنگر انداز ہیں جنکو برگن ٹین کہتے ہیں۔ آو۔ انہیں سے چند کشتیاں کنارہ پر

جلاوطن اندلسیوں کا انتقام

سکھے لائیں - اور اُنکو مشاق اور مسلّح ملاحوں سے آراستہ کرکے سواحل اسپین کی
طرف چلیں - آہ! زخمی دلوں کو انتقام سے زیادہ اور کس چیز میں لذت حاصل ہو سکتی
ہے - اس تجویز سے جہاز میں جسکو فرقطہ بھی کہتے ہیں کُل بیس آدمی سوار ہو سکتے
ہیں - اس ترتیب سے کہ دس اسطرف کھڑے ہوتے ہیں اور دس اُس طرف پشت
بپشت - یہ سب سپہ گری اور ملّاحی دونوں کام دے سکتے ہیں لیکن اگر خشکی سے کچھ
دور نکلکر ہوا موافق ہوئی تو کھینے کی بھی کچھ ضرورت نہوگی - اُس تنگ قطعۂ آب میں پہنچکر
جو ساحل بربر اور جزائر بیلیرک کے درمیان واقع ہے اِس ایک مستول کے جہاز
کا مثلث نما بادبان ہر طرف پھیل جائیگا - یہاں شکار کی تاک میں خاصی طرح چھپ
سکتے ہیں - شاید کوئی گیلون یا پولکا اِسطرف آنکلے چنانچہ اِس مختصر سے بیڑے کا
ایک حصّہ تو کسی چاک ساحل کے اندر نظر سے پوشیدہ رکھے لیجاتے ہیں اور
باقی اِدھر اُدھر چٹانوں کی آڑ میں منتشر کر دیتے ہیں - یہاں تک کہ جب شکار اپنی
پیشانی سے بیخبر - رفتہ رفتہ زد پر پہنچتا ہے تو ایک عجیب طلسمی سین پیش نظر ہوتا
ہے - یعنے دفعتًا ہر کشتی سے بلّیاں پانی میں پھینکتی دکھلائی دیتی ہیں اور کشتیاں
کمینگاہوں سے نکلکر شکار کا رُخ کرتی ہیں اور ایک طرفۃ العین میں ہر طرف سے سمٹکر
بآن واحد اُسپر حملہ کرتی ہیں - حیرت زدہ اہل جہاز اول تو خفیف سا مقابلہ کرتے ہیں
جہاز کے بالائی حصّے پر کپتان کی چھتری کے نیچے حملہ آوروں سے دست و گریبان
ہوتے ہیں مگر بالآخر ایک حرکت کا لمذبوح کے بعد زیر ہو جاتے ہیں - اور بس خاتمہ ہے

ہر طرف سکوت ہے۔ اہل جہاز پابزنجیر زیر حراست ہیں۔ اور بربری قافلہ کامیابی کے ساتھ الجزائر کا رخ کرتا ہے اور خوشی کے نعروں میں کنارہ پر اترتا ہے۔

کبھی کوئی قافلہ خاص اندلس کا تہیۂ سفر کر کے الجزائر سے نکلتا ہو خشکی کے قریب پہنچکر وہ فرقطون کو سنگلاخ ساحل کے کسی جوف میں یا ریت ہی میں چھپا دیتے ہیں اور خود چھپکے چھپکے کسی آس پاس کے گانوں میں پہنچتے ہیں۔ وہ گانوں جسکی چپہ چپہ زمین سے انکو کما حقہٗ واقفیت ہے اور جسکے ہاتھ سے نکل جانے کا رنج انکے دل سے کبھی نہ جائیگا۔ دیہات میں انکے اعزّا و اقارب ابھی تک بود و باش رکھتے ہیں اسلئے امید ہے کہ وہ انکو ہر طرح کی مدد دینگے اور عند الضرورت اِدھر اُدھر چھپا دینے سے دریغ نہ کرینگے۔ دن بھر یہ لوگ یہاں چھپے رہتے ہیں اور رات کو جب شبخون کے لئے نکلتے ہیں تو عجیب کیفیت ہوتی ہے۔ آدھی رات کا وقت ہے۔ پاس کے ایک گانوں کے باشندے چند وحشیانہ ہاتھوں کی سخت گرفت سے یک بیک سوتے سوتے چونک پڑتے ہیں مگر پھر جلدی ہی کسی کی خون آشام تلواروں کی نوکوں سے دم بخود رہجاتے ہیں۔ انکے اہل و عیال حملہ آورین کے دوش بدوش اور دست بدست ساحل کی طرف چلنا شروع ہوتے ہیں تمام اثاث البیت جلوس میں پیچھے پیچھے ہوتا ہے۔ اِس تزک و احتشام سے قافلہ فرقطون میں سوار ہوکر واپس الجزائر ہوتا ہے۔ کبھی غنائم اور مسیحی بندیوں کے علاوہ یہ لوگ اپنے برادران

اسپین پر غارتگرانہ حملے

اسلام کو بھی اہل اسپین کے پنجۂ ظلم سے چھڑا لاتے ہیں۔

اہل اسپین سے اسقدر بیدردی کے ساتھ انتقام لینے میں جلاوطن مسلمانان اندلس کا لطف زندگی گویا دوبالا ہوتا تھا۔ لیکن باوجود اِس کمال چابکدستی کے جو اہل اسپین کے نشیب و فراز سے کما حقّہٗ واقفیت اور اعزہ و اقارب کی اِس امداد کے اکثر دبان جوکھوں بھی تھی۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ وہ کسی شکار پیش پا افتادہ کی توقع پر گھر سے نکلتے تھے اور راستہ میں خود شکار ہو جاتے تھے۔ تب تو انکو آپ کشت اور مات لینا پڑتی تھی اور تہنیت کامیابی برعکس مد مقابل کی خدمت میں پیش کرنا پڑتی تھی۔ جب یہ ہوتا تو انکی بُری گت بنتی۔ غلام حلقہ بگوش بنکر کسی جنیوا یا وینس جہاز پر برسوں سے بلکہ شاید ہمیشہ سے پابزنجیر بیٹھے ہیں یا ٹلی ہاتھ میں لئے مجبوراً کسی اسلامی جہاز کا تعاقب کر رہے ہیں۔ اپنے دائیں بائیں کسی ہم پیشہ کی پشت پر ظالم جلّاد کے چابک کی بدّھیاں دیکھتے ہیں اور بقول شخصے کہ "ترکی پٹے اور عراقی کاٹے" دم بخود ہیں۔

چونکہ یہ لوگ جوشِ انتقام سے مبہوت تھے اسلئے اِس قسم کے مصائب و آلام اُنکے لطف زیست میں گویا ملاحت تھی۔ کبھی کبھی وہ اِس امید موہوم پر عمر بھر گذار دیتے تھے کہ عنقریب کوئی عزیز و قریب خونبہا دیکر چھوڑ الیگا یا کوئی اسلامی کشتی کفار پر حملہ کریگی اور وہ دار و گیر کی ذیل میں آجائینگے۔ تاہم اِس قسم کے واقعات کلیتًا نہیں بلکہ اتفاقیہ پیش آتے تھے کیونکہ بربری قزاق عمومًا کامیاب اور فتحمند رہتے تھے۔

اُنھوں نے اِس ناجائز طریقہ سے اِسقدر جاہ وحشمت پیدا کی اور جنگی مقامات و قلعجات واقع ساحل کو یہاں تک پُررونق اور مستحکم کیا کہ کچھ عرصہ بعد جب اُنکی متواتر کامیاب ترکتازیوں سے اُکتا کر اہل اسپین نے کروٹ لی تو مرض لاعلاج ہو چکا تھا اسوقت سے لیکر بیس برس تک غارتگرانِ بربر مغربی بحیرۂ روم پر قابض رہے اُدھر اسپین کے آہن پوش جنگی جہاز اپنے بندرگاہوں کو زیب وزینت دیا کئے شاید وہ اِس دشمن کو حقیر وبیچارہ سمجھتے تھے۔ آخر کار کارڈینل زمینس نے ایک جنگی بیڑا بسرداری ڈن پیڈرو اُنکی گوشمالی کے لئے بھیجا۔ اِسنے بربر پہنچکر اول اوران اور بوجیہ کو فتح کیا اور پھر خاص الجزائر کا محاصرہ کرلیا جو اُسوقت کچھ ایسا زیادہ مستحکم نہ تھا محصورین نے تنگ ہوکر صلح کی درخواست کی اور ایک طول طویل ردّ وقدح کے بعد بالآخر یہ قرار پایا کہ اہل الجزائر آیندہ کے لئے ترکتازیوں سے قطعًا دستکش ہوں اور اس اقرار کو مستحکم کرنے کی غرض سے ڈن پیڈرو بندرگاہ الجزائر میں ایک جنگی قلعہ تعمیر کرے اور اہل الجزائر کی نگرانی اور اُنکی ترکتازکشتیوں کی مزاحمت کے لئے اُسمیں ایک چھاونی قائم رہے۔ لیکن اسپین کے فہمتند جنرل نے یہ نہ سمجھا کہ ساحل بربر پر صرف الجزائر ہی ایسی بندرگاہ نہ تھی جو طوفان نوح کے تنور کی طرح بحری غارتگری کا مبداء تھی۔ اکثر سنگلاخ قطعات مثل بینی کوہ سمندر میں جابجا نکلے ہوئے تھے۔ پس ممکن تھا کہ ایک طرف سے مسدود ہوکر یہ مفسد مادّہ اَور متعدد اطراف سے خروج کریگا۔ علاوہ اسکے اگرچہ اسپین اہل بربر کو گویا شکار کا چسکا پڑ گیا تھا وہ اس سے بطیب خاطر کیونکر دستکش ہو [illegible]

بربری قزاقوں کا استحکام قوت اور اہل اسپین کا حملہ

اور اگر ہوتے تو کیا بھوکوں مرتے؟ محنت مشقت سے قوت حاصل کرنا تو اُنکو پسند نہ تھا۔ پس بجز اسکے کیا چارہ تھا کہ جنٹلمین آودی روڈ (قطاع الطریق) کی طرح قوت کا استحصال بالجبر کریں۔ چنانچہ مصلحت وقت سے مجبور ہو کر اُنھوں نے کچھ عرصہ مذکورۂ بالا عہد نامہ کی پابندی کی مگر جب فرڈینینڈ کے انتقال پر میدان خالی پایا تو نہ قلعہ اور چھاونی کی پرواہ کی۔ نہ کیتھلک گورنمنٹ کے غیظ و غضب سے ڈرے۔ تمام عہد و پیمان بالائے طاق رکھکر اپنا پُرانا مصدر تاخت و تاراج گرداننے لگے اور پشت و پناہ کے لئے اِدھر اُدھر جستجو کرنے لگے[۵]۔"

ایسی مرصع اور ولولہ انگیز زبان میں ہمارے منصف مزاج مورخ نے یہ حالات قلمبند کئے ہیں۔ اُنکے چلتے ہوئے فقرے، چبھتے ہوئے جُملے۔ اور ذوالوجہین الفاظ پر ناظرین خود غور کریں اور خود ہی فیصلہ کرلیں کہ روئے سخن بربر کی طرف ہے یا اسپین کی طرف۔ اگر یہ درست ہے کہ زبان انسان کو دلی خیالات چھپانے کے لئے دی گئی ہے نہ کہ چھپے ہوئے خیالات ظاہر کرنے کے لئے۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ انگریزی زبان اِس مقصد کے لئے بدرجۂ اولیٰ موزون ہے *

---

[۵]۔ دیکھو لین پول صفحہ ۴تا ۱۳۔

پہلا باب

خاندان باربروسہ

کسی شورش یا انقلاب عظیم کے صرف اسباب ہی اُسکی ابتداء یا تکمیل نہیں کر سکتے بلکہ ایک ایسے صریح ریگیولیٹر (قوت ضابطہ) کی ضرورت بھی ہے جو اُن اسباب کو متحرک کرے اور اپنی طبعی قوت سے اُنکو نتیجہ کی طرف کشاں کشاں اِسطرح لیجائے جسطرح کوئی شہ زور انجن ایک پوری ٹرین کو منزل مقصود پر کھینچ لے جاتا ہے اگر صرف اسباب بدون اس ریگیولیٹر کے اپنی حالت پر چھوڑ دیے جائیں تو انقلاب نہ پیدا کر سکینگے کیونکہ اس عالم اسباب میں ایک امر ایک ہی معلول کی علت نہیں ہو سکتا بلکہ متعدد معلول کی علت ہو سکتا ہے پس اگر چند مختلف اور غیر معین علل سے ایک خاص اور معین معلول پیدا کرنا چاہیں تو ایک مرتّب اور منتظم ہاتھ کی ضرورت ہوگی یہ مسئلہ نہ صرف اصول انقلاب بلکہ اصول نظام عالم کی جان ہے۔ دیکھئے فرانس کے انقلاب عظیم کے اسباب ایک مدت تک آہستہ آہستہ اندر ہی اندر سلگا کئے لیکن شعلہ زن اُسوقت تک نہ ہو سکے جبتک فرانس کے پولٹیکل اسٹیج پر نپولین نمودار نہوا۔ اسیطرح ملک بربر میں اسباب غارتگری اگرچہ قریبًا سو برس سے موجود تھے اور یومًا فیومًا ترقی کرتے جاتے تھے مگر برانگیختگی اُسیوقت ہوئی جبکہ ملک میں ایک اُولوالعزم و دلیر خاندان سربلند ہوا۔ یعنے خاندان باربروسہ۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چھوٹوں کو بڑائی دینا قدرت کو بہت ہی پسند ہے شاید
اسلئے کہ معمولی اسباب سے غیر معمولی نتیجہ نکلتا دیکھکر ظاہر بین انسان کو حیرت و استعجاب
ہو۔ ہزاروں خوش رنگ پھول اُجاڑ میدانوں میں کھلتے ہیں اور مرجھا جاتے ہیں -
ہزاروں گوہر شب چراغ پانی کے تنگ و تاریک اور عمیق حصوں میں بے قرینہ
بکھرے پڑے ہیں اور کسی کو انکی خبر نہیں اسیطرح وہ اولوالعزم اور ناموراشخاص جو دنیا
میں انقلاب پیدا کر دیا کرتے ہیں اور اپنے شمشیر و قلم کو مسجودِ خلائق بنا دیتے ہیں ہمیشہ
ایسے کان کے لعل ہوتے ہیں جنپر آخر تک کبھی کسی کی نظر توجہ نہیں پڑتی - وہ
نپولین جسنے سینٹ پیٹرسبرگ سے لیکر میڈرڈ تک تمام دول یورپ کے دھوئیں اڑا
دیے تھے اور جسکی اولوالعزمی اور نامورانہ شجاعت پر مغربی دنیا کو ہمیشہ رشک کے
ساتھ ناز رہیگا۔ جزیرہ کورسیکا کے ایک چھوٹے سے گانوں کا رہنے والا تھا جسکو
سنہ ۱۷۸۹ء سے پیشتر کوئی بھی نہ جانتا تھا۔ اسیطرح خاندان باربروسہ بھی جزیرۂ لزبوس[۱]
(مٹی لین) کا رہنے والا تھا جو مجمع الجزائر یونان میں سب سے چھوٹا جزیرہ ہے -
اس جزیرہ کو سلطان محمد ثانی نے اول ہی اول سنہ ۱۴۶۲ء میں فتح کیا اور اپنے ایک معتبر
فوجی افسر کو جسکا نام یعقوب تھا انتظام کے لئے چھوڑ کر خود دارالخلافۃ کو مراجعت
کی۔ ترکی مورخ یعقوب کو مسلمان لکھتے ہیں اور مسیحی مورخ خصوصاً اہل اسپین اُسکو

باربروسہ کا عروج

[۱] لزبوس یا لیسبوس۔

اپنا ہم مذہب وہم وطن بتاتے ہیں اور اگرچہ اسکی زندگی کے واقعات میں فی نفسہ ہم کوئی ایسی ندرت نہیں دیکھتے کہ خواہی نخواہی فریق اول الذکر ہی کی تائید کریں لیکن اسمیں شک نہیں کہ اسپین کے مورخ بہ نسبت وقائع نگار ہونے کے مدح سرائی کی قابلیت زیادہ رکھتے ہیں اور اپنی تاریخوں کو رطب و یابس سے مملو کرکے رزمی فسانہ بنا دیتے ہیں۔ غرضکہ یعقوب نے کچھ عرصہ جزیرۂ لزبس کا نظم و نسق کرکے انتقال کیا اور چار فرزند چھوڑے۔ اسحٰق۔ الیاس۔ عروج جسکو اہل یورپ اروش کہتے ہیں اور خضر جو بعد کو کپتان پاشا خیرالدین مشہور رہا۔ انمیں اسحٰق لزبس کے نہایت جلیل القدر اور دولتمند تاجروں میں شمار کیا جاتا تھا۔ عروج اور خیرالدین ابتدائی عمر سے جرأت و دلیری کے کاموں کی طرف زیادہ مائل تھے۔ اسلئے انھوں نے بھیت الیاس بحری مشاغل پسند کئے۔ لیکن الیاس کو ان مشاغل سے زیادہ عرصہ تک متمتع ہونا نصیب نہوا بلکہ جلدی ہی روڈس کے قریب ایک جنگ میں مارا گیا۔

خاندان باربروسہ کے میں

مورخین اس بارہ میں مختلف الرائے ہیں کہ خاندان باربروسہ سلامت روی کی زندگی چھوڑکر قزاقی کی طرف کیوں مائل ہوا لیکن ہم مقدمہ میں تاریخانہ شہادتوں سے ثابت کرچکے ہیں کہ اسوقت تمام جنوبی یورپ میں عموماً اور حوالی یونان میں خصوصاً غارتگری ایک جائز پیشہ خیال کیا جاتا تھا۔ نیز جزیرۂ لزبس اور ریاستہا ارا گون اور قتلونیا کے مابین اسوقت تجارت کا بازار گرم تھا اور جزیرۂ مذکور کی تمام بندرگاہیں تجارتی جہازوں سے ہروقت معمور رہتی تھیں۔ بلاشبہ یہی وجوہ مسلمان تھے

عروج اور خیرالدین کی ابتدائی عمر کے حالات وقائع نگاروں نے بڑے ذوق شوق سے
قلمبند کئے ہیں جنکا نتیجہ عموماً یہی ہے کہ یہ دونوں بھائی شروع ہی سے دلیر و جانباز تھے
آخر کار عروج اسحٰق کی دولت اور اپنی قوت کے سہارے ترقی کرکے بہت
جلد ایک مختصر سے بیڑے کا مالک بنگیا۔ مگر چونکہ مجمع الجزائر یونان اُسکی بحری کتازیوں
کے لئے کافی نہ تھا۔ نیز سلاطین قسطنطنیہ کی روز افزوں ترقی اِس تنگ تر قطعۂ آب
میں اُسکے حوصلوں کی اکثر مزاحم ہوتی تھی اسلئے اُسکو ایک وسیع تر جولانگاہ کی جستجو ہوئی

عروج کا عروج

حُسن اتفاق سے اِسوقت اسپین میں سلسلۂ جلاوطنی نہایت تیزی سے جاری تھا
سیکنوں ہزاروں خانمان برباد مسلمانوں کے جہاز سواحل بربر پر خالی کئے جارہے
تھے۔ یہ لوگ جوشِ انتقام سے سخت مبہوت تھے۔ اکثر نے چارۂ کار بھی شروع
کردیا تھا یعنے نئی اور پُرانی دنیا کی دولت سے لبریز جہازات جو آبنائے جبرالٹر یا آبنائے
مالٹا سے عبور کرکے سواحل بربر کے قریب سے گذرتے تھے اکثر اِس انتقام کا شکار
ہوتے تھے۔ اِس قسم کی غیر متوقع کامیوں کی خبریں ایسی نامبارک نہ تھیں کہ بحیرۂ شام
تک محدود رہتیں اور نہ یہ قومی انتقام ایسا کار خیر تھا کہ عروج مجمع الجزائر یونان ہی
میں عزلت نشین رہتا۔ چنانچہ سب سے اول سنہ ۱۵۰۴ء میں ہم اُسکو ایک مختصر سے بیڑے
کے ساتھ ساحل بربر کے قریب کسی محفوظ و مستحکم بندرگاہ کی تلاش میں منڈلاتا
پاتے ہیں۔ یہاں اُسکے لئے ٹیونس گویا ایک قدرتی دامن شفقت تھا کیونکہ
اِسوقت اُسکو کچھ ایسی بہت بڑی جنگی اور مستحکم بندرگاہ کی ضرورت نہ تھی گو ٹیونس

(حلق الوید) کا چھوٹا سا قلعہ اُسکی مختصر جمعیت اور سامان کے لئے سرِ دست کافی تھا قلعہ کے پاس چند اُور عمارتیں بطور گُدام موجود تھیں جہاں یورپ بھر کی تجار قومیں محصول آمد و رفت ادا کر سکتی تھیں۔ گویا یہ بھی حسب دلخواہ تھا۔ قطع نظر اسکے حلق الوید کی قدرتی وضع قطع مصنوعی سامان حفاظت کی چنداں محتاج بھی نہ تھی اور ان سب سے بڑھکر ٹیونس میں یہ وصف تھا کہ جلا وطن اُندلسیوں کے جہازات بیشتر انہی اطراف میں بارگراں سے خالی کئے جاتے تھے جنکے ساتھ ہر طرح کا سلوک کرنا عروج کا نصب العین تھا۔ الغرض کچھ خفیف تذبذب اور تامل کے بعد عروج نے معہ خیر الدین اور الیاس حلق الوید میں داخل ہو کر لنگر ڈالدیا اور اُتر پڑا۔

ٹیونس میں اسوقت بنو الحفص حکمراں تھے جو سنہ ۱۲۲۸ء میں موحّدین کے بعد ملک پر قابض ہو گئے تھے۔ جیسا کہ بیان کیا گیا ہے حکومت اسلام در اصل فاطمیین کے ساتھ بہت عرصہ سے مصر میں منتقل ہو چکی تھی۔ ملک بربر کا مرکز حکومت (القاہرہ) سے دور دراز فاصلہ پر واقع ہونا جسطرح حکومت کے لئے مضر ہوا اُسیطرح اہل ملک کی تہذیب و شائستگی کے لئے بھی مضر ہوا۔ قاعدہ ہے کہ سر چشمۂ حکومت ہمیشہ سر چشمۂ تہذیب ہوتا ہے اور جب بوجہ بُعد مسافت یا عدم موجودگی ذرائع رسل و رسائل حکومت کا اثر نہیں رہتا تو تہذیب کا اثر بھی نہیں رہتا۔ ٹیونس کی اسوقت یہی حالت تھی۔ اب اُن میں وہ فضائل منسبتاً بہت کم باقی تھے جو اسلامی حکومت کے لازمی نتائج ہیں۔ اور جنکی سراپا صداقتیں اور نظیریں ہمکو اس کثرت کے ساتھ تاریخ

ٹیونس کی پولیٹیکل حالت

تاریخ اُندلس میں ملتی ہیں بلکہ شاید یہ کہنا کچھ بیجا نہ ہوگا کہ جوشِ انتقام اور ہمدردی نے
اُنکو اور بھی از خود رفتہ بنا دیا تھا۔ چنانچہ جب کپتان عروج اظہار مقصد کے لئے
محمد سلطان ٹیونس سے باریاب ملازمت ہوا تو اُسکو ناموافق نہیں پایا مسئلۂ محاصل
کچھ خفیف سی بحث کے بعد جلد ہی طے ہوگیا اور یہ قرار پایا کہ سلطان صوبۂ ٹیونس
کی تمام بندرگاہیں عروج کی آزادانہ آمد و رفت کے لئے کھول دے اور اُسکی حفاظت
کرنے کا ذمہ دار ہو۔ اُدھر عروج تمام غنائم کا ایک مقررہ حصہ (شاید پانچواں) شاہی بیت
المال میں داخل کر دیا کرے۔ سلطان کو اپنے معاہد کی جرأت و دلیری دیکھنے کے
لئے زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا کیونکہ تحریر عہدنامہ کے ساتھ ہی کپتان عروج نے اپنے
بحری مشاغل شروع کر دیے۔ اور اول بسم اللہ کعبۂ نصرانیت (روم) سے کی
جسکی مختصر کیفیت حسب ذیل ہے۔

سلطان ٹیونس سے سازش

ایک روز وہ جزیرۂ البا کے قریب گھات میں لگا تھا کہ دو عظیم الشان جہاز
دور سے آتے دکھائی دیے جو مغربی دنیا کے شہنشاہ اسقف اعظم (پوپ) جولیس ثانی
کے ظلِ عاطفت میں جنیوا سے سیوطہ کو جاتے تھے۔ اس سے پیشتر مختلف اقوام
یورپ یا بربر کے قزاقوں سے اکثر اُنکی دوچار ہوئی تھی جنکے مقابلہ کے لئے وہ اسوقت
بھی ہر طرح پر تیار رہتے تھے لیکن اُنکو اس تازہ ترمصیبت کی کیا خبر تھی کہ ٹیونس میں
ابھی ایک ایسا عہدنامہ لکھا گیا ہے جس سے گورنمنٹ اسپین کی ظالمانہ پالیسی کے
قتیل خانماں برباد اُندلسیوں کی آہستہ آہستہ سلگتی ہوئی آتشِ انتقام دفعتًا شعلہ زن

عروج کا پہلا غازیانہ حملہ

ہوگئی ہے۔ اور سچ یہ ہے کہ وہ جلا وطنوں کے جوش انتقام کا اندازہ بھی نہ کر سکتے تھے۔ اگر کر سکتے تو ضرور کچھ زیادہ کرّوفر سے مغربی بحیرۂ روم کا قصد کرتے۔ غرضکہ اہل جہاز بیش بہا تحائف مقدسہ کے بنڈل امانت میں لئے تقدس مآب اسقف اعظم کے روحانی تصرف پر بھوسلے ہوئے پورے اطمینان سے آہستہ آہستہ چلے آتے تھے جو کپتان عروج نے تقریبًا دس فرسنگ کے فاصلہ سے اس شکار کو دیکھا لیکن ایک چھوٹا سا جہاز بلکہ کشتی جسکو صرف اٹھارہ اُنیس حلقہ بگوش ملاح بھدّی بلیوں سے کھیتے تھے کیا تاب مجال رکھتا تھا کہ اپنے سے دوگنے چوگنے جہاز کے منہ آئے اور پھر جہاز بھی شہنشاہ یورپ کا وہ جہاز جسکے ادنےٰ نقص رفع کرنے پر قیصران روم ہفت اقلیم نثار کرنے کو تیار ہو جاتے تھے ؏

محملِ شوق کجا کعبۂ امید کجا شبنمِ تشنہ کجا چشمۂ خورشید کجا

عروج کے رفیق اس ناموزون تقابل سے ناواقف نہ تھے اُنھوں نے کپتان کو ہر چند سمجھایا کہ دیدہ و دانستہ موت کے مُنھ میں نہ جائیے اور یہاں سے پلٹ کر کسی تدمقابل کو تلاش کیجئے مگر عروج نے ان معقول حجتوں کا جواب دیا تو یہ کہ تمام بلیاں خلاصیوں سے چھین کر پانی میں پھینک دیں تاکہ رہی سہی امید خلاصی بھی منقطع ہو جائے اور کشتی کو ایک چٹان کی آڑ میں لیکر شکار کا انتظار کرنے لگا۔ جب سراول جہاز اس آفت ناگہانی سے بیخبر سطح آب پر پیل ست کی طرح جھومتا ہوا قریب آیا تو ناخدا نے یکایک دور سے عمامہ دار سروں کا ہجوم دیکھکر الارم دیا کیونکہ ساحل اٹلی کے قریب باور خاص

کعبۂ نصرانیت کے حوالی ہیں یہ ایک ایسا نظارہ تھا جو کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ آسکتا تھا
الازم دیناتھا کہ اہل جہاز سراسیمہ ہوکر ہتھیاروں کی طرف لپکے اور اسکے ساتھ ہی کپتان
عروج کی کشتی کمینگاہ سے نکلکر طرفۃ العین میں جہاز کے گلوگیر ہوگئی۔ اس طلسمی کھیل سے
اہل جہاز آورحواس باختہ اور پریشان ہوئے مگر اُس طرف سے بندوقوں کی ایک
باڑھ نے معاملہ جلد یکسو کردیا بیچارے اہل جنیوا اپنے عالم بیخودی سے بیدار ہوکر
دیکھا تو یہ کہ حریف جہاز کے زیر و بالا پس وپیش ہر کنگرہ پر قابو یافتہ ہیں اور جہاز
کے خلاصیوں سے لیکر ناخدا تک پابزنجیر تہ خنجر ہیں۔ یہ سب سے پہلا موقع تھا کہ اسقف
اعظم شہنشاہ یورپ کے جہاز کو ایک ادنے کشتی سے کشت اور مات ہوئی۔ لیکن کاسہ
لبریز نہ ہوا تھا ابھی اُسمیں ایک قطرہ کی اور گنجایش تھی۔ فہمند کپتان نے ہراول جہاز قابو
میں کرتے ہی حکم دیا کہ خبردار عقب بھی نہ جانے پائے اور اگرچہ افسران جہاز نے اُسکو
باز رکھنے کے لئے اپنی سی بہت کی مگر یہ عروج کی اُمنگوں کا ابتدا تھا اُسنے قیدی
افسروں کی اس فریب آمیز صلاح پر کچھ التفات نہیں کیا اور ایک بہت ہی نازک
چال چلا یعنی ہراول جہاز کے افسروں کا لباس اور ہتھیار لیکر اُسنے اپنے رفیقوں کو آراستہ
کرکے جہاز کے ہر ضروری مقام پر ایسی عمدگی سے جما دیا کہ دور سے جہاز کے اصلی
افسر معلوم ہونے لگے۔ عقب کو ہراول کی کیا خبر تھی اسلئے وہ آہستہ آہستہ قریب آتا
جاتا تھا جب عین زد پہ آیا تو تیر اور بندوقوں کی اُسی ایک معمولی باڑھ نے اُنکو بھی خواب
غفلت سے بیدار کردیا لیکن اس سے پہلے کہ خود سنبھلیں کپتان عروج کے

جربہ کا قلعہ

(سولھویں صدی)
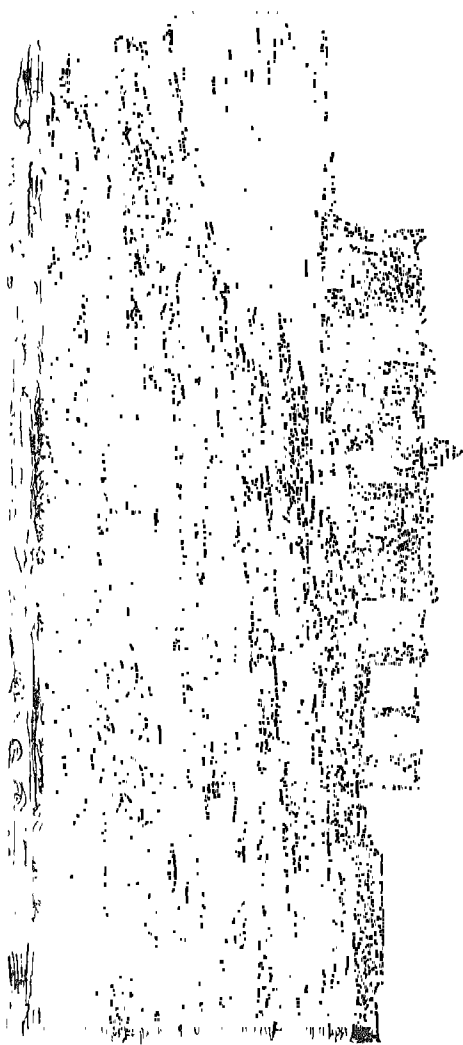
آدمیوں سے اُنکو ہمیشہ کے لئے سنبھال لیا۔

اہل بربر اور مسلمانان اُندلس کے لئے تو یہ کامیابی مفید تھی ہی مگر کپتان عروج کے لئے نہایت مفید ہوئی کیونکہ اُسکو مشاق اور واقفکار ملاحوں کی ازبس ضرورت تھی اور یہ اس معرکہ میں مہیا ہو گئے۔ انکی مدد سے اگلے سال اُسنے اہل اسپین کے ایک عظیم الشان جہاز پر حملہ کیا اگرچہ اُسمیں پانسو یل شل جوان تھے مگر عروج کے صف شکن دلاوروں کے ایک پیش نہ گئی اور سب کو خط غلامی لکھنا پڑا۔ خلاصہ یہ کہ اول پانچ سال کے اندر عروج کی بحری قوت بہت زیادہ مضبوط ہوگئی۔ آٹھ مستحکم جنگی جہازوں کا ایک بیڑا گولیٹا (حلق الوید) میں ہر وقت اسکے حکم کا منتظر رہتا تھا۔ علاوہ ازیں اُسکے دو بھائی خیر الدین اور الیاس معہ اپنی کشتیوں کے اُسکے دائیں بائیں لگے رہتے تھے چونکہ یہ اسٹاف گولٹیا میں سمانے کے قابل نہ رہا تھا اسلئے اب اُسنے جربہ کو دار القرار بنا لیا۔

جربہ پر تسلط

لیکن ایسے اُولوالعزم اور جاہ طلب شخص کے لئے مشکل تھا کہ جربہ کی چھوٹی سی ریاست پر قناعت کر بیٹھتا چنانچہ ۱۵۱۲ء میں عروج کو ایک اَور موقع شہرت ہاتھ آیا یعنے بوجیہ[1] کے حاکم کو اہل اسپین نے مار کر تخت سے برطرف اور شہر بدر کر دیا۔ اُسنے ہر طرف سے مایوس ہو کر کپتان عروج کو مدد کے لئے لکھا اور یہ وعدہ کیا کہ درصورت کامیابی بندرگاہ بوجیہ آپ کی اور آپ کے رفیقوں کی آزاد آمد و رفت کے لئے کھولدیجائیگی۔

بوجیہ کا معرکہ

[1] بوجیہ اسوقت اسپین کے ظلّ حمایت میں تھا۔

عروج کے لئے یہ شرط حسب مراد تھی کیونکہ اسپین پر حملہ کرنے کے لئے بوجیہ سے بہتر اور کوئی مقام نہ تھا چنانچہ شرائط عہدنامہ باقاعدہ قلمبند کرنے کے بعد عروج۔ معزول حاکم بوجیہ کی مدد پر اُٹھ کھڑا ہوا۔ گو اسوقت کل بارہ جنگی جہاز مختصر سامان محاصرہ اور گولہ باری اور صرف ایک ہزار جوان اُسکے زیر کمان تھے مگر چونکہ اس فوجکشی میں حاکم بوجیہ کی حق رسانی اور دادرسی کے ساتھ جلاوطن اُندلسیوں کا انتقام بھی مضمر تھا۔ اسلئے اِس خبر سے ہر طرف ایک جنبش پیدا ہوگئی۔ یہ لوگ ہمیشہ آرزومند رہتے تھے کہ کسی طرح کھلے میدان میں اُن وحشیانہ مظالم کا انتقام لیں جنکی ہزارون لاکھوں مجسّم تصویروں سے ساحل بربر ایک خوفناک مرقع معلوم ہوتا تھا۔ قطع نظر اسکے عروج کی شجاعت تمام ساحل بلکہ افریقہ کے اندرونی حصص تک پھیل چکی تھی۔ اُسکا جوشِ شجاعت بُزدلوں کو شیردل بنا دیتا تھا اور ایک مقناطیسی قوت سے ہر شخص کو اپنی طرف کھینچ لیتا تھا۔ غرضکہ اس ایلغار کی خبر جس کسی نے جس جگہہ سُنی بخطِ مستقیم حربہ کا رُخ کیا اس لشکر مورو ملخ کے ساتھ اگست ۱۵۱۲ء میں وہ بوجیہ پر لنگرانداز ہوا معزول عامل بوجیہ تین ہزار مسلّح جوانوں کے ساتھ حسب قرارداد سابقہ یہاں پہلے سے موجود تھا۔ ایک خفیف سے مقابلہ کے بعد اہل اسپین اُس قلعہ میں محصور ہوگئے جسکو کونٹ ڈن پیڈرو نے انسداد غارتگری کی ضرورت کے لئے تعمیر کیا تھا۔ محاصرین نے آٹھ روز کامل قلعہ پر آگ برسائی۔ نویں روز قریب تھا کہ قلعہ کی سنگلاخ فصیل و بروج۔ گولہ باری سے بیتاب ہو کر گر جائیں مگر عین تنت پر۔ کپتان کے بازو میں

بوجیہ کا محاصرہ

ایک گولی لگی جسکے صدمہ سے ہاتھ بالکل بیکار ہوگیا اور وہ بیہوش ہوکر زمین پر
گر پڑا اسکا گرنا تھا کہ محاصرین میں ایک سراسیمگی پھیلگئی ایسے نازک وقت میں افسران فوج
نے بساط اُلٹنا مناسب سمجھا۔ چنانچہ محاصرہ سے دست بردار ہوکر کپتان کو علاج کے
لئے ٹیونس لیگئے اور اسطرح بوجیا کو اپنی پیشانی پر غور کرنے کے لئے اور مہلت ملگئی۔
واپسی میں اس ناکام اور دل شکستہ جماعت کو اتفاقیہ ایک شکار ہاتھ آگیا جس سے
اُنکی کسیقدر اشک شوئی ہوگئی یعنے ایک بڑا بھاری جہاز اسباب تجارت سے گرانبار
جنیوا سے نیپارکہ کو جاتا تھا اُسکو گرفتار کرکے ساتھ لیا۔ ٹیونس پہنچکر عروج تو جرّاحوں کے
زیر معالجہ رہا اور خیرالدین اسکے فرائض منصبی اپنے ذمہ لیکر بڑی دلیری سے اُنکی
بجاآوری میں مشغول ہوگیا چنانچہ حلق الوید سے جھیل بزرطہ تک تجارتی اور جنگی جہازوں
کا ایک سلسلہ بندھا رہتا تھا اور بندرگاہ کے تمام گودام یورپ کی دولت سے
معمور رہتے تھے۔

جس جہاز کا ہمنے اوپر ذکر کیا ہے جب اُسکی خبر جنیوا پہنچی تو سنیٹ (مجلس شوریٰ)
کو غصہ سے تاب نہ رہی اور تمام ممبروں سے انتقام کی قسم کھاکر امیرالبحر انڈریا ڈوریا
کو جو یورپ کے شجاعوں کی ناک تھا بارہ جنگی جہازوں کے ایک مضبوط بیڑے کے
ساتھ ٹیونس کو روانہ کیا اُسنے اچانک یہاں پہنچکر شہر پر گولہ باری شروع کردی۔

اہل جنیوا کا حملہ

خیرالدین جو اسوقت عروج کا قایم مقام تھا اور گولٹیا کی حفاظت کا ذمہ دار تھا اُسنے
معدودے چند آدمیوں اور کشتیوں کے ساتھ مقابلہ کرکے منہزم ہونا پسند نہ کیا

اور طرح دی۔ میدان خالی پاکر ڈوریا نے بندرگاہ کو ہلہ کر کے لیلیا اور جب اُسکو مسمار کر کے قرار واقعی انتقام لیچکا تو لوٹ کے جہازوں سمیت جنیوا کو عود کیا۔ خیرالدین اور ڈوریا کا یہ سب سے پہلا مقابلہ تھا۔ لیکن دوسرا مقابلہ جیسا کہ ناظرین عنقریب دیکھینگے یورپ کے امیر البحر کے لئے چنداں قابل فخر نہ تھا۔

ڈوریا کو طرح دیکر اگرچہ خیرالدین شکست فاش سے بچگیا مگر خفت سے نہ بچ سکا چنانچہ حملہ کا طوفان فرو ہونے پر اُسکی حمیت نے تقاضا نہ کیا کہ عروج کے سامنے جائے اسلئے بندرگاہ ٹیونس سے بے خبر نکلکر بالا بالا جربہ پہنچا اور یہاں ایک جدید بیڑے کے تیار کرنے میں ہمہ تن مصروف ہوگیا۔ ۱۵۱۳ء کے موسم بہار میں عروج بھی غسل صحت کر کے اپنے بھائی کا شریک حال ہوگیا دونوں نے متفقہ کوشش اور محنت سے ایک اوسط درجہ کا جنگی بیڑا تیار کر کے ۱۵۱۴ء میں قلعہ بوجیہ کا از سر نو محاصرہ ڈالا۔ پہلا ہلہ تو ناکامی پر ختم ہوا مگر دوسرے ہلہ میں کچھ کچھ سامان کامیابی نظر آتے تھے کہ یکایک گورنمنٹ اسپین کی بھیجی ہوئی کمک آپہنچی جو قوت میں محاصرین سے دوچند تھی۔ کپتان عروج کو سخت غم و غصہ کی حالت میں مجبوراً پسپا ہونا پڑا۔ کہتے ہیں کہ واپسی کے وقت بد اتفاقیاں اسقدر کثرت اور سرعت سے پیش آئیں کہ کپتان کو اپنے جدید بیڑے کے سنبھالنے کی مہلت بھی نہ مل سکی اور اِس خوف سے کہ مبادا دشمن اُن جہازوں سے مستفید ہو اُنکو آگ لگا کر غرقاب کر دیا۔

جیجل یا جبل بنی ہلال
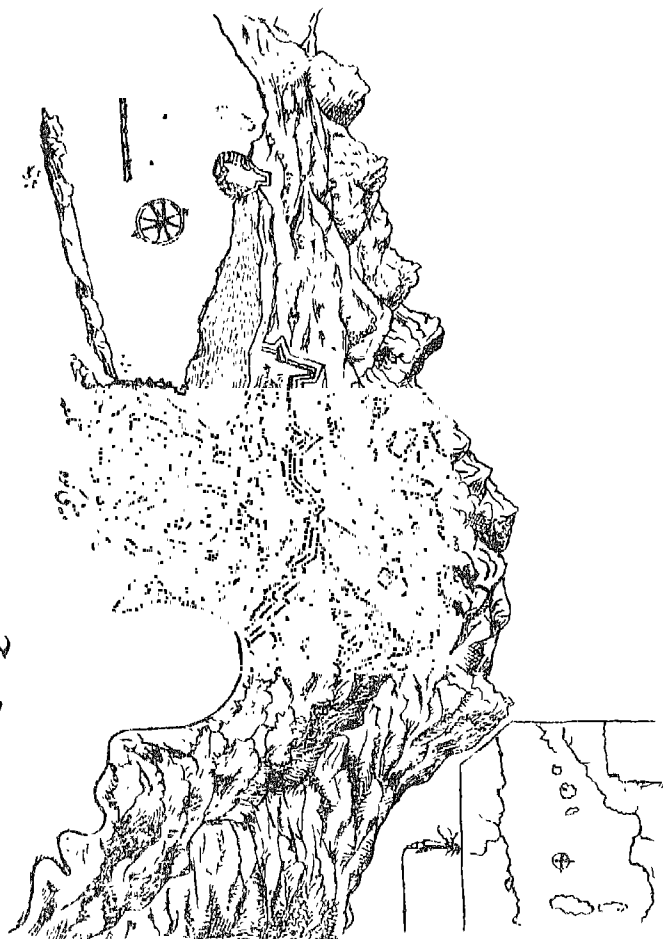
ڈوریا کو طرح دیکر خیر الدین کو جو شرم دامنگیر ہوئی تھی وہ اب عروج کو بھی ہوئی اُسنے بھی اس ناکام حالت میں ٹیونس یا جربہ کو جانا پسند نہ کیا۔ بوجیہ سے آتے جاتے ساحل سمندر کے قریب راستہ میں اُسنے ایک مستحکم اور دشوار گذار کوہستانی مقام دیکھا تھا جو مثل ایک قدرتی حصار حصین کے چند سنگلاخ چٹانوں کے بیچ میں محفوظ تھا اور اُسکے قریب ہی ایک حسب دلخواہ بندرگاہ بنی تھی۔ جو نقشہ پر جیجل یا جبل بنی ہلال کے نام سے دکھلائی دیگی۔ چنانچہ عروج نے تلافی مافات کے لئے اس مقام کو پسند کیا۔ اگرچہ جیجل کے باشندے سخت مغرور و سرکش تھے۔ اُنھوں نے آجتک کبھی کسی سلطان یا خلیفہ کے سامنے سرِ تسلیم خم نہ کیا تھا مگر حُسن اتفاق سے کپتان عروج کے قدم اُنہوں نے بڑے فخر و عزت سے اپنے سر اور آنکھوں پر لئے غرضکہ یہاں جم کر اُسنے پھر بحری مشاغل شروع کئے۔ اور اِس خوانِ یغما میں اہل جیجل کو بھی شریک رکھا جسکا یہ نتیجہ ہوا کہ کچھ عرصہ بعد اس مغرور شہر نے کپتان عروج کو اپنا حاکم تسلیم کرلیا۔

جیجل بنی ہلال پر قبضہ۔

دوسرا باب

الجزائر کی فتح - اور ایوان حکومت کی بنیاد

مسلمانان اُندلس کے صدہا قبائل ہرچند کہ غرناطہ - اشبیلیہ - قادس - اور الیمانہ وغیرہ
شہروں سے جلاوطن ہوکر الجزائر کے ساحل پرخانہ بدوشوں کی طرح پڑے تھے -
مگر گورنمنٹ اسپین کے دست تطاول سے یہاں بھی محفوظ نہ تھے - ان کمبختوں کے
لئے کوئی وجہ معاش نہ تھی اُنکے مفید اور کارآمد مشاغل زندگی ڈن جون آو اسٹریا کی
شہر آشوب خونریزیوں نے خاک میں ملا دیے تھے - اگر کچھ اطمینان تھا تو وہ کیتھلک

مسلمانان اُندلس کی حالت محاربہ

گورنمنٹ کے خوف سے مکدر تھا - کیونکہ اس خانماں برباد ی اور سقیم الحالی پر بھی اُنکو آئے
دن ایک رقم کثیر بطور خونبہائے امن ادا کرنے کا کھٹکا رہتا تھا - تنگ چشم اور حاسد
کیتھلک عاملوں کی ٹھوکریں سہنا پڑتی تھیں - سات برس کامل وہ ان مظالم کو مردانہ
وار سہتے رہے مگر اب کاسہ لبریز تھا ایک قطرہ کی گنجایش نہ تھی اور وہ اسی فکر میں تھے کہ
اس بار تظلم کو کسیطرح زمین پر پٹک دیں کہ اچانک فرڈی نینڈ نے انتقال کیا - اسکے
ساتھ ہی مسلمانوں نے سالانہ خراج بند کرکے شاہ سلیم سے استمداد کی جو اُسوقت الجزائر

شاہ الجزائر سے اُندلسیوں کی استمداد

میں حکمراں تھا - شاہ سلیم کی فوجی قوت اگرچہ شہر مذکور کے بڑی مقامات کو محفوظ و مستحکم
کرنے کے لئے تو ہر طرح کافی تھی - مگر بحری ناکہ بندی نہ کرسکتی تھی - اس صورت
میں وہ اسپین کے اُس دستۂ فوج کا کیونکہ مقابلہ کرسکتا تھا جو بندرگاہ الجزائر کے
جنگی قلعۂ پی نن میں جمکر ہر وقت گولہ باری کرتا رہتا تھا - اور جلاوطن اُندلسیوں کی ہر حرکت

دسکون کا نگراں تھا۔ مانا کہ شاہ سلیم کے دلاور سپاہی۔ اُن کے عربی نژاد گھوڑے اُنکے فولادی زرہ بکتر۔ صف شکن تیزی۔ اُنکی خوں آشام تلواریں۔ اور سوہانِ رُوح برچھیاں اپنے سے دو چند قوت کو پسپا کر سکتے تھے۔ مگر توپوں کا جواب کون دیتا؟ اب ایک طرف تو یہ مشکل تھی یعنی بحری قوت کی عدم موجودگی یا کمزوری۔ اور دوسری طرف اندلسیوں کی استمداد۔ آخر اس کشمکش میں شاہ سلیم کا خیال جیجل کی طرف پہنچا۔ چنانچہ اُسنے بلا تامل ایک معزز ڈیپوٹیشن کپتان عروج کی خدمت میں بایں درخواست بھیجا کہ آپ کی ذات ہم لوگوں کے لئے ملجا، وماوٰے ہے۔ آپ خود آکر اِن لوگوں کو نجات دیں اس مستمندانہ درخواست کی قدر کپتان عروج سے زیادہ اَور کون کر سکتا تھا۔ اسوقت اُسکو روپیہ اور لوازم جنگ کی اشد ضرورت تھی۔ صوبۂ جیجل کے مداخل اُسکی شہ خرچیوں کی کفالت نہ کر سکتے تھے۔ نہ اُسکو خود کچھ زیادہ استطاعت تھی۔ اور اگر تھی تو بوجیہ کے معرکوں کے نذر ہو چکی تھی۔ خلاصہ یہ کہ کچھ جاہ طلبی اور کچھ قومی ہمدردی کی وجہ سے اُسکی دلی آرزو تھی کہ سواحل بربر پر ایک مستقل مدامی حکومت کی بنیاد ڈالے۔ اور یہاں جمکر اہل اسپین سے قرار واقعی انتقام لے۔ چنانچہ بوجیہ پر اُسنے خاص اسی مقصد کے لئے دو مرتبہ حملہ کیا تھا۔ لیکن الجزائر بھی اسکے مقاصد کے خلاف نہ تھا ان وجوہ سے کپتان عروج نے شاہ سلیم کی تجویز منظور کرلی۔ اور اواخر ۱۵۱۶ء میں ایک مختصر جنگی بیڑے کی کمان لیکر جسمیں کُل سولہ جہاز اور چھ ہزار جوان تھے خشکی اور تری دونوں راستوں سے الجزائر کی طرف بڑھا اور اول شہر شرشیل پر لنگر انداز

سلیم کی فوجی قوت

عروج کی خدمت میں ڈیپوٹیشن

ہوا جو الجزائر سے قریباً پندرہ فرسنگ جانب غرب واقع ہے اور بربر کی مشہور و
معروف بندرگاہوں میں شمار کیا جاتا ہے اس مقام پر پہلے بنی نصر فرمانروایان غرناطہ
کا قبضہ تھا۔ مگر جب اُنکی حکومت کا شیرازہ بکھرا اور غرناطہ کے مضافات مثل اوراق

شرشیل کی فتح

منتشر و پریشان ہوئے تو شرشیل ایک نوجوان ترک قرہ حسن کے ہاتھ آگیا
جو اسوقت تک یہاں حکمراں تھا۔ مگر عروج نے اس سے کچھ اچھا سلوک نہ کیا اُسکو
پوشیدہ قتل کراکر شہر پر قبضہ کر لیا۔ یہاں سے عروج بخط مستقیم الجزائر پہنچا جہاں سلطان سلیم
اور جلاوطن اُندلسی اُسکے لئے چشم براہ تھے اور قلعہ پی نن سے صرف ایک تیر کے
فاصلہ پر لنگر انداز ہوا۔ ناظرین کو یاد رکھنا چاہئے کہ کپتان عروج اُس قرن کا ہیرو تھا جبکہ
مسلمانان بربر میں اَور برگزیدہ اوصاف کے ساتھ صفات رزمیہ بھی نسبتاً بہت کم باقی
رہگئی تھیں پس اگر اس موقع پر وہ تمام جائز و ناجائز تدابیر کامیابی خدعۃ الحرب کی حد
میں داخل کر لیتا تو کچھ تعجب نہ تھا۔ مگر نہیں اُسنے بندرگاہ میں لنگر انداز ہوکر سب سے
پہلا کام یہی کیا کہ اُسی پُرانے اسلامی طریق پر جو خلفائے راشدین اور اُنکے پیرووں
کا مسلک تھا۔ قلعہ نشینوں کو بطور اتمام حجت کہلا بھیجا کہ اگر قلعہ خالی اور سپرد کر دیا جائیگا
تو اسطرف سے کسی طرح کی مضرت نہ پہنچائی جائیگی۔ لیکن افسر قلعہ نے جواب دیا

قلعہ پی نن کا محاصرہ

کہ "ہم اس دل گردہ کے آدمی نہیں کہ معمولی نرم گرم فقروں سے پگھل جائیں۔ ذرا
بوجیہ کے معاملہ کو یاد رکھئے" نامہ و پیام سے اگلے دن محاصرہ کی کارروائی شروع
ہوگئی۔ عروج کے جانباز دلاوروں نے قلعہ پر بیس روز کامل آگ برسائی پختہ امید

تھی کہ اگر گولہ باری اسی طرح آور چند روز جاری رہی تو قلعہ کے لوہا لاٹ فصیل و بروج عنقریب متزلزل اور سرنگوں ہوجائینگے مگر دفعتًا ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ کپتان عروج کو ہمہ تن اُسطرف متوجہ ہونا پڑا یعنی اُسکے سپاہیوں اور مسلمانان اُندلس کے درمیان کچھ نقیض ہوگیا۔

عروج کے سپاہیوں اور اُندلسیوں میں نقیض

قومیں جب اوج عزت سے خاک مذلت پر گرتی ہیں تو ابتداء میں اُن میں دو خاصیتیں عجیب پائی جاتی ہیں یعنی موجودہ حالت کے عیوب و نقائص کو تسلیم نہ کرنا اور اپنے عادات واطوار کو خلاف مقتضائے وقت بدستور قائم رکھنا۔ اِسکو ایک کلیہ سمجھو جسکا ورود ہر متنزل قوم پر مجموعتًا بھی اُسیطرح ہے جسطرح فردًا فردًا۔ ہم روز مرہ دیکھتے ہیں کہ ایک شخص دولتمند سے مفلس بنجاتا ہے۔ اُسکی تمام حالتیں منقلب ہوجاتی ہیں۔ مگر اُولوالعزمی اور جاہ طلبی میں سرمو فرق نہیں آتا۔ حالانکہ یہی وہ نقص ہے جس سے اصلاح حال کا راستہ بالکل مسدود ہوجاتا ہے۔ کیونکہ وہ باقی ماندہ قوی (مالی۔ ذہنی۔ یا جسمانی) جنکو اگر بوجہ احسن اور بطریق انسب استعمال کیا جائے تو کم وبیش منتج بہ بہبودی و اصلاح ہو سکتے ہیں۔ بلند نظری اور جاہ طلبی کے غیرضروری اظہار میں صرف کردیے جاتے ہیں اور شخصی حالت بجائے بہتر ہونے کے روز بروز بدتر ہوتی جاتی ہے۔ تمام فساد کی جڑ یہی دو خاصیتیں ہیں جو قوموں کو تنزل کے اُس قعر میں پہنچا دیتی ہیں جہاں سے اُنکو صدیوں کے بعد بھی سر اُٹھانے کی مُہلت نہیں ملتی۔ ورنہ تنزل کا پہلا درجہ اسقدر پست نہیں کہ فرد واحد یا قوم

اُس سے روبراہ نہو سکے - جلا وطن اُندلسیوں کی اسوقت یہی حالت تھی - گو وہ خاک میں ملگئے تھے مگر رعونت باقی تھی - کپتان عروج کے سپاہی جو اسوقت محسن و مربی بنکر اُنکو اہل اسپین کے پنجۂ ظلم سے چھڑانے آئے تھے پیرس اور لندن یا یوں کہو کہ قرطبہ و غرناطہ کے فیشن ایبل اینڈ امی ایبل (مہذب و خلیق) جنٹلمین نہ تھے کہ اس امر سے واقف ہونا سوشیل فرض سمجھتے کہ ایسا غیر ضروری اظہار احسان جو مشکور کی دلشکنی کا باعث ہو منہیات تہذیب میں داخل ہے - وہ بات بات میں اپنی دستگیری اور اُنکی دست نگری کا فخراً اظہار کرتے تھے - اور چونکہ سیدھے سادے اُنگھڑ سپاہی تھے اسلیئے طریقۂ اظہار بھی کچھ ناتراشیدہ اور دلخراش تھا - مسلمانان اُندلس جو اپنا نسب بنی سراج اور بنی نصر سے ملاتے تھے اس تحقیر کے متحمل نہ ہو سکتے تھے - کیونکہ اُنکے دماغوں میں ابھی تک بوئے حکومت باقی تھی - غرضکہ اس قسم کی وجوہ سے فریقین میں گونہ شکر رنجی پیدا ہوگئی - یہ قاعدہ ہے کہ اگر شروع میں اختلاف رائے کا انسداد نہ کیا جائے تو افعال مخالفانہ کی حد تک پہنچ جاتی ہے یہ رنجش یہاں تک بڑھی کہ ایک روز خفیف سی نزاع لفظی پر عروج کے ایک سردار نے شاہ سلیم کو جبکہ وہ غسل خانہ میں تھا قتل کر ڈالا[1] - مسلمانان اندلس نے سراسیمہ ہو کر قلعہ نشین فوج سے بالا بالا رسل و رسائل کر کے ایک سازش کی جسمیں یہ قرار پایا کہ

سلیم کا قتل

ایک خوفناک سازش

---

[1] یورپین مؤرخ لکھتے ہیں کہ یہ قتل عروج کے اشارہ سے ہوا - یہ امر قرین قیاس ہے - مگر عربی یا ترکی مؤرخ اس رائے کی تائید نہیں کرتے -

ایک تاریخ معینہ پر اِدھر سے یہ اُدھر سے وہ محاصرین پر ایک ساتھ ہلہ کرکے اُنکا قلع وقمع کرڈالیں۔ کپتان عروج اس تمام سلسلۂ بغاوت۔ اُسکے ابتدائی اسباب اور تدریجی رفتار سے بخوبی واقف تھا۔ لیکن اگر ایسے نازک وقت میں جبکہ قلعہ محصور متزلزل ہونے کے قریب تھا۔ وہ اپنے خطا وار سپاہیوں پر زجر وتوبیخ کرتا تو ضرور تدابیرِ محاصرہ میں فرق آتا اور یہ فوجکشی ناکامی پر ختم ہوتی۔ اسلئے اب تک وہ چشم پوشی سے دفع الوقتی کرتا رہا۔ بے شک شاہ سلیم کے قتل پر اُسکو کچھ کرنا چاہیے تھا[1] اور وہ ضرور کرتا لیکن مسلمانانِ اُندلس اور قلعہ والوں کی سازش۔ وارداتِ قتل کے بعد فوراً ہی وقوع میں آگئی۔ اسلئے وہ جملہ امور حتّٰی کہ محاصرہ سے بھی قطع نظر کرکے اِس بغاوت کے انسداد کی طرف متوجہ ہوا جسپر قلعہ کی فتح۔ جلا وطن اندلسیوں کی خلاصی۔ اور عام کامیابی کا انحصار تھا۔ چنانچہ کپتان عروج نے اس نازک موقع پر ایک نازک چال چلی۔ یعنی تاریخ معیّنہ سے قبل حُسنِ اتفاق سے جمعہ تھا۔ مسجد جامع میں تمام مسلمان۔ اُندلسی۔ بربری۔ عربی۔ ترکی۔ بلاتفریق مدارج جمع تھے۔ نماز سے فراغت پاتے ہی حسب قرارداد سابقہ عروج کے چند خواص نے مسجد کے دروازے بند کردیے۔ اور عروج نے کھڑے ہوکر بہ آواز بلند اس تمام باغیانہ سازش کا اعلان

افشاے راز

---

[1] یورپین وقائع نگاروں کی بڑی بھاری غلط فہمی ہے کہ شاہ سلیم کا قصاص مقدم تھا اگر عروج ایسا کرتا تو گو بغاوت کسی قدر مٹ جاتی مگر اُسکے سپاہیوں کی بے موقع دل شکنی سے محاصرہ بالضرور ناکامی پر ختم ہوتا۔

کر دیا باغیوں پر ایسا رعب چھایا کہ سپاہی خود اُنہیں کے عماموں سے اُنکی مشکیں کستے تھے اور وہ دم بخود تھے۔ چند سرغنہ سرداروں کے قتل سے بغاوت کا فوری انسداد ہوگیا۔ اور یہی مطلوب تھا۔

انسداد بغاوت

اُدھر قلعہ والوں کو جو سازشی بغاوت کی امید موہوم پر تکیہ کئے ہوئے تھے جب اِس واقعہ کی خبر ہوئی تو اُنہوں نے ہر طرف سے مایوس ہو کر اپنی گورنمنٹ سے استمداد کی۔ چنانچہ کارڈینل زمینس کے حکم سے ایک زبردست جنگی بیڑا معہ سات ہزار مسلح جوانوں کے ڈن ڈیگوڈی ویرا کے زیر کمان قلعہ پی نن کی مدد کے لئے روانہ کیا گیا۔ ڈن ڈیگو ایک لائق اور جنگ آزما سردار تھا۔ الجزائر پہنچکر وہ ایسے موقع پر لنگر انداز ہوا کہ محاصرین کی تمام بحری قوت قلعہ اور کمک کے بیچ میں آگئی۔ اور محصورین سے بذریعۂ رسل و رسائل عام ہلّہ کے لئے ایک دن مقرر کیا محاصرین کے ساتھ معمولی چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ کپتان عروج بھی کچھ کم مدبر و شجاع نہ تھا۔ اُس نے اس ضغطہ کی ذرا پروا نہ کی بلکہ نہایت استقلال سے کمک کو بھی جواب دیتا رہا۔ اور حکمت عملی سے اس سازشی رسل و رسائل کے کوائف بھی دریافت کرتا رہا یوم مقررہ پر جب دونوں فوجوں نے ہر طرف سے ہلّے کئے اور محاصرین کچھ دل شکستہ ہوئے تو کپتان عروج بنفس نفیس ایک چھوٹی سی جہاز نما کشتی میں سوار ہو کر کبھی فوج کے اس پرے کے سامنے دکھلائی دیتا تھا۔ اور کبھی اُسکے سامنے۔ چار گھنٹے کی سخت کشمکش جان فروشی کے بعد فریقین کی قسمتوں کا فیصلہ ہوگیا۔ اہل اسپین شکست فاش

معرکہ کا دن

الجزائر کی فتح

کھا کر پسپا ہوئے۔ اور ساتھ ہی سمندر میں اسقدر طوفان خیز تلاطم برپا ہوا کہ ڈن ڈیگو کا ایک جہاز بھی سلامت نہ بچا۔

ایک معمولی متلاشی معاش پراگندہ روزی شخص کا چند بے حقیقت اور محض نابلد لٹیروں اور خانہ بدوشوں کو ادھر اُدھر سے جمع کرکے ایک جلیل القدر قوم کی جری اور دلاور فوج کو شکست دیدینا ایسا واقعہ نہ تھا کہ گورنمنٹ اسپین اب بھی اسکو نظرانداز کردیتی۔ خیر کچھ ہو مگر عروج اس نمایاں کامیابی سے تمام مغرب الاوسط کا مالک ہوگیا۔ اگلے سال طینس کا شہزادہ تمام علاقہ قرب وجوار کو اُسکے خلاف برانگیختہ کرکے اور باغیوں کی ایک ٹڈی دل فوج کو لیکر الجزائر پر چڑھ آیا۔ مگر عروج نے نہایت استقلال سے صرف پندرہ سو سپاہیوں کے ساتھ بدون کسی توپ یا بندوق کے اُنکو اسقدر آڑے ہاتھوں لیا کہ تمام حملہ آور تہ و بالا ہوکر میدان سے بھاگ نکلے۔ اور خود شہزادہ تعاقب سے بچکر کوہستان میں جا چھپا۔ اسطرح سنہ ۱۵۱۷ء میں طینس پر بھی عروج کا قبضہ ہوگیا۔ اگلے سال طلمسان کو لیا۔ خلاصہ یہ کہ سنہ ۱۵۱۹ء سے پہلے پہلے وہ تمام صوبہ الجزائر پر متسلّط ہوگیا۔ صرف وران اور چند چھوٹے چھوٹے قلعے مثل پی نن وبوجیہ وغیرہ واقع ساحل گورنمنٹ اسپین کے قبضہ میں باقی رہ گئے۔ اِسوقت عروج کی سلطنت وسعت میں فیض و مراکو سے کسیطرح کم نہ تھی۔ الجزائر میں جبکہ عروج نے ڈن ڈیگوڈی ویرا کی پچھلی دوستانہ ملاقات کو کئی مثر تشکر یہ کے ساتھ بنفس نفیس واپس کیا اور سواحل اسپین پر خوب دل کھولکر حملے کئے

صوبہ الجزائر کی تسخیر

اندلس کے مسلمانوں کی نجات

کبھی ایسا نہوتا تھا کہ اُسکی تزکتاز کشتیاں سیکنوں ہزاروں اُندلسیوں کو اسپین سے چھڑا کر

نہ لائی ہوں جس طریق پر یہ حملے کئے جاتے تھے اُسکی تفصیل مقدمہ میں بیان کیجا
چکی ہے۔اسپین تو خیر اپنے کئے کی سزا بھگتتا ہی تھا مگر جنیوا۔نیپلز۔وینس جو اسوقت
یورپ بھر میں مشہور تجارتی منڈیاں تھیں اُنکے جہازات بھی کپتان عروج کو چنگی دیے
بدون بحیرۂ روم سے نہ گذر سکتے تھے۔

مارکوئیس ڈی کیمیرس جو قلعہ اوران کا گورنر تھا اپنی تفصیلی رپورٹوں کے ذریعہ
گورنمنٹ اسپین کو ہمیشہ اسطرف توجہ دلاتا رہتا تھا۔آخر کار جب چارلس پنجم
تخت نشین ہوا تو اُسنے پندرہ ہزار چیدہ جوانوں کی ایک جری فوج اہل الجزائر کی
گوشمالی کے لئے بھیجی۔عروج اسوقت صرف پندرہ سو سپاہیوں کے ساتھ طلمسان
میں مقیم تھا۔ایسی حالت میں اپنے سے دس گنی قوت کا مقابلہ کرنا اسنے خلاف
مصلحت سمجھا اور بڑی جنگ کی تیاری کے لئے معہ خدم و حشم الجزائر کو پلٹا۔رستہ
میں ایک دریا حائل تھا۔کپتان عروج تو معہ ہراول اُس سے بخیریت عبور کر گیا مگر
قلب۔قلب دریا۔اور عقب ہنوز اُس کنارہ پر تھا کہ اہل اسپین نے خبر پاکر پیچھے سے
آدبایا اور سخت کشت و خون کیا۔عروج نے اپنے جانباز رفیقوں کی آواز الغیاث!
الغیاث! سُنی اور نہ رہ سکا۔فوراً اس کنارہ پر واپس آکر دشمن کی صفوں میں شمشیر بکف
گھس گیا۔اگرچہ مسلمانوں کی خفیف جمعیت اسپین کی ٹڈی دل فوج میں مشتے از خاک
بطوفان نوح سے زیادہ نہ تھی مگر جیساکہ ایک انگریزی مورخ لکھتا ہے مسلمانوں نے
حیرت انگیز دلاوری سے مقابلہ کیا۔اُنمیں سے ہر ایک شخص نے مثل شیر ببر

عروج کی شجاعت اور موت

دم واپسین تک منھ نہ موڑا اور نقد جاں فروشی کی۔ یہاں تک کہ ایک متنفس بھی پشت دیکر نہیں بھاگا۔ اس گنج شہدا میں کپتان عروج کی لاش بھی موجود تھی جو اپنے ہیبت ناک چہرہ سے صاف تمیز ہوتی تھی اسکے ہاتھ میں تلوار تھی جسکو دیکھکر معلوم ہوتا تھا کہ زمین پر گر کر بھی اُسنے اپنی آنر (عزت) کو نہیں بلکہ قومی آنر کو بچایا[۵۱]"

یہ معرکہ فی الحقیقت اس قابل ہے کہ انسیس[۵۲] ویلیز کے حادثہ کی طرح دنیا کی پندرہ فیصلہ کر دینے والی لڑائیوں میں شمار کیا جائے اور معرکۂ تھرماپلی[۵۳] کا ہم پلہ ہو وہاں رولنڈ رانسیس ویلیز سے گذرتا تھا اور یہاں عروج ایک دریا سے۔

جن لوگوں نے عروج کو بچشم خود دیکھا ہے اُنکے بیان کے بموجب وہ قریبًا پینتالیس برس کی عمر میں قتل ہوا۔ کچھ زیادہ بلند و بالا نہ تھا۔ بلکہ میانہ قد جسیم و قوی ہیکل۔ ڈاڑھی اور سر کے بال سرخ تھے۔ آنکھیں تیز۔ روشن۔ اور متجسس تھیں اور دل کی بیچینی ظاہر کرتی تھیں۔ ناک اونچی لمبی اور طوطے کی چونچ کی طرح سامنے سے کسیقدر

---

۵۱ لین پول صفحہ ۲۵۲۔

۵۲ شارلیمین شاہ فرانس نے اسپین پر حملہ کیا۔ واپسی میں رانسیس ویلیز کے درہ میں اسپین کی قوموں نے فرانسیسی فوج پر چھاپہ مارا۔ واقعات تو نہایت معمولی ہیں مگر یورپین مورخوں نے اس معرکہ کو صرف اسلئے کہ رولنڈ شارلیمین کا جنرل اس میں بے کسی کی حالت میں قتل ہوا۔ دنیا کی پندرہ فیصلہ کر دینے والی لڑائیوں میں داخل کر دیا۔ اُندلس باب ۳۔

۵۳ تھرماپلی کا واقعہ بھی دنیا کی پندرہ فیصلہ کر دینے والی لڑائیوں میں داخل ہے۔ ارکزیز شاہ فارس کے حملہ کے وقت لیونیڈیس یونانی جنرل تھرماپلی پر حیرت انگیز دلاوری سے لڑکر قتل ہوا۔

جھکی ہوئی۔ چہرہ کا رنگ خوشنما صاف مگر کچھ گندمی۔ نہایت ناموری شجاع نہایت اُولوالعزم اور مستقل مزاج۔ بلند حوصلہ۔ دلیر معرکہ آرا۔ رحمدل۔ اور فیاض بخش تھا خونخوار نہ تھا مگر میدان جنگ میں۔ نہ سفاک طینت تھا مگر سرتابی کرنے والوں کے لئے۔ تمام سپاہ اور ارکین دربار اُسکی دل سے قدر و منزلت کرتے تھے۔ اُسپر ہزار رجان سے فریفتہ تھے۔ مگر با اینہمہ نہایت مرعوب تھے۔ رعایا بجاے خوف کے محبت سے اُسکی اطاعت کرتی تھی۔ اسکے انتقال پُرملال پر ہر شخص نے ہر پریشۂ دل سے ماتم کیا۔ خصوصًا جلاوطن مسلمانان اُندلس کو انتہا درجہ کا قلق ہوا۔ ان بدنصیبوں کے ساتھ اسکو دلی ہمدردی تھی۔ اور یہی وجہ ہے کہ بربر کے چودہ برس کے قیام میں اُسنے اہل اسپین کو کبھی چین سے نہ بیٹھنے دیا۔

ربیع کی خصامت کی پوری تصویر

عروج نے کوئی فرزند وارث تاج و تخت نہیں چھوڑا

تیسرا باب

خیر الدین باربروسہ

شاید ہمارے ناظرین کپتان عروج کی نسبت کوئی غیر ضروری حُسن ظن قائم کریں اور کچھ تعجب بھی نہیں کیونکہ اُسکی زندگی کے چند شکستہ اور ناتمام واقعات جو پچھلے باب میں بیان کیے گئے ہیں۔ بادی النظر میں اس قسم کے گمان کی تائید بھی کرتے ہیں لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ انسان کی زندگی کا دستور العمل ہر قرن کے ساتھ بدلتا رہتا ہے آج انیسویں صدی بعد المسیح میں انسانی سوسائٹی کی جو حالت ہے وہ تیئیسویں قبل المسیح میں ہرگز نہ تھی - یہ درمیانی مدت جو قریبًا سوا چار ہزار برس[۱] ہوتی ہے اگر بلحاظ سوشیل مدارج ترقی قرون متعددہ پر تقسیم کیجائے تو ایک سلسلۂ عظیم معلوم ہوگا اور ہر قرن میں انسان کا سوشیل کوڈ (مجموعۂ قوانین تمدن واخلاق) صریحًا متبدل دکھلائی دیگا آج جو قوم دنیا میں سب سے زیادہ مہذب اور سب سے زیادہ بلند مرتبہ خیال کیجاتی ہے وہ سیکنوں ہزاروں قالب طے کر کے اس معراج تہذیب تک پہنچی ہے پس قرن اولی کی انسانی زندگی کا اندازہ اگر قرن اخیر کے معیار سے کیا جائے تو بُعد المشرقین ہونا لازمی ہے - اسی طرح کپتان عروج کی نسبت صحیح رائے قائم کرنا ہو تو اقوام یورپ کی پرانی تاریخیں خصوصًا متعلقۂ قرون وسطی پڑھنی چاہیئیں تاکہ معلوم ہو کہ اُسوقت

قوموں کے سوشیل مدارج کی ترقی

قرون وسطی میں یورپ کا عام میلان خاطر

---

[۱] طوفان نوح کا اختتام جو موجودہ دنیا کی ابتدا خیال کیا گیا ہے غالبًا سنہ ۲۳۴۸ قبل مسیح میں ہوا اس لحاظ سے دنیا کی عمر سوا چار ہزار برس سے کم نہیں سمجھی جاسکتی -

یورپ کی کوئی قوم اس قسم کے ناجائز بحری مشاغل سے خالی نہ تھی قطع نظر اسکے
مسٹر چارلس بریڈلا جیسے بیدار مغز او مصلح القوم بزرگوں کے حسن سعی سے یورپ کا
مذہبی جوش وخروش جس درجہ پر آج انیسویں صدی میں دکھلائی دیتا ہے قرن وسطی
میں نہ تھا۔ اسوقت یورپ کی مذہبی عنان حکومت کیتھلک پیشوایان روم کے
مقدس ہاتھوں میں تھی جو ذرا اشارہ پر تمام یورپ کو جہاد کی طرف ہانک دیتے تھے
پس کپتان عروج اسی زمانہ کا ہیرو تھا جبکہ خود اہل یورپ فساد فی الارض کے ازحد
مشاق تھے۔ اور نہ صرف اپنے ہمجنسوں کے حقوق ہی غضب کرتے تھے بلکہ ابنائے
جنس کے خون کو دریائے ڈینیوب اور گواڈ لکیویر کے پانی کے برابر بھی قیمتی نہ سمجھتے
تھے۔ اسپین کے ایک نیشنل ہیرو کی نسبت لین پول نے ایک مقدمہ لکھا ہے جسکو
ہم بجنسہ اس غرض سے نقل کرتے ہیں کہ ناظرین کو ہمارے ہیرو کی نسبت صحیح رائے
قایم کرنے میں آسانی ہو۔ وہو ہذا:۔

"اگر ہیروازم (ناموارنہ بہادری) کو مذہبی اور روحانی صفات کے دائرہ میں محدود
کریں اور ہیرو (ناموار) سے ہمیشہ صبر و تحمل۔ رحم و انصاف کی توقع رکھیں تو ایک
سڈ کیا ہمکو بڑے بڑے رفقائے دیرینہ کو الوداع کہنا پڑیگا۔ پھر تو یہ کہئے کہ ہومر اقعی

۱؎ یہ شخص بھی کچھ کم بے اصول شجاع نہ تھا۔ اندلس باب ۱۱۔ ہومر نے کتاب الیڈ میں شہر ٹرائے
کے حالات محاصرہ رزمیہ نظم کے انداز پر لکھے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فتحمند اشیلیز نے
ہکٹر اپنے مغلوب دشمن کی لاش کو بے گور و کفن پیروں میں رسی باندھکر شہر ٹرائے کی فصیل کے
گرد چقار تا کھینچا۔

اسپین کے ایک قومی نامور شجاع کی تمثیل

ہومر (اندھا) ہی تھا کہ بجائے کسی کریم النفس اور رحمدل بزرگ کے اشیلیز جیسے قسی القلب اور ناخداترس کو ہیرو گردان بیٹھا جسنے ہکٹر کی لاش کو نہایت بیرحمی سے شہر ٹراے کے گرد کھینچا۔ مگر باایں ہمہ اشیلیز تاریخی دنیا میں نہایت مشہور ہیرو ہے اور ایلیڈ کی توجان ہے۔ قدیم زمانہ کے نامور بہادروں میں فیصدی نوّے ایسے تھے کہ اُنسے بیشمار وہ وہ افعال ناشائستہ سرزد ہوئے ہیں کہ اگر اس تہذیب و شائستگی کے زمانہ میں ہوتے تو نہ صرف ظالم و بیرحم کہلاتے بلکہ سخت خونخوار اور وحشی درندے سمجھے جاتے۔ پس مورّخوں کی یہ بڑی کج فہمی اور کور عقلی ہے کہ زمانۂ حال کے مجموعۂ قوانین اخلاق کی پابندی ہزار سالہ مردوں سے کراتے ہیں جنھوں نے حالت تاریکی میں آنکھ کھولی اور اُسی میں بند کرلی۔ ماناکہ وہ نقص سے مبرّا نہ تھے۔ وہ طلاے خالص نہ تھے۔ اچھا تو وہ سیم دغل سہی۔ پھر بھی تو یہ ممکن ہے کہ ہم اُنکی نامورانہ بہادریاں۔ اُنکے یادگار زمانہ کارنامے پڑھکر مسرورالوقت ہوں اور خیال کریں کہ وہ اپنی خون آشام تلواریں گھماتے ہوئے کس طرح دشمن کی طرف لپکتے تھے۔ اُنکا حملہ کیسا سخت اور صف شکن ہوتا تھا۔ اُنکے بلند اور موزون قد۔ اُنکی شعلہ فشاں آنکھیں حملہ کے وقت کیسی پیاری معلوم ہوتی تھیں۔ غرضکہ اُن میں بیشمار ایسی صفات تھیں کہ اگر ہم چاہیں تو اُنسے ہر طرح محظوظ ہو سکتے ہیں۔ یہ سمجھنا خطا ہے کہ وہ فلاسفر یا معلم الاخلاق تھے حُسن معاشرت یا طرز تمدّن کے موجد و مصلح تھے۔ وہ اِنمیں سے کچھ بھی نہ تھے۔ بلکہ وہ تو صرف نامور بہادر۔ تیغ آزما۔ دلیر میدان تھے۔ یا دلیروں کے سردار تھے۔ اور بس "۔

اگر یہ منصفانہ فیصلہ صرف یورپین ناموروں کے لئے مختص نہیں۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ عروج یا خیرالدین کو اس سے مستثنیٰ کیا جائے۔

دلیر۔ جانباز۔ شجاع۔ اقبالمند کپتان عروج کے انتقال پر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ عالیشان ایوان حکومت جو اُسنے چودہ برس کی جانفشانی اور عرقریزی سے بلند کیا تھا اسکے ساتھ یکایک تہ خاک ہو جائیگا۔ اور ضرور ایسا ہی ہوتا۔ اگر سپین کی فوج اندرونی مقامات کی طرف ایک ایلغار اور کرتی۔ مگر مارکوئیس کمیرِاس نے اس فوری کامیابی پر نازاں ہوکر خود مظفر و منصور اوران کو عود کیا اور بیڑے کو واپس سپین کر دیا۔ اِس ذراسی غفلت نے الجزائر کے ایوانِ حکومت کی بنیاد میں گویا تین سو برس کی ہتواری کوٹ کوٹ کر بھر دی۔ اہل الجزائر بہت جلد تلافی مافات کرکے پھر اُسی انتقام پر اُتر آئے اور سلسلۂ فتوح پھر شروع کر دیا۔

خیرالدین باربروسہ کا جلوس

عروج نے اگرچہ کوئی فرزند نہیں چھوڑا مگر جانشین ایک ایسے شخص کو چھوڑا جسپر الجزائر کو ہمیشہ نازر ہیگا۔ یعنی اُسکا چھوٹا بھائی خیرالدین باربروسہ بڑے بھائی میں رزمیہ صفات فی الحقیقت نہایت اعلیٰ درجہ کی تھیں مگر انمیں تہوّر کا اثر پایا جاتا تھا خیرالدین بھی دلیری اور شجاعت میں کچھ کم نہ تھا بلکہ سلیقۂ ملکداری اور عام صفات حاکمانہ میں اُس سے بڑھا ہوا تھا۔ مزیدبریں وہ اِسقدر دانشمند اور عاقبت اندیش تھا کہ ہر معاملہ کی مضرتوں کو بیش از وقت دریافت کرکے چارہ کار کر لیتا تھا۔ اور کبھی کسی ایسی مہم میں

خیرالدین کی پالیسی

نہ پھنستا جسمیں کامیابی مخدوش و مشتبہ ہوتی۔ مگر ساتھ ہی اگر طریقۂ کامیابی کو خدشات سے

خالی دیکھتا تو سب سے زیادہ بڑھکر قدم مارتا۔ سنہ ۱۵۱۹ء میں زمام حکومت ہاتھ میں لیتے ہی

اُس نے فوراً ایک قاصد مع تحائف گرانبہا قسطنطنیہ بھیجکر سلطان کی عظمت اور اپنی عبودیت

کا اظہار کیا۔ اور مراسلہ میں لکھا کہ صوبہ الجزائر جو کمترین بندگان بابعالی نے مضافات

عثمانی میں داخل کرنے کی غرض سے فتح کیا ہے سلطانی ظل حمایت کا ہر طرح مستحق ہے

سلطان سلیم اسوقت شام و مصر کی فتح والحاق سے فارغ ہی ہوا تھا کہ یہ سفارت پہنچی۔

بلحاظ پولیٹکل مصالح امور گورنمنٹ ٹرکی کا سب سے پہلا فرض تھا کہ نو مفتوحہ رعایا سے

سلطان سلیم کی پالیسی

مصر کو ایک گونہ محفوظ و مامون رکھنے کی غرض سے عاملان ٹیونس والجزائر کے ساتھ دوستانہ

تعلقات پیدا کرے۔ کیونکہ اِن ریاستوں کو مصر سے قریباً وہی تعلق ہے جو کابل کو ہندوستان

سے ہے۔ ہمارے اکثر ناظرین واقف ہوں گے کہ انڈین برٹش گورنمنٹ نے صرف رعایائے ہند

ایک مثال

کی بہبودی کے لئے اِس خیال کا یہانتک اتباع کیا کہ جنرل گکناری جیسے دلاوروں کو نثار

کر ڈالنے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ اور اب تک بھی اُمرائے کابل کی شہ خرچیوں اور آئے دن کے

سرحدی کمیشنوں کے مصارف کا بار جو دیوالیہ ہندوستان کے خزانہ پر ڈالا جاتا ہے۔ وہ

بھی اسی خیال کا اتباع ہے۔ لیکن یہ سلیم کی خوش طالعی اور اقبالمندی تھی کہ خیر الدین خود

مستدعی ہوا۔ پس اگر وہ اِس مراسلہ پر لحاظ نکرتا تو بابعالی کی پولیٹکل فراست اور فارن پالیسی

پر بہت بڑا دھبہ تھا۔ چنانچہ مراسلہ کے جواب میں سلطان نے بہت کچھ اظہار خوشنودی

سلیم کا جواب

کیا۔ اور خیر الدین کو صوبہ مذکورہ کا گورنر مقرر کرکے معمولی نشانات گورنری یعنی مُہر۔ تلوار۔

۱؎ ۲۴ - اگست سنہ ۱۵۱۶ء کو اُس میدان میں جہاں حضرت داؤد علیہ السلام کی قبر بتلائی جاتی ہے کانسو غازی پاشائے مصر کو شکست اور موت نصیب ہوئی۔ ایڈورڈ کریسی باب ۹ -

اسپ۔ اور نشان دُم اسپ عطا فرمائے۔ اور دو ہزار جاں نثاریوں کی ایک مختصر فوج بھی بطور کمک بھیجی۔ نیز باشندگان قسطنطنیہ و اطراف و جوانب کو الجزائر میں نقل مکان کرنیکے لئے بہت کچھ ترغیب[1] دلائی۔

خیرالدین جب بنیاد حکومت کو اس طرح مستحکم کر چکا تو خاص بربر کی ہمسر طاقتوں کی طرف متوجہ ہوا۔ چنانچہ جسقدر عربی قبائل قرب و جوار کی ریاستوں میں حکمران تھے اول اُن سے رشتہ مودت قائم کیا۔ پھر تمام قلعہ جات محروسہ واقع ساحل یعنی ملیانہ۔ شرشل۔ طینیس۔ مستغنم وغیرہ کی فوجی قوت کو بڑھایا۔ اور جب خوب اچھی طرح قلعہ بندی کر چکا تو اسپین کے مضافات واقع ساحل بربر کی طرف بڑھا۔ کیونکہ سال گذشتہ کا معرکہ جس میں اُسکا دلیر و شجاع بھائی اُس سے بیوقت چھین لیا گیا تھا۔ ابھی فراموش نہوا تھا۔ ایلغار کی خبر سُنکر گورنمنٹ اسپین نے خود پیشقدمی کی۔ اور ایک بڑا بھاری بیڑا جس میں پچاس جنگی۔ دس خاص شاہی۔ اور کتنے ہی باربرداری کے جہاز۔ اور کئی ہزار چیدہ جوان تھے بسرداری امیر البحر ڈن ہوگو ڈی مونکیڈا روانہ کیا۔ مگر خیرالدین کی کاروانی اور شجاعت کے ایک پیش نہ گئی۔ اور تمام بیڑا سخت نقصان کے بعد منہزم اور غرقاب ہوا۔

استحکام سلطنت

گورنمنٹ اسپین کا حملہ اور شکست

یہ نمایاں فتح گویا تمام کامیابیوں کی کلید تھی۔ کیونکہ اسکے بعد باربروسہ کا ستارہ اقبال یوماً فیوماً بلند ہوتا گیا کول۔ بونا۔ قسطنطین۔ پر اُسکا نشان دُم اسپ لہراتا تھا۔ ساحل الجزائر پر اُسیکا قبضہ تھا۔ اکثر سال میں دو مرتبہ وہ اپنے اٹھارہ جہازوں کے خاص بیڑے کی کمان

[1] یہی ایک واقعہ ہے جسکی بنا پر مورخین یورپ کی رائے ہے کہ ترکوں نے بربری غارتگروں کو ہر طرح کی جرأت دلائی۔ ۱۲

لیکر سواحل اسپین پر ایلغار کرتا اور اندلسیوں کو چھڑا کر لاتا۔ ملک بربر کے بڑے بڑے
نامی دلیر اسکی شجاعت کا شہرہ سنکر ہر طرف سے جمع ہو گئے تھے جنمیں سے بعض کو فی الحقیقت
تاریخانہ شہرت حاصل ہے۔ مثلاً طرغد رئیس۔ صالح رئیس۔ صنعان رئیس۔ ایدالدین رئیس۔ یہ لوگ
بیشتر علیحدہ علیحدہ اور کبھی باہم ملکر بحیرۂ روم کا دورہ کرتے تھے۔ دورہ اکثر مئی سے شروع
ہوکر ستمبر کے ساتھ ختم ہو جاتا تھا۔ کیونکہ خزاں کے طوفان خیز موسم میں بحیرۂ روم جہازوں کے
لئے سخت خطرناک تھا۔ اس قلیل عرصہ میں خیرالدین کے افسر مغربی بحیرۂ روم کے ہر حصہ
میں دکھلائی دیتے تھے۔ جزائر بلیرک نیز ساحل اسپین کے ہر قصبہ سے سالانہ ٹکس
(مال و بندی) وصول کرتے تھے۔ بلکہ آبنائے جبرالٹر سے گزر کر بندرگاہ قادس (کیڈز) تک
کی خبر لاتے تھے۔ کوئی چیز انکے حملہ سے محفوظ نہ تھی۔ نہ تاجروں کے جہاز تاب مقابلہ رکھتے
تھے۔ نہ اسپین کے جنگی بیڑے۔ شاہ چارلس کے بڑے بڑے نامی جرنیل اور کرنیل۔ نبرد
آزما و مبارز۔ جب کبھی بغرض اظہار عبودیت یا استخارہ قدسی نفس پوپ کی خدمت میں
اٹلی کو جاتے تھے تو بحیرۂ روم پر پھونک پھونک کر قدم رکھتے تھے۔ جہاز لرزتا تھا۔ بادبان
تھرّاتے تھے۔ بسطول کانپتا تھا۔ اور سمندر کا نیلگوں پانی اپنی ہیبت ناک تموجی
آواز سے خیرالدین! خیرالدین! کا الارم دیتا تھا۔ یہی وہ جہاں آشوب زمانہ تھا جس کو
سر آرایل بیفر نے "سکرج اوکرسٹنڈم" (مسیحی دنیا پر عذاب الیم) کے نام سے

سلہ اسوقت اسپین امریکہ کی تجارت سے متمتع ہو رہا تھا۔ اور تجارتی جہازات جو نئی دنیا کی دولت سے مالا مال واپس اسپین ہوتے تھے وہ اکثر بندرگاہ کیڈز پر اترتے تھے۔ سلہ عربوں کی غلامی سے آزاد ہو کر اہل اسپین نے جب قومی زندگی از سر نو شروع کی تو ان پر مذہبی رنگ زیادہ ابھر آیا تھا۔ کوئی کام اسقف اعظم کے استمزاج بدون نہ کرتے تھے۔

موسوم کیا ہے۔ یہی وہ خوفناک دَور تھا جسنے اقوام یورپ کو تین سو برس سے زیادہ عرصہ تک کنوئیں جھنکاسے۔ لیکن پہلے فرصاحب ہمکو ذرا بتلائیں تو سہی کہ "خود کردہ را درماں چیست" یورپ نے خود بھڑک اُٹھنے والی چیزوں کا انبار لگایا اور اسپین نے دیا سلائی دکھلائی۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خاندان باربروسہ کی روزافزوں ترقی سے ڈر کر گورنمنٹ اسپین نے ازراہ عاقبت اندیشی کچھ عرصہ سے مسلمانان اُندلس کی جلاوطنی مسدود کردی تھی اور دوراندیشی بھی کچھ بیجا نہ تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ لوگ گھر کے بھیدی تھے۔ اور جب جلاوطن ہوکر افریقہ پہنچتے تو بڑی آنزو آرزو سے باربروسہ کے ظل حمایت میں آکر اُسکو سواحل اسپین کے ہر نشیب و فراز سے آگاہ کرنے میں انتقاماً مدد دیتے تھے۔ اسپین میں نظر بند رکھنے کی صورت میں کم ازکم یہ تو تھا کہ یہ سالانہ آفتیں سخت سے سخت تر تو نہوتی تھیں۔ اوائل ۱۵۲۹ء میں خیرالدین کو اطلاع ملی کہ مسلمانان اُندلس کے کئی سو قبائل القنطرہ دالکنت (بلنسیہ (ویلنشیا) وغیرہ مقامات میں جو اسپین کے مشرقی سواحل پر جزائر منورکہ مجورکہ فرنسطرہ کے بالمقابل واقع ہیں سخت مصیبت میں گرفتار اور کسی بیرونی مدد کے منتظر ہیں اواخر مئی میں اُسنے چودہ جہازوں کا ایک بیڑا بسرداری ایدالدین رئیس اور صالح رئیس اُن کو چھڑانیکے لئے روانہ کیا۔ اُنھوں نے اول مجورکہ کو تاخت و تاراج کیا۔ اور یہاں سے یورپین کشتیوں کا شکار کھیلتے قریب شب اسپین کی بندرگاہ اولیوا (علویہ) پر لنگرانداز ہوئے بموجب قرارداد سابقہ۔ اُندلسی قبائل یہاں پہلے سے منتظر تھے۔ ایدالدین نے جھٹ پٹ قریباً دوسو خاندان سوار کراکر اور فوراً لنگر اُٹھا کر جزائر بلیرک کا رُخ کیا۔ اُدھر اسپین کا امیر البحر

ایدالدین رئیس کا حملہ

علویہ کا معرکہ

جنرل پورٹنڈو اور ایدالدین کا مقابلہ

جنرل پورٹنڈو چارلس پنجم شاہ اسپین کو جنیوا پہنچانے گیا تھا تاکہ تقدس مآب پوپ صاحب اپنے ہاتھ سے رسم تاج پوشی ادا فرمائیں۔ واپس ہوتے ہوئے ساحل کے قریب پہنچ کر جب اُسکو اِس واقعہ کی اطلاع ملی تو فوراً تعاقب میں چلا۔ جزائر بلیرک (دبلیار) پر قریباً پانسو قدم کے فاصلہ سے دونوں کا مقابلہ ہوا۔ ایدالدین بھی کوئی معمولی نبرد آزما نہ تھا۔ اُندلسیوں کو پاس کی ایک چھوٹے سے ٹاپو میں اتار کر مقابلہ کے لئے تیار ہوگیا۔ جنرل پورٹنڈو اس واقعہ سے بیخبر، ابھی اِس ششؔ و پنج میں تھا کہ بربری بیڑے پر کس طرف سے حملہ کرے جو ایک جانب سے صالح رئیس اور دوسری جانب سے ایدالدین نے ایک ساتھ حملے کر دیے۔ شجاعانِ اسپین نے جنہیں چارلس کے خاص چیدہ جوانان باڈی گارڈ بھی تھے خوب دادِ مردانگی دی۔ مگر بربری دلاوروں کا لوہا ماننا پڑا۔ جنرل پورٹنڈو اس معرکہ میں کام آیا۔ سات کوہ پیکر جہاز جنہیں گورنمنٹ اسپین کا

اندلس کے مسلمانوں کی ازادی

(کپی ٹانہ) علمبردار جہاز بھی تھا۔ ایدالدین کے ہاتھ آئے۔ اور باقی شکستہ و ریختہ ہو کر جزیرہ ایویکا کے کنارہ جا لگے۔ اِس معرکہ میں جلاوطن اُندلسیوں کے علاوہ سیکنوں حلقہ بگوش مسلمان خلاصی جنکو اسپین کے جہازوں پر بلیاں چلاتے چلاتے عمر گزر گئی تھی۔ اِس لڑائی میں نہ صرف آزاد بلکہ خیرالدین کی بدولت مرفہ الحال ہو گئے۔

امیرالبحر ڈوریا کا حملہ اور ہزیمت

تیسرے برس یعنی ۱۵۳۱ء میں اہل اسپین نے امیرالبحر ڈوریا کے ماتحت پھر یورش کی۔ اور خیرالدین کے پہنچنے تک قلعہ شرشیل کو حملہ سے فتح کر کے چند مسیحی قیدیوں

سلہ یورپین مورخ وجہ تذبذب یہ لکھتے ہیں کہ جنرل پورٹنڈو ڈرتا تھا کہ مبادا جنگ میں اندلسیوں کو جہازوں پر سے نقصان پہنچے یعنی وہ بھی مقتول ہو جائیں اور اُسکے پاس علامت فتح باقی نہ رہے جسکا یہ نتیجہ ہوتا کہ سر چارلس سے اُسکو جو کچھ انعام کی امید تھی وہ منقطع ہو جاتی۔ تاادنعام دس ہزار ڈوکیٹ بتلائی جاتی ہے۔ لین پول صفحہ ۵۷ و ۵۸۔ عجیب تاویل ہے!

کو رہا کر دیا۔ اس فوری کامیابی پر نازاں ہوکر اسپین کے فتحمند سپاہی شہر کے کوچہ و بازار میں پھیلکر تاخت و تاراج کرنے لگے۔ خیرالدین کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو اپنے خاص بیڑے کی کمان لیکر ایک جھلّائے ہوئے شیر کی طرح قلعہ کی حفاظت کے لئے لپکا۔ اور جب بندرگاہ کے قریب پہنچا تو ڈوریا نے بجائے اس کے کہ آگے بڑھکر مردانہ وار مقابلہ کرتا۔ کمال دوں ہمتی سے لنگر اُٹھا کر اسپین کا رُخ کیا۔ اور قریبًا دو ہزار رفیقوں کو عمدًا موت کے منہ میں چھوڑ گیا۔ انہیں ایک ہزار سے زیادہ تو قتل ہوئے اور باقی غلام بن کر بچے[1]۔ اگلے سال (سنہ ۱۵۳۲ء) خیرالدین قلعہ پی نن کیطرف متوجہ ہوا۔ عروج نے اپنے زمانہ میں (سنہ ۱۵۱۷ء) اگرچہ اس قلعہ پر حملہ کرکے نمایاں کامیابی حاصل کی تھی۔ مگر قبضہ نہ کر سکا تھا چنانچہ مسیحی چھاونی بدستور سابق قائم تھی۔ اور بندرگاہ الجزائر میں آنے جانے والوں کے لئے سخت مزاحمت کرتی تھی۔ عروج۔ خیرالدین یا اُن کے رفقاء اکثر قلعہ سے ایک میل جانب غرب لنگر انداز ہوتے اور پھر یہاں سے کشتیوں کو کشاں کشاں ساحل تک لاتے۔ اسیطرح تجارتی جہاز بھی کچھ فاصلہ پر جانب شرق لنگر انداز ہوتے۔ اور اس وجہ سے اکثر موسمی آفات سے سخت نقصان اُٹھاتے۔ خلاصہ یہ کہ الجزائر کو ایک خاص اور محفوظ بندرگاہ کی اشد ضرورت تھی یہ دُھن باندھکر خیرالدین نے ڈن مارٹن ڈی ورگاس کو جو کمانڈنمنٹ آفیسر تھا بطور اتمام حجت کہلا بھیجا کہ قلعہ خالی اور سپرد کر دیجئے۔ اور جب اُسنے گستاخانہ جواب دیا تو محاصرہ کی کارروائی شروع کر دی۔ چودہ روز کی سخت اور مسلسل گولہ باری کے بعد قلعہ کی لوہا لاٹ فصیلیں

---

[1] عروج کو اپنی زندگی کے اخیر معرکہ میں جب ایسا اتفاق ہوا تو وہ دریا کے اُس کنارہ پر صحیح سلامت پہنچکر پھر اپنے رفیقوں کی مدد کے لئے پلٹا اور اُنہیں کے ساتھ دشمن سے لڑکر قتل ہو گیا لین پول صفحہ ۱۱ و مارگن صفحہ ۲۲۵۔

پاش پاش ہوگئیں۔ اور پندرھویں روز صرف ایک ہلہ سے مقام مذکور فتح ہوگیا۔ خیرالدین نے تمام عمارات مع فصیل و برُوج منہدم کرکے صاف میدان کر دیا[1]۔ اس واقعہ کے بعد ایک عجیب حیرت انگیز اور نصیحت خیز واقعہ پیش آیا۔ یعنے ابتدائے محاصرہ میں قلعہ والوں نے اپنی کمی اور کمزوری دیکھکر گورنمنٹ سے کمک طلب کی۔ چنانچہ فتح اور انہدام قلعہ سے تیسرے چوتھے روز نو جہازوں کا ایک بیڑا جسمیں علاوہ فوجی قوت کے کافی سامان آذوقہ بھی تھا۔ سامنے سے آتا دکھائی دیا۔ قریب پہنچکر کپتان جہاز نے قلعہ پی نن کو ہرچند ادھر اُدھر تلاش کیا۔ مگر کہیں پتہ و نشان نہ ملا۔ اسکو راستہ بھولنے کا شبہ ہوا۔ مگر بندرگاہ الجزائر سامنے صاف دکھائی دیتا تھا۔ وہ اسی حیرت و استعجاب میں تھا کہ خیرالدین کے سپاہیوں نے سبکرفتار شیبکوں[2] میں سوار ہوکر دفعتہً بیڑے کو آگھیرا۔ ایک خفیف سی کشمکش کے بعد اہل اسپین مغلوب ہوگئے۔ تمام جہازات مع سامان حرب و آذوقہ اور سات ہزار بندی فتحمندوں کے ہاتھ آئے۔

ایک حیرت انگیز واقعہ

اسوقت خیرالدین کا ستارۂ اقبال غایت اوج پر تھا۔ یورپ یا افریقہ کا کوئی نامور شجاع اُسکی ہمسری کا دم نہ بھر سکتا تھا۔ جس کام پر وہ ہاتھ ڈالتا تھا کامیابی ساعدت کرتی تھی۔ اور جسطرف قدم اُٹھاتا تھا فتح و نصرت استقبال کرتے تھے۔ اُسکا خاص بیڑا یومًا فیومًا ترقی کرتا جاتا تھا۔ چنانچہ سنہ ۱۵۳۳ء تک اُسمیں چھیاسٹھ جنگی جہاز شامل تھے۔ ان کی مدد سے وہ ہر سال موسم گرما میں سواحل اسپین اور جزائر قرب و جوار پر دھاوے کرتا تھا

[1] ایک یورپین مورخ ہمکو بتلاتا ہے کہ الجزائر کی مغربی سمت اب تک اسی قلعہ پی نن کے لوازم مصالحات سے تیار ہوئی جسپر اہل اسپین غلام بنکر دو برس تک ٹوکریاں ڈھوتے رہے۔ لین پول صفحہ ۵۹۔ [2] شیبک ایک قسم کی نہایت مختصر اور ہلکی کشتی۔ ڈونگا۔

اور سیکنوں سلمانوں کو چھڑا کر لاتا تھا۔ چنانچہ ستر ہزار اُندلسی اُسنے خاص اپنی قوتِ بازو سے چھڑائے۔ یہ لوگ اپنے محسن کی رفاقت پر طبعًا مجبور تھے۔ افریقہ کے وہ سنسان اور بنجر میدان جنکو دیکھکر وحشت ہوتی تھی۔ جفاکش اور ہنرمند اُندلسیوں کی نظرِ توجہ سے گل و گلزار ہوگئے۔ اگرچہ اسپین نے اُن کی قدر نہ کی۔ مگر الجزائر کی بندرگاہیں۔ گودام۔ کارخانجات انہی جلاوطنوں کی بدولت ہر وقت پُر رونق دکھائی دیتے تھے۔ سدِ آب۔ جہازوں کے اسٹیشن۔ اور دیگر لوازم انہی بدنصیبوں کی تجویز و نگرانی سے تیار ہوتے تھے۔ غرضکہ اِس نامور شخص کے مبارک ظلِ حمایت میں تمام صوبہ پر ایک عجیب عالمِ مصروفیت طاری تھا۔

خیرالدین کا ستارۂ اقبال

خیرالدین کی یہ بڑی دانشمندی تھی کہ اپنی خدمات کو بابعالی سے وابستہ کرانے کے بعد سے آجتک ہر نیک و بد امر کی باقاعدہ رپورٹیں قسطنطنیہ بھیجتا رہا۔ اور یورپ کے اُن اقوام یا ممالک (مثلاً فرانس) پر ترکتازیاں کرنے سے دستکش رہا جو حلیفائے ٹرکی میں داخل تھے۔ اِس دانشمندانہ تدبیر کا سب سے ضروری اور کارآمد نتیجہ یہ ہوا کہ بابعالی سے تجدیدِ تعلقات ہوتا رہا۔ چنانچہ جس وقت وہ ۱۵۳۳ء میں الجزائر کی سوشل اصلاح و ترقی میں مصروف تھا تو بابعالی کی طرف سے دفعتًہ ایک مراسلہ پہنچا جس میں باریابِ ملازمت ہونیکی ہدایت تھی۔

بابعالی کا مراسلہ

قسطنطنیہ کی زمامِ سلطنت اِسوقت سلیمان صاحبقران کے ہاتھ میں تھی جو ہمسایہ یورپین طاقتوں اور اکثر جزائر قرب و جوار کی جنگجو قوموں کی سرکوبی میں مصروف رہتا تھا۔ نیز وینس اور جنیوا کی قدیم جمہوری ریاستیں گو سلیم ہی کے عہد میں زیر ہوچکی تھیں۔ مگر پھر بھی اکثر کسی نہ کسی قوت کو پشت پر لیکر سرتابی کر بیٹھتی تھیں۔ اِس کے ساتھ ہی یورپ کا

مشہور امیر البحر جنرل ڈوریا جو بحری غارتگری میں بربری قزاقوں سے بھی زیادہ مشاق تھا مضافات قسطنطنیہ پر اکثر ترکتازیاں کرتا رہتا تھا۔ اِن وجوہ سے صاحبقران کو ایک کار آزما اور مدبر جرنیل کی ضرورت تھی۔ چونکہ ۳۳ ۹۴۱ھ سے خیر الدین پاشا کی خدمات الجزائر سے باب عالی میں منتقل ہوگئیں۔ اسلئے اُس کے ساتھ ہمکو اور ہمارے ناظرین کو کچھ عرصہ کیلئے اُن ممالک کی سیر کرنا پڑے گی۔ اسکو ہمارے ہیرو کی زندگی کا دوسرا اور آخری حصہ سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ پھر اُسکو الجزائر واپس آنا نصیب نہوا۔ مگر اس آخری حصہ زندگی کے حالات بیان کرنیسے پیشتر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ترکوں کی بحری قوت اور فارن پالیسی (خارجی تعلقات) مختصراً ہدیہ ناظرین کئے جائیں تاکہ خیر الدین کے حُسن خدمات اور کارنامجات زیادہ نمایاں ہوں۔

چوتھا باب

ترکوں کا بحری اقتدار اور خارجی تعلقات

اُن اولو العزم قوموں میں جنھوں نے مشرق و مغرب کو رشتہ تجارت سے وصل کیا ہے اہل وینس اور جنیوا سب سے زیادہ سرگرم خیال کیجاتی ہیں۔ اسیطرح یورپ کے قرن وسطیٰ میں اُن کا علم جہازرانی بھی سب سے زیادہ بلند تھا۔ اور جنوبی یورپ کے اکثر بحروں کی حکومت اُنھی کے ہاتھ میں تھی قریب قریب تمام مسیحی قوموں نے جہازرانی اور فن تجارت انھی سے سیکھے وینس کو فی الجملہ مگر جنیوا کو بالخصوص بابعالی کے ساتھ ہمیشہ عقیدتمندانہ تعلقات رہتے تھے۔ اور ابتدائی زمانہ میں جبکہ یورپ کی اکثر قومیں عثمانی جلال و جبروت کی روز افزوں ترقی سے حسد کر کے ترکی حدود پر جا دا چڑھ آتی تھیں تو سلاطین عثمانیہ مع حشم و خدم مقابلہ کے لئے جنیوا کے جہازوں میں ایشیا سے یورپ آتے تھے۔ چنانچہ آرخاں کے عہد میں (۱۳۵۶ء) جب شہزادہ سلیمان نے معاون بنکر ایک مرتبہ یونان پر حملہ کیا تو سپاہ سمیت جنیوا کے جہازوں میں آبنائے ڈارڈنیلز[1] کو عبور کیا تھا۔ ۱۳۶۹ء میں لازرس شاہ سرویا اور اُسکے معاونین کے حاسدانہ حملوں کو روکنے کی غرض سے جب مراد اور شاہزادہ بایزید کو یورپ میں آنے کی ضرورت ہوئی تو جنیوا کے جہاز کام آئے تھے۔ ۱۴۴۴ء

[1] آبنائے ڈارڈنیلز یا ہیلسپانٹ۔ وہ تنگ قطعہ آب جو ایشیائی اور فرنگی روم کو جدا کرتا ہے۔ زرکسیز شاہ فارس نے اسی آبنائے سے عبور کر کے یونان پر چڑھائی کی تھی۔

ہیں پھر ایک ایسے ہی حملے کے روک تھام کی ضرورت ہوئی۔ یعنے ہنگری۔ بوسنیا۔ سرویا۔ وینس۔ البانیا۔ ملیشیا۔ اور کریمیا کی متحد فوجیں ہنسیاڈی شاہ ہنگری اور لیڈسلاز شاہ تھونیا کے ماتحت عہدنامہ حلفی[۱۰] کے سراسر خلاف ترکی حدود پر آن واحد چڑھ آئیں تو سلطان وقت مراد دوم اپنی تمام فوج کو فی نفر ایک ڈوکیٹ دیکر جنیوا کے جہازوں میں ایشیا سے یورپ میں لایا تھا۔ اور جب سلطان نے اپنے جعلی حریف مصطفٰی[۱۱] کو قلعہ گیلی پولی میں محصور و مقید کیا تھا تو وہ ایڈورڈ نامی ایک شخص باشندہ جنیوا ہی تھا جسنے نہایت قابل قدر مدد دی تھی۔ البتہ سلطان محمد ثانی کے عہد میں محاصرہ قسطنطنیہ کے موقع پر اہل جنیوا نے قومی اور مذہبی پاسداری کی اور قسطنطین شاہ یونان کو مدد دینا مصلحت سمجھا۔ اُسوقت سے بابعالی اور اِس جمہوری ریاست میں مخالفت ہوگئی چنانچہ فتح قسطنطنیہ (واقعی سنہ ۱۴۵۳ء) کے بعد محمد ثانی کو جنیوا کی سرکوبی کا خیال پیدا ہوا۔ آخر سنہ ۱۴۷۵ء میں اُسکو ایک عمدہ موقع ہاتھ آیا۔ یعنے کریمیا کے خوانین میں عرصہ سے خانہ جنگیاں چلی آتی تھیں ایک خان ایک طرف تھا۔ اور باقی دوسری طرف۔ جنیوا نے جو کریمیا کے سب سے زیادہ مشہور و مستحکم شہر یافا پر قابض تھی۔ فریق ثانی کی مدد کی۔ فریق اول نے بابعالی سے استمداد کی۔ سلطان نے فوراً ایک جری فوج بسرداری کپتان احمد بھیجکر تمام صوبہ کو مع شہر یافا فتح

بابعالی اور جنیوا کے تعلقات

[۱۰] جب دونوں فوجیں میدان جنگ میں صف آرا ہوئیں تو ترکوں نے اِس عہدنامہ کو ایک علم پر لٹکا کر سب سے آگے رکھا کہ شاید ان لوگوں کو اپنے عہد و پیمان یاد آئیں مگر جب کسی نے اسکا خیال نہ کیا تو میدان کارزار گرم ہوا جس میں لیڈسلاز کام آیا۔ اور ترکوں نے جھٹ پٹ اسکا سر تن سے جدا کر کے علم کے دوسری طرف لٹکا دیا۔ یہ دیکھکر افواج متحدہ میدان سے بھاگ نکلیں۔ "ٹرکی مؤلفہ لین پول صفحہ ۹۰ و ۹۱

[۱۱] اِس شہزادہ نے اپنے آپ کو مصطفٰی مشہور کر کے تاج و تخت کا دعوی کیا تھا

کرلیا۔ اور جینوا کے پانسو جوان گرفتار کرکے ینگ چری فوج میں داخل کرلئے اسطرح مجمع الجزائر میں نیز سواحل یونان پر جو اُن کے مقبوضات تھے سنہ ۱۴۶۲ء میں یکے بعد دیگرے فتح کرلئے تھے۔ مثلاً لزبس۔ لمنس۔ سقلونیہ۔ جزیرہ ایوبیہ۔ لقربند (نگروپانٹ) وغیرہ۔

وینس اور بابعالی کے تعلقات

اہل وینس ابتدا سے ترکوں کے مخالف تھے۔ چنانچہ آرخاں کے زمانہ میں ہمیشہ عثمانی علاقہ جات کو تاخت وتاراج کرتے رہتے تھے۔ آخرکار مراد اول کے عہد میں انھوں نے خود صلح کی التجا کی۔ اور فریقین میں ایک عہدنامہ لکھا گیا جس کی تجدید محمد اول کے عہد میں ہوئی لیکن عہد شکنی اور دروغ حلفی اُس زمانہ میں یورپ کا عام شعار تھا۔ باوجود معاہدہ اُن جزیروں کے عاملوں نے جو زیر حکومت وینس بحیرہ ایجین میں واقع تھے۔ اور اب مجمع الجزائر یونان میں شامل ہیں رعایائے بابعالی پر متواتر حملے کئے۔ اُن کی گوشمالی کے لئے سلطان محمد ثانی نے ایک مختصر سا بیڑا تیار کیا۔ مگر فریقین میں صلح ہوگئی۔ یہ ترکوں کی جہازرانی کی ابتدا ہے مراد ثانی کے عہد میں اہل وینس نے پھر عہد شکنی کی۔ اور چند ترکی جہاز لوٹ لئے۔ سلطان نے برہم ہوکر سنہ ۱۴۳۰ء میں شہر تھسلونیا اُنسے انتزاع کیا۔ وینس کا تنزل اسوقت سے شروع ہوگیا۔

وینس اور جنیوا کے باہمی تعلقات

بابعالی سے مخالفت رکھنے کے علاوہ وینس اور جنیوا آپس میں بھی تیغ و سپر رہتی تھیں۔ بحری اقتدار اور اُسکے ساتھ تجارتی امتیاز۔ امر متنازعہ فیہ تھا۔ ریاست وینس بحیرہ ایجین کی مالک تھی۔ اور مجمع الجزائر یونان کے عمدہ اور مشہور مقامات نیز اکثر جزیروں اور شہروں پر قابض تھی۔ جنیوا کی حکومت بحیرہ اسود اور بحیرہ مارمورا میں تھی چنانچہ ترکوں کے آنیسے قبل شہر غلطہ (گولیٹا) رونق اور خوبصورتی میں گویا دوسرا جنیوا تھا۔ کوہ اپینیر اسکے ڈھلواں

پہاڑوں پر اہل جنیوا کے بنائے ہوئے مینار ابھی تک سر بفلک کشیدہ ہیں۔ اسیطرح
آبنائے باسفورس اور کریمیا سے گزرتے وقت شوقین سیاح کی نظر جا بجا بے اختیار
اُن پُرانے قلعوں پر پڑجاتی ہے۔ جو اِس مرحوم ریاست کی زندہ یادگار ہیں۔ لیکن تقابل جسطرح
ترقی کا باعث ہو اُسیطرح تنزل کا سبب بھی ہوتا ہے۔ بحیرۂ مارمورا ان دونوں حریف و
متقابل قوموں کا معرکہ گاہ تھا۔ اور اخیر کو دونوں کی عظمت و دولت کا مدفن ہوا۔ ۱۳۵۲ء میں
قسطنطنیہ کی عین فصیل کے نیچے دونوں میں جنگ ہوئی۔ جنیوا تنہا تھی۔ ریاست وینس
کی طرف قلونیہ اور یونان تھے۔ ایک سخت ہنگامۂ کشت و خون کے بعد وینس کو شکست
ہوئی۔ مگر اگلے برس وینس نے دل کھولکر عوض لیا۔ اور جنیوا کے بیڑے کو لغیرو
واقع سارڈینیا کے متصل شکست فاش دی۔ ۱۳۸۰ء میں جنیوا نے اپنے حریف پر
پھر یورش کی۔ اور سیجیو[۵۱] کو فتح کر کے خاص قلب ریاست کا محاصرہ ڈالدیا۔ اسوقت تمام
اہل وینس یکدل و یکجا ہو کر حریفوں کے مقابلہ پر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور خود انکو ہر طرف سے
گھیر کر حسب دلخواہ شرائط صلح پر مجبور کیا۔ جنیوا کی اصلی ترقی اُسوقت سے مسدود ہوگئی
اور عروس البحر[۵۲] کا دور دورہ شروع ہوگیا۔

وینس کی سرکوبی

اوپر بیان کیا گیا ہے کہ وینس کی سرکشی اور عہد شکنی پر برانگیختہ ہو کر محمد اول
نے ایک مختصر بیڑا ان کی گوشمالی کے لئے تیار کیا تھا۔ گو حملہ کی نوبت نہیں پہنچی مگر ترکی
بحری قوت کی بنیاد رکھی گئی۔ محمد ثانی نے جب قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا تو اُسکے ساتھ

[۵۱] سیجیو یا چیوگیا۔ صوبہ لومبرڈی مین ساحل ایڈریا پر واقع ہے اور وینس کا دروازہ ہے [۵۲] براند آو دی اوشین یا عروس البحر وینس کا خطاب تھا

تیس جنگی جہازوں کا مختصر بیڑا تھا۔ جسنے گولڈن ہارن میں سب سے پہلے ترکی امیرالبحر بلوطغلی کے ماتحت فی الجملہ نمایاں کارگزاری کی۔ فتح قسطنطنیہ سے فارغ ہوکر سلطان نے طرابزون۔ سینوپ۔ کافا ازاف جیسے مشہور مقامات بحری لڑائیوں میں انتزاع کئے جس سے جمہوری ریاست کو سخت نقصان پہنچا۔ بحیرہ اسود اور بحیرہ مارسورا اُسوقت سے ترکی مضافات میں شمار ہونے لگے۔ اور مشہور آبنائے ہیلسپانٹ (ڈارڈنیلز) کے اُن مستحکم قلعوں پر جو زرکزیز شاہ فارس کی یادگار ہیں تاریخی بندرگاہ بلیاک لاوا کی حفاظت کرتے تھے نشان ہلال نصب ہوا۔ خلاصہ یہ کہ ترکوں کی بحری قوت اسوقت تک کافی ترقی کرچکی تھی۔ چنانچہ جب محمد ثانی نے وینس کی گوشمالی کا ارادہ کرکے سنہ ۱۴۷۰ء میں جزیرہ نگروپانٹ پر فوجکشی کی تو ایک سو جنگی اور دو سو معمولی جہازوں کا ایک زبردست بیڑا ہمرکاب تھا۔ وینس کا مشہور امیرالبحر لارڈینی اس موقع پر بجز اسکے کچھ نکرسکا کہ جب ترک بعد فتح جزیرہ مذکور بحر ایجین سے واپس چلے گئے۔ تب اُسنے باجعالی کی رعایا جزیروں اور ساحل ایشیائے کوچک پر یورش کرکے اکثر شہر لوٹ لئے۔ اسپر سلطان نے زیادہ سخت تدابیر عمل میں لانا مناسب سمجھا۔ اور خاص وینس پر فوجکشی کی جسکو یورپین مورخ "پیاف کا محاصرہ" کہتے ہیں۔ جمہوری ریاست نے ہر طرف سے مجبور ہوکر مئی سنہ ۱۴۷۹ء میں صلح کرلی۔ بلکہ ازراہ تملق اٹرنٹو[1] کی فتح کی ترغیب بھی دلائی۔ جسکو آخرکار جنرل احمد فاتح کریمیا نے سنہ ۱۴۸۰ء میں فتح کرکے ترکی حملہ آورین کے لئے راستہ صاف کردیا۔

---

[1] اٹرنٹو صوبہ نیپلز واقع جنوب اٹلی کا مشہور شہر اور بندرگاہ ہے۔ اور اٹلی کا باب الفتح۔ لین پول صفحہ ۶۵۔

بیت المقدس کے مجاہدین اور اُنکی غارتگری

جنیوا اور وینس کے علاوہ ایک اَور بحری قوت بھی تھی۔ جس سے کچھ عرصہ بابعالی کو زور آزمائی کرنا پڑی۔ بیت المقدس کے پرجوش مجاہدین جو سینٹ جان کے پیرو اور نائٹ ہاسپٹلر (مہمان نواز غازی) مشہور تھے۔ تیمور گردی میں یروشلم سے اُجڑکر جزیرہ روڈس میں آباد ہوگئے تھے۔ اسکو جنگی مقام بناکر یہ رفتہ رفتہ بحیرہ لیوانٹ میں غارتگری کرنے لگے۔ ملوک سلاطین مصر نے اگرچہ اس گروہ کی گوشمالی کے لئے فوجیں بھیجیں۔ لیکن اس سے مجاہدین کی قوت کو کچھ صدمہ نہیں پہنچا۔ بلکہ بدستور سابق قسطنطنیہ اور اسکندریہ کے درمیانی قطعہ آب میں لوٹ مار کرتے رہے۔ ساحل ایشیائے کوچک کے شہروں کو اس مردم آزار گروہ سے بالخصوص نقصان پہنچتا تھا۔ یہاں سے سیکنوں ہزاروں مسلمان گرفتار کرکے یا تو اقوام یورپ کے ہاتھ بطور غلام فروخت کرڈالتے اور یا اُنسے خلاصی کا کام لیتے تھے۔ کہتے ہیں کہ اس فرقہ کے تین نمکحرام شخصوں نے سلطان کو جزیرہ روڈس کے قلعوں کے نقشے کھینچکر بھیجے۔ اور فوجکشی کی ترغیب دلائی[1]۔ چنانچہ سنہ ۱۴۸۰ء میں ایک سو ساٹھ جنگی جہازوں کا ایک بیڑا بسرداری مسیحی پاشا مقام مذکور کی فتح کے لئے روانہ کیا گیا۔ ترکی جرنیل نے معمولی مقامات فتح کرنیکے بعد مرکز جہاد کا محاصرہ کیا۔ گرینڈ ماسٹر (مجاہدین کا پیرومرشد) ڈی ابوسن نے دلیرانہ مقابلہ کیا۔ اور بڑے استقلال و مردانگی سے قلعہ کی حفاظت کی۔ ۲۸۔ جولائی سنہ ۱۴۸۰ء کو ترک عام ہلہ کرکے شہر میں گھس گئے۔ مگر جرنیل کی ناتجربہ کاری یا لالچ کی وجہ سے تکمیل فتح نہوئی۔ کیونکہ اُسنے اپنی مظفر و منصور سپاہ کو لوٹ سے روک کر دل شکستہ کردیا

---

[1] ایڈورڈ کریسی باب ۱۰۔

اور اسطرح کامیابی ایک طرفۃ العین میں ناکامی سے مبدل ہو گئی۔

جب روڈس کے ناکام حملہ کی خبر وینس پہنچی تو سینٹ (مجلس شوریٰ) کو ترکوں کے مقابلہ کی جرأت ہوئی۔ چنانچہ محمد ثانی کے انتقال پر عہدنامہ پیاف کے سراسر برخلاف سالانہ خراج بند کر کے اہل وینس نے عثمانی علاقہ جات پر تابڑتوڑ حملے شروع کر دیے۔ بایزید ثانی نے اس بیجا حرکت کو اشتہار جنگ کا مرادف سمجھکر تیاری کا حکم دیا۔ حسن اتفاق سے اُسوقت ترکی بحری کارخانہ کا سپرنٹنڈنٹ ایک نہایت لائق اور باکمال شخص تھا۔ اُسنے اس مہم کے لئے دو خاص جہاز تیار کئے۔ جنکو "کوکہ" کہتے تھے۔ ہر کوکہ ۷۰ کیوبٹ بلند اور تین کیوبٹ عریض تھا۔ مستول کی یہ شکل تھی کہ درختوں کے سالم بڑے بڑے تنے جہاز کے ہر پہلو سے جھک کر اور بیچ میں ملکر گند سے ہوئے بلند ہوتے تھے۔ اس مصنوعی جھنڈ کا قطر کم سے کم چار کیوبٹ تھا۔ سب سے بالائی حصہ پر چالیس مسلح سپاہی بے تکلف کھڑے ہو کر دشمن پر آگ برسا سکتے تھے۔ بخلاف معمولی جہازوں کے اوپر دو دو تختے تھے۔ ایک مثل تختہ گیلون اور دوسرا مثل تختہ گیلی۔ ہر تختہ پر ایک توپ تھی پچھلے حصہ کی پشت سے بیشمار چھوٹی چھوٹی کشتیاں آویزاں تھیں۔ تاکہ عندالضرورت کارآمد ہو سکیں۔ کھینے کے لئے دونوں طرف چوبیس چوبیس بلی بلیاں تھیں۔ جن میں سے ہر ایک بلی پر نو خلاصی متعین تھے۔ ہر جہاز پر سپاہی اور خلاصی کل ملاکر دو ہزار آدمی سوار ہو سکتے تھے۔ براق رئیس اور کمال رئیس[۹۱] ان دونوں

وینس کی دوسری سرکشی

کوکہ جہاز

براق رئیس
کمال رئیس

---

[۹۱] کمال رئیس نے بحری فن جنگ میں وہ کمال حاصل کیا تھا کہ ترکوں کو آج تک اس پر ناز ہے۔ یہ شخص اصل میں صنعان پاشا کا غلام تھا۔ ایک روز اپنے آقا کے ہمرکاب بارگاہ سلطانی میں حاضر ہوا۔ سلطان اسکا قد و قامت اور وجیہ شکل دیکھکر نہایت متحیر ہوا۔ اور اُسکو صنعان پاشا سے لیکر کمال رئیس خطاب دیا۔ ۱۲

ہمیشہ جنگ رہتی تھی اسلئے ڈوریا کو امید تھی کہ وہ اس کشمکش میں جنیوا کو فرانس کے پنجۂ
ظلم سے چھڑا لینے کا موقع نکال سکتا ہے۔ فرانسیس کو ہر معرکہ میں ناکامی ہوئی اور جنیوا
بالکل آزاد ہوگیا۔ اُسکے ہموطنوں نے اِس بڑے احسان کے شکریہ میں جنیوا کا تاج پیش
کیا۔ مگر اُسنے نامنظور کیا۔ اور اسوقت سے آخر تک اپنی قوم و ملک کی خادمی میں مخدومی
حاصل کرتا رہا۔ چونکہ ترک جنیوا کے کامیاب دشمن تھے اسلئے ڈوریا کو ترکوں سے
سخت عداوت تھی۔ اور اُن کو تکلیف پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نکرتا تھا۔
اُسنے اکثر ترکی جہاز گرفتار کئے۔ ہزاروں مسلمانوں کو بطور قیدی پکڑ کر اُن سے خلاصی کا
کام لیا۔ یا جیلخانے میں ڈالکر اُنکے پس ماندگان سے خونبہا طلب کیا۔ گو برائے نام وہ
امیر البحر تھا۔ مگر اصل میں سخت ناخدا ترس غارتگر تھا۔ اور لوٹ مار سے اپنی ذاتی ثروت
کو ترقی دیتا تھا۔ شرشیل کے ایلغار سے واپسی کے وقت اُسنے اپنے ماتحت سپاہیوں
سے جو سلوک کیا وہ اُسکے نام پر بڑا دھبہ لگاتا ہے۔ اگلے برس یعنے ۱۵۳۲ء میں

کورن پر ڈوریا کا حملہ

ڈوریا نے شمالی علاقہ جات واقع سواحل یونان پر فوجکشی کی اور قریبًا پچاسی جہازوں اور
بادبانی کشتیوں کے ایک بیڑے سے اول کورن (قورن) پر حملہ کیا۔ ایک سخت اور
مسلسل گولہ باری کے بعد قلعہ نشین ترکوں نے جان بخشی کے وعدہ پر دروازہ کھولدیا۔
ڈوریا نے قلعہ مذکور کو ایک ماتحت سردار منڈوزا کے سپرد کر کے خود آبنائے پٹراس کی
راہ اندرونی مقامات کی طرف اقدام کیا اور ستمبر تک اُن تمام قلعہ جات کو فتح کر کے
جو آبنائے کارنتھ کی حفاظت کرتے تھے جنیوا کو عود کیا۔ دوسرے سال ترکوں نے

کورن کا معرکہ

تازہ دم ہوکر لطفی پاشا کے زیر کمان قلعہ کورن کا از سر نو محاصرہ ڈالا۔ محصورین قلت آذوقہ سے تنگ ہوکر دروازہ کھولنے کو تھے کہ ڈوریا کمک لیکر آپہنچا۔ اس موقع پر اہل جنیوا اور ترکوں میں گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ ڈوریا قلعہ میں جانے کا قصد کرتا تھا۔ محاصرین سدّراہ ہوتے تھے۔ طرفین نے بڑھ بڑھ کے داد مردانگی دی۔ آخر کار لطفی پاشا کو شکست ہوئی۔

واقعات کے اس سلسلہ سے صاف ظاہر ہے کہ ڈوریا کی روز افزوں ترقی ترکی بحری اقتدار کی سخت مزاحم تھی یا آئندہ ہوتی۔ سلیمان کو اسوقت ہنگری۔ جرمن۔ آسٹریا کے معاملات میں مصروفیت تھی۔ ان ممالک کی حدود کی جانب وہ کبھی فتحمند حملہ آور ہونیکی حیثیت سے بڑھتا تھا اور کبھی فرڈی نینڈ اور زیپولا جیسے مسیحی دعویداران تاج وتخت کا فیصلہ کرنے کی غرض سے۔ خلاصہ یہ کہ اُسکو بذات خود ڈوریا کی سرکوبی کی فرصت نہ تھی۔ ان وجوہ سے قسطنطنیہ اور الجزائر کا اتصال ضروری سمجھکر وزیر اعظم ابراہیم نے تحریک کی اور ۱۵۳۳ء میں خیر الدین پاشا کو اُس مراسلہ کے ذریعہ سے باریاب ملازمت ہونیکی ہدایت کی گئی جسکا پچھلے باب میں حوالہ دیا گیا۔

پانچواں باب

ترکی امیر البحر۔ یا کپتان پاشا خیر الدین

خیر الدین بابعالی کی اہم ضروریات اور اپنی طلبی کی علت غائی سے خوب واقف تھا اسلئے سلطانی فرمان کی بجاآوری میں اُسنے عمداً عجلت نہیں کی۔ بلکہ اول اطمینان کے ساتھ اُسنے ملک کا انتظام کیا تاکہ اُس کی غیر حاضری میں کسی بیرونی غنیم یا اندرونی حاسد کا خطرہ باقی نہ رہے۔ اِن رخنہ بندیوں سے حسب دلخواہ فارغ ہوکر امیرانہ شان و شوکت سے تہیۂ سفر کیا۔ اور ساتھ ہی چند جاسوس کشتیاں ڈوریا کی تلاش میں اِدھر اُدھر روانہ کیں۔ آخر اگست سنہ ۱۵۳۳ء میں حسن آغا کو جو اُسکا بہت بڑا معتمد علیہ سردار اور خواجہ سرا تھا۔ سلطنت کا چارج دیکر معہ حشم و خدم چل پڑا

سچ یہ ہے کہ حقیقی ناموروں کے خلاف مصنوعی ناموروں کی عزت جھوٹے موتی کی آب کی طرح نہایت خفیف فروگزاشت پر ماند ہوجاتی ہے۔ دو سال پیشتر جب ڈوریا نے شرشیل پر غارتگرانہ حملہ کیا تھا۔ اور خیر الدین کے آنے کی خبر سُن کر دو ہزار جاں نثاروں کو "دہنِ اژدر" میں چھوڑ کر بھاگ گیا تھا۔ اُسوقت سے خیر الدین کی نگاہ میں اُس کی وقعت ایک معمولی ابن الوقت قزاق کی وقعت سے زیادہ نہ رہی تھی۔ چنانچہ الجزائر سے چلتے وقت اُسکو جاسوس کشتیوں سے یہ پتہ ملا کہ اُس کا حریف شمالی اطراف میں لوٹ مار کر رہا ہے تو باوجودیکہ اس کے ہمرکاب چند معمولی جہاز تھے۔ تاہم اُسنے ڈوریا کی سرکوبی کا

مصمم ارادہ کر کے سواحل اٹلی کا رُخ کیا۔ لیکن البا کے قریب پہنچکر معلوم ہوا کہ یورپ کا
شجاع امیر البحر خبر پاکر پہلے ہی سسلی کیطرف سرک گیا ہے۔ اس لئے یہاں سے چند
جہاز جنہیں جنیوا کے تجارتی جہاز اور ڈوریا کے خاص جہاز شامل تھے گرفتار کر کے جزیرہ
البا کو لوٹ کر خیر الدین بزودی تمام پلٹا۔ اور ڈوریا کو سواحل اٹلی پر خلیج سالرنو[1] اور خلیج
نیپلز میں تلاش کرتا بحیرہ روم میں داخل ہوا۔ اور یہاں سے جزیرہ مالٹا۔ سانٹا موارا۔
ناوارنیو۔ نیز ساحل موریا کے قریب ہوتا آخرکار سالونیکا میں لنگر انداز ہوا۔ اور اپنے
آنے کی باقاعدہ اطلاع قسطنطنیہ بھیجدی۔ خیر الدین کے آنے کی خبر سُن کر بابعالی کیطرف
سے ایک معزز ڈپوٹیشن استقبال کے لئے بھیجا گیا۔ اُدھر اُسکے عسکی سرا کے کا دیوان
خاص عام شاہانہ شان و شوکت سے آراستہ کیا گیا۔ قسطنطنیہ کے تمام اکابر و امرا جمع ہوئے
صاحبقران بنفس نفیس محلسرا کے ایک دریچہ سے ہمہ تن چشم انتظار تھا کہ اتنے میں بربری بیڑا
نشان ہلال کے سایہ میں آہستہ آہستہ گولڈن ہارن (شاخ مطلا یا سنہرا سینگ) میں
داخل ہوتا دکھائی دیا اور چند منٹ میں گوشہ محل کا طواف کرتا شاہی اسٹیشن میں لنگر انداز
ہوا۔ عسکی سرا کے میں اُس روز عجیب و لچسپ نظارہ تھا جسکو دیکھنے کے لئے بڑے بڑے
نامور جرنیل کرنیل وزرا امرا ارکین دربار و اعیان حضرت جمع ہوئے تھے۔ خیر الدین
اپنے اٹھارہ کپتانوں کے ساتھ حضور سلطانی میں دست بستہ ایستادہ تھا۔ حاضرین اس

[1] یہ وہی سالرنو ہے جس کی بابت ہمارے لسان الغیب لکھتے ہیں ؎
سالرنو ہیں جو ایک نامی مطلب تھا
وہ مغرب میں عطار مشک عرب تھا

جماعت ہژبراں کو بڑی حیرت و استعجاب سے تکتے تھے۔ جس کی شجاعت و دلیری نے تمام یورپ کے سر جھکا دیے تھے۔ اور کسی بحری قوت کو تشقۂ اطاعت لگائے بدون نہ چھوڑا تھا۔ خیر الدین اِن میں اسطرح متمیز ہوتا تھا۔ جس طرح ستاروں میں چاند۔ ابراہیم نے قیافہ سے دریافت کر لیا کہ خیر الدین میں تمام صفات مطلوبہ موجود ہیں اور اسلئے تمام دربار کے سامنے اُسکو ترکی امیر البحر کا خطاب دیکر بحری صیغۂ حرب کا چارج سپرد کر دیا۔

تُرکی جہازوں اور بحری انجینئروں کی اصلاح

بابعالی کی مہمانی سے فارغ ہو کر خیر الدین بڑی مستعدی سے صیغۂ حربیہ کی اصلاح میں مصروف ہوا۔ اور تمام موسم سرما اسی میں خرچ کیا۔ وہ نرا امیر البحر یا جہازراں ہی نہ تھا بلکہ جہاز کے تمام پیچ پُرزوں سے کما حقہ واقفیت اور جہاز سازی میں اعلیٰ درجہ کا کمال بھی رکھتا تھا۔ اُسنے پہلی ہی نظر میں وہ نقوص دریافت کر لئے جو دُوریا کے مقابلہ پر بسا اوقات ترکی بیڑوں کی ناکامی کا باعث ہوتے تھے۔ مثلاً بادبانوں کا سریع الحرکت اور جہازوں کا سُبکرفتار نہونا۔ اور عین وقت پر ملاحوں اور خلاصیوں کے قابو سے باہر نکل جانا وغیرہ۔ ایک اَور بڑا نقص یہ تھا کہ اِس صیغہ کے تمام کارپرداز اور کارکن خلاصی سے لیکے کپتان تک عموماً وہ لوگ تھے جنھوں نے بادبان یا پشتیبان کی شکل کشتی سے علیحدہ عمر بھر بھی نہ دیکھی تھی۔ اور جہاز کے پوشیدہ کل پُرزوں سے اصلا واقفیت نہ رکھتے تھے۔ خیر الدین نے بلا تامل یہ قاعدے بدلدیے۔ حسن اتفاق سے اِسوقت بحری گداموں میں لوازم و مصالحات کا کافی ذخیرہ موجود تھا۔ اسلئے اُسنے خاص اپنے اہتمام اور نگرانی سے ایک جدید کارخانہ کھولا۔ اور افسران صیغۂ حرب کو جرأت والے

کے لئے اکثر خود بھی کاریگروں کا شریک ہوتا۔ اس طریق پر سال رواں کے ختم تک اُسنے اکسٹھ جنگی جہاز تیار کئے۔ اور ان میں اٹھارہ اپنے اور پانچ اَور ملاکر چراسی جہازوں کے ایک زبردست بیڑے کی کمان لیکر ۹۴۲ھ کے موسم گرما میں سواحل اٹلی کی جانب بڑھا اور آبنائے مسینا[51] میں داخل ہوکر اول ریجیو پر حملہ کیا جو صوبہ نشیب کلیبریا[52] کی مشہور بندرگاہ اور اُسوقت ایک جنگی مقام تھا۔ یہاں سے ہزاروں بندی اور جہاز گرفتار کرکے آگے بڑھا اور قلعہ سینٹ لیوسیڈا پر ہلہ کرکے اُس میں آگ لگادی اور قریبًا اٹھارہ ہزار آدمی گرفتار کئے۔ یہاں سے سپرمونگا ہوتا ہوا ایک فونڈی پہنچا۔ کہتے ہیں کہ اس مُہم سے اُسکا منشا یہ تھا کہ پریچال گونیلا کو جو ویسپیسیو والی ٹراجیٹو کی بیوہ اور حاکم فونڈی کی وارث تھی۔ گرفتار کرے۔ گونیلا اصل میں اُس حوروش جونا آوارگون کی بہن تھی۔ جسکے سراپا پر اٹلی کے دو سو اسّی نازکخیال شاعروں نے طبع آزمائی کرکے مختلف زبانوں کے ذخیرے ختم کردیے تھے۔ بہن کیطرح گونیلا کا حسن و جمال بھی کچھ کم زاہد فریب نہ تھا۔ چنانچہ اُس کی ڈھال پر ایک سدا بہار پھول کی تصویر بنی تھی جس سے یہی مطلب تھا کہ جسطرح یہ پھول بادخزاں کی دسترس سے باہر ہے۔ اسیطرح گونیلا کا فلاورآدلو (حسن و عشق کا پھول) بھی زمانہ کی صرصر حوادث سے محفوظ ہے۔ غرضکہ خیرالدین اس گوہر مقصود کے لئے نہایت تیز روی سے سمندر طے کرتا راتکے وقت بیخبر فونڈی پہنچا۔ گونیلا کو خبر ہوئی تو اُسوقت جبکہ شہر اور محلسرا محصور ہوچکا تھا ناچار دیولدیوی اور کولادیوی کی طرح گونیلا بھی شبخوابی کے

ریجیو پر پہلا حملہ

قلعہ لیوسیڈا

فونڈی پر حملہ

پریچال گونیلا

---

[51] سسلی اور اٹلی کا فاصل قطعہ آب۔ [52] اٹلی کا انتہائے جنوب کا صوبہ

لباس میں صرف ایک اٹالین سوار کے ساتھ نکل کھڑی ہوئی۔ ایک جرمن[۹۱] مورخ اس موقع
پر ہمکو بتلاتا ہے کہ کمبخت سوار نے اس رات کو اس ماہ کامل کے شب افروز چہرہ سے
بیخود ہوکر حیثیت سے زیادہ گستاخانہ جرأت کی جس کی سزا میں وہ بعد کو شہید تبسم
دیت ہوا۔ خیر الدین نے ناکامی سے برافروختہ ہوکر فونڈی کو آتش و شمشیر سے برباد کیا۔

ان اطراف میں ڈوریا کو چند روز اور تلاش کرنے اور چارلس کے علاقہ جات[۹۲]
کو تاخت و تاراج کرنیکے بعد اُسکو بابعالی سے ٹیونس کی طرف اقدام کرنے کا فرمان ملا۔

مقدمہ میں بیان کیا گیا ہے کہ موحدین کے زوال پر ۱۲۶۹ء سے ٹیونس
میں بنو حفص حکمران تھے۔ یورپ کی تجار قوموں کے ساتھ خصوصًا اور دیگر اقوام سے
عمومًا گورنمنٹ ٹیونس جو کچھ حسن سلوک و مراعات کرتی تھی اسکا بہتر ثبوت اُن باہمی عہدناموں
سے بخوبی مل سکتا ہے۔ جنکی متعدد کاپیاں پیسا۔ جنیوا۔ وینس اور شاید لنڈن و پیرس کے
پبلک کتبخانوں میں آجتک محفوظ[۹۳] ہیں۔ گو اُس زمانہ کے یورپ نے اس حُسن سلوک کی
دوائر بھی کبھی قدر نہ کی۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ سلاطین اور رعایا سے ٹیونس مسیحیوں سے اِسقدر
فراخ دلی اور آزاد منشی سے برتاؤ کرتے تھے کہ خود مسیحی واعظوں کو اُن کی ضعیف الاعتقادی
کا دھوکا ہوتا تھا۔ چنانچہ سینٹ لوئس اُس زمانہ کا ایک مشہور واعظ ٹیونس کو دعوت
نصرانیت دینے آیا۔ اور اسی کوشش میں ناکام جان بحق[۹۴] ہوا۔ اس جلیل القدر خاندان کے

---

[۹۱] وان ہیمر۔ باب ۳ صفحہ ۱۳۹۔ لین پول صفحہ ۸۰۔ [۹۲] شاہ چارلس دنیا کے آٹھ تاجوں کا مالک تھا۔ اسپین۔ بلجیم۔ ہالنڈ اسکو وراثتًا
ملے تھے۔ جرمنی کا تاج دول یورپ کی کثرت رائے سے تفویض ہوا تھا۔ اور مکسیکو، پیرو واقع امریکہ جنرل کورٹیز کی تلوار کی بدولت۔ علاوہ ازیں
سسلی پر بھی اسکا قبضہ تھا چونکہ چارلس باب عالی کا مخالف تھا۔ اس لئے ان اطراف میں خیر الدین کے حملے بابعالی کا کپتان پاشا ہونے کی حیثیت سے
اتفاقًا ہوتے تھے نہ کہ غارتگری کی حیثیت سے۔ جیسا کہ یورپین مورخ لکھتے ہیں ۱۲ [۹۳] لین پول صفحہ ۸۵ [۹۴] لین پول صفحہ ۸۵ و ۸۶

اہل ٹیونس اور اہل یورپ کے قدیم تعلقات

اکیس۲۱ فرمانرواؤں نے زائد از تین سو برس حکومت کی۔ آخر اوائل سولھویں صدی میں زوال کے آثار نمودار ہونے لگے۔ باہمی نفاق و خانہ جنگیوں نے ان کی قومی قوت کو مضمحل کر دیا۔ اور اپنی متقدم سلطنت قرطاجنہ دکارتھج) کی طرح ٹیونس کی ساعت ناگزیر بھی آن پہنچی۔ بائیسویں فرمانروا سلطان حسن نے جو کچھ لائق نہ تھا خاندان بھر کے نرینہ وارثوں کو تہ تیغ کر کے خود عنان حکومت ہاتھ میں لی۔ صرف ایک شہزادہ خوش قسمتی سے بھاگ کر خیر الدین کے پاس فریاد لایا۔ اور استمداد کی۔

خیر الدین کی پالیسی

خیر الدین کی ہمیشہ سے آرزو تھی کہ تمام فرماں روایان بربر بابعالی سے حسن عقیدت رکھنے میں اسکے ہمخیال ہوں۔ وہ ایک عاقبت اور دانشمند پولیٹشن تھا۔ اور دولت عثمانیہ کی روز افزوں ترقی دیکھکر سمجھ گیا تھا کہ بحیرۂ روم کی مشرقی اور مغربی طاس بربر کے اندرونی حصص پر حکومت اسلام کو لازوال قیام صرف اس تدبیر سے ہو سکتا ہے کہ ریاستہائے بربر کے تمام عامل قسطنطنیہ سے وہی تعلق پیدا کریں جو معالیق قلب کو قلب سے تعلق ہے وہ خوب جان چکا تھا کہ دنیائے اسلام میں اسوقت ہلال ہی ایک ایسا جھنڈا ہے جس کے مبارک سایہ میں اسلام کی تمام حکمران قومیں متحد و مجتمع ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ ۱۵۱۹ء میں جب اس نے امیر المومنین سے ملکی بیعت کی تو ٹیونس کو بھی کنایتاً اسطرف توجہ دلائی تھی مگر جیساکہ ابتدائی زوال میں دنیا کی بدنصیب قوموں کا خاصہ رہا ہے۔ بنو حفص میں تنگ چشمی۔ کوتہ اندیشی اور خود بینی حلول کر چکی تھی اور اپنی قدیم شرافت خاندانی پر نازاں تھے۔ اور ترکوں کو ایک نو دولتہ اور نوخیز قوم خیال کر کے انکی اطاعت کو ذلت

سمجھتے تھے۔ لیکن اب کہ اُس بوسیدہ دولت کا ڈھچر ڈھیلا پڑگیا تھا۔ تمام سلطنت میں
جا بجا رخنے تھے۔ اور ایک حریف دعویدار شہزادہ خود غرضی سے مبہوت۔ امداد کا خواستگار
یا رہبری کو تیار تھا۔ خیر الدین نے اس بیش بہا موقع کو ضائع کرنا مصلحت نہ سمجھا۔ اور
بوصول فرمان بابعالی سواحل اٹلی سے فوراً ٹیونس کیطرف پلٹا۔ اُسکے آنیکی خبر سنکر
سلطان حسن مفرور ہوگیا۔ اور خیر الدین نے ایک خفیف سے مقابلہ کے بعد مظفر و منصور شہر
میں داخل ہوکر دعویدار شہزادہ کو تاج و تخت پر قبضہ دلایا۔ مگر چونکہ یہ عزل و نصب اہل
ٹیونس کے بالکل خلاف مرضی تھا۔ اسلئے پانچ ماہ سے زیادہ نہ رہ سکا۔ کیونکہ معزول
سلطان نے بھاگ کر دربار کارڈوا (قرطبہ) میں پناہ لی اور شاہ چارلس کو پشت پر لیکر
واپس ہُوا۔

اہل ٹیونس کی موجودہ حالت

یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر اس موقع پر یورپ کی کوئی اَور طاقت معاملات
ٹیونس میں دخیل ہوتی تو شاہ چارلس حسن کے ایلچی کی مستمندانہ درخواست کو غلط انداز نظر
سے بھی نہ دیکھتا بلکہ اُسکو (شاید مذہبی تلقین کرنیکے بعد) ناکام واپس کردیتا کیونکہ ٹیونس
میں ہزار لاکھوں جلاوطن اُندلسیوں کی سکونت یورپ بھر کو معلوم تھی۔ پس گورنمنٹ
کارڈوا کو ایسے دربار سے کوئی وجہ ہمدردی نہو سکتی تھی۔ جسنے اُسکی مغضوب قوم کو اپنے
دامن شفقت میں پناہ دی تھی۔ مگر حسن اتفاق سے دخیل معاملات بلکہ شاید غاصب تخت
ٹیونس ترک تھے۔ اور وہ بھی ایک قزاق کی وساطت سے۔ خاندان باربروسہ نے گزشتہ
تیس سال سے گورنمنٹ اسپین کے اقتدار کو جو کچھ گزند پہنچایا تھا وہ سلسلہ واقعات سے

چارلس کا نشانہ دلی

ظاہر ہے۔ چارلس دل سے آرزومند تھا کہ عروج کے بلند کئے ہوئے ایوانِ حکومت کو اُسی طرح بیرحمی سے مسمار و منہدم کردے جسطرح دو سال ہوئے کہ خیر الدین نے اسپینش قلعہ پی نن کو نیست و نابود کر دیا تھا۔ لیکن بجائے اسکے کہ یہ آرزو ایک شمہ پورا ہوتی۔ برعکس خاندان باربروسہ ٹیونس پر بھی قابض ہوگیا۔ جس سے سواحل اسپین کے علاوہ سسلی کے ساحل بھی حریفوں کی ترکتازیوں کی زد پر آگئے۔ قطع نظر اسکے ٹیونس بجائے خود ساحل بربر کے ایک ایسے نکلے ہوئے گوشہ پر واقع ہے کہ بحیرۂ روم میں جہازرانی کرنے والوں کو اس سے زیادہ احتمال مزاحمت ہوسکتا تھا۔ پس اسکی عنان حکومت حسن کے کمزور ہاتھ میں زیادہ موزوں تھی۔ جو موم کی ناک کی طرح ایک ذرا اشارے پر ادھر یا اُدھر ہوسکتی تھی۔

وجوہ دست اندازی

اِس قسم کی دور اندیشیوں سے متاثر ہوکر شاہ چارلس کے کیتھلک بندگان حضور نے خلاف دستور العمل کفار کو مدد دینے پر آمادگی ظاہر کی۔ اور نہ صرف اپنی قوت سے مدد دی بلکہ اپنے ہمسایہ ہمسروں کو بھی اس کار خیر میں شریک کیا۔ اِن میں مالٹا کے مجاہدین سب سے زیادہ سرگرم تھے[1]۔ اُنھوں نے پانچ جنگی جہاز جنمیں ایک نہایت عظیم الشان تھا۔ اور کئی ہزار فارنی مدد کے لئے بھیجے۔ علاوہ ازیں چارلس کی قوت بھی چھ سو جنگی جہازوں سے کم نہ تھی۔ اب گویا ایک طرف تو ٹیونس کے حقدار شہزادہ کو خیر الدین نے سنبھالا۔ دوسری طرف معزول سلطان حسن کو چارلس نے لیا۔ اور دونوں میں بالکل اُسی حیثیت سے جنگ چھڑی جسطرح اٹھارویں صدی میں دکن کے اندر انگریزوں اور فرانسیسیوں میں

چارلس کا حملہ ٹیونس پر

[1] براڈلے صفحہ ۸۲

چارلس ۵ نے بیڑے کی کمان لیکر بارسلونا سے کوچ کیا۔ اور جون تک حلق الوید میں داخل ہوکر ٹیونس کا محاصرہ ڈالدیا۔ چونکہ بیت المقدس کے مجاہدین ہر وقت شوق شہادت میں بیخود رہتے تھے۔ اور ہمیشہ سب سے خطرناک اور مخدوش موقع کی ذمہ داری پسند کرتے تھے۔ اسلئے مقام محصور کے نہایت قریب لنگر انداز ہوئے۔ اور گولہ باری سے جلد ایک راستہ نکالکر ۱۴ جولائی کو انھوں نے عین فصیل شہر پر صلیب نصب کردیا۔ خیرالدین کے پاس اُسوقت کل دس ہزار فوج اور پچاس سے کچھ زیادہ جنگی جہاز تھے۔ ایسے ناموزوں تقابل میں لڑائی کا جو کچھ نتیجہ ہوا گو وہ خلاف توقع نہ تھا مگر محصورین کے حوصلے پست نہیں ہوئے۔ اُنھوں نے محاصرین پر چار مرتبہ چھاپہ مارا۔ تین مرتبہ سنان رئیس کے ماتحت جسمیں محاصرین کے بہت سے جانباز دلاور کام آئے۔ اور اٹلی کے تین نامی جرنیل کھیت رہے۔ اور اِن کا سازوسامان بھی بہت کچھ تلف ہوا۔ چوتھی مرتبہ خیرالدین اپنے خاص دستہ کو جہازوں میں لیکر بڑھا۔ اور اِس تیزی سے بڑھا کہ چارلس کے کوہ پیکر جہازات بے ترتیب ہوگئے۔ یہ عین تنت کا وقت تھا اور لڑائی کا پلہ اِدھر یا اُدھر جھکنے کے لئے ڈگمگا ہی رہا تھا کہ اہل شہر کی دغابازی نے فیصلہ کردیا۔ یعنے باشندگان ٹیونس جو اِس جدید عزل ونصب کے سخت مخالف اور سلطان حسن کے طرفدار تھے۔

حملہ کے کوائف

خیرالدین کی ہزیمت

اُنھوں نے اپنے آپ کو شکنجہ سے آزاد دیکھکر اور خیرالدین کے مسیحی بندیوں سے[1] سازش کرکے القصبہ (قلعہ) کا دروازہ بندکرادیا۔ یہ دیکھکر کپتان کے دلاور سپاہی کچھ دلشکستہ

[1] لین پول صفحہ ۹۰۔

ہوئے اور ساتھ ہی مخالف سمت سے سمندر میں طوفان نازل ہُوا۔ اُدھر محاصرین کے دل اور قدم بڑھتے اور ایک طرفۃ العین میں بساط اُلٹ گئی۔ اب خیر الدین کو بجز اسکے کچھ نہ بن پڑا کہ جہازوں سمیت دوسرے راستہ سے حلق الوادی سے نکلجاتے۔ دوراندیشی سے اُسنے قریباً پندرہ جہاز اَور بندرگاہ بونا پر لگا رکھے تھے۔ چنانچہ اِن سب کی وساطت سے اُس نے صحیح وسلامت یہاں سے مراجعت کی۔

خیر الدین نے اِس موقع پر محاصرہ کی روک تھام کے لئے جو پشتہ بشکل مثلث تیار کیا تھا اُسکا نشان آجتک اُس قطعۂ خشکی کے برابر صاف نمایاں ہے جو ٹیونس کی جھیل بزرطہ کو بحیرۂ روم سے جدا کرتا ہے بیس برس ہوئے جب اس سد کو کھدوایا تو قریباً دو سو انسانی ڈھانچ کسیقدر اسپین کے سکّے۔ توپ کے گولے۔ اور ٹوٹے پھوٹے ہتھیار برآمد ہوئے تھے[1]۔

یورپ کے مورخوں نے اِس حملہ کے کوائف بڑے ذوق شوق سے قلمبند کئے ہیں۔ مارمل۔ فان ہامر۔ براڈلے۔ لین پول۔ تمام بڑے بڑے آتھر اور ہنٹلسٹ (مصنف۔ مفسر حالات مشرقی) ہم آہنگ ہیں۔ اور ترکی کپتان کی ہزیمت پر تہ دل سے افسوس کرتے ہیں۔ لیکن ہمارے لئے سب سے زیادہ تعجب انگیز یہ امر ہے کہ اِس مُہم کے واقعات قلمبند کرنے میں اُنھوں نے ترکی مورخ حاجی خلیفہ سے بہت کم اختلاف کیا ہے اور فریقین کی جنگی قوتوں اور موجودہ حالتوں کا فرق جو خیر الدین کی ناکامی کا سبب

[1] لین پول صفحہ ۸۹۔

یورپ کے مورخوں کی رائے

بڑا سبب تھا بیان کر دیا ہے۔ اصل یہ ہے کہ یورپ کی وہ طاقتیں جو آج "دول عظام" سے ملقب کیجاتی ہیں سولھویں صدی تک مشرق کی وحشی قوموں کی بیطرح حلقہ بگوش تھیں۔ روس کے بیشتر حصہ پر وسط ایشیا کے وحشی ترکمان قابض تھے۔ اسپین اگر وحشی عربوں سے خالی ہوا تو تمام جنوب مشرقی حصہ پر وحشی ترک قابض ہوگئے تھے سوریا سے لیکر کوہ کارپیتھین تک اور قسطنطنیہ سے لیکر کروشیہ[51] تک تمام سرزمین پر ہلال پرتو افگن تھا۔ سیف عثمانی وائنا کی فصیل تک کاٹ کرتی تھی۔ اور آسٹریا۔ جرمنی کے حقدار شہزادوں کا فیصلہ کرنیکے لئے برہنہ ہوکر اُن حدود کی طرف بڑھتی تھی۔ جنوب مشرق میں تو قریبًا دو سو برس سے مسیحی طاقتوں کو فتح ونصرت نصیب ہی نہوئی تھی[52]۔ مگر جنوب مشرق میں بھی وحشی باربروسے نے اُن کی فتحمندیوں کو قریبًا پچاس سال سے مسدود کر دیا تھا۔ ایسی حالت میں ٹیونس کی فتح یورپ کے لئے فی الحقیقت نعمت غیر مترقبہ تھی خصوصًا اہل اسپین نے اسپر ضرورت سے زیادہ ناز کیا۔ اُن کے نازک خیال شاعروں نے رزمی نظمیں لکھکر طبع آزمائی کی۔ بھاٹوں نے اُنکو ذریعہ معاش بنایا۔ مصوروں نے محاصرہ کے فرضی، نقشے کھینچے۔ حتیٰ کہ آربنو کے رہنے والے ایک کوزہ گر نے تصویروں[53] کے ذریعہ سے ایک برتن پر معرکہ کارزار کا سماں دکھلایا۔ شاہ چارلس خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا۔ اور نائٹ

[51] کروشیا یا کروشیہ ٹرکی اور آسٹریا کے حد فاصل کا صوبہ۔ سنہ ۱۵۵۵ء میں اس صوبہ کی حدبندی کی بناء پر دونوں قوموں میں جنگ ہوئی تھی۔ جس میں بالآخر ترکوں کو کامیابی ہوئی۔

[52] دیکھو ایڈورڈ کریسی باب ۹

[53] چنانچہ شاہ چارلس کے حکم سے اسپین کے مشہور مصور جان کارنیلس نے موقع جنگ کی چند تصویریں کھینچی تھیں۔ جو آج تک کنجسنگٹن میں محفوظ ہیں۔ لین پول صفحہ ۹۰

(المجاہد، کروسیڈر (الغازی)، حامی ملة المسیح ہونے کا دعوی کرتا تھا۔ اُسنے اِس فتح کی یادگار میں کراس آؤ ٹیونس (صلیب ٹیونس) کے نام سے ایک جدید غازی فرقہ قایم کیا جسکے سپاہیوں کی وردی پر لفظ باربار (بربر) کڑھا تھا۔ لیکن حقیقت میں دیکھئے تو یہ کچھ نہ تھا۔ صرف شاہ چارلس کی جانب رعایاے اسپین کی حسن عقیدت تھی جس کا اندازہ مارگن صاحب کی راے سے خوب ہوسکتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ " اسپین میں یہ عام طور مشہور و مسلم امر ہے کہ شاہ چارلس نے اِس تمام کرہ زمین کی اقالیم کو چوبیس گھنٹہ تک اپنی زنجیر حکومت میں جکڑ رکھا۔ اور یہ کہ اسکے بعد وہ زنجیر یک بیک ٹوٹ گئی۔ یہ عقیدہ یہاں تک راسخ ہے کہ عمر بھر میری یہ کبھی مجال نہوئی کہ کسی باشندہ اسپین کے سامنے میں اسکے مان لینے میں حجت کرتا۔ اگر کرتا تو بیشک طیش میں آکر وہ مجکو سخت ہی سزا دیتا لیکن باینہمہ کسی ذی شعور شخص نے مجھے اِس راز سے واقف نہ کیا کہ دنیا پر ایسا نازک وقت کب آیا تھا[۵۱]"۔ اہل اسپین کے جہل مرکب اور کور عقیدتمندی سے قطع نظر کرکے ہم پوچھتے ہیں کہ کیا شاہ چارلس کا دعوی شجاعت صحیح تھا؟ اِس سوال کا جواب تاریخانہ واقعات کے سلسلہ سے ملیگا۔

خیرالدین کی ہزیمت اور مراجعت کے بعد شاہ چارلس مع سلطان حسن مظفر و منصور ٹیونس میں داخل ہوا۔ اُسکو مناسب تھا کہ اہل شہر کو ہر طرح امن و امان دیتا۔ کیونکہ وہ ایک دوست کی رعایا تھی۔ جنکو ایک قزاق کے پنجہ ظلم سے چھڑانے کے لئے اس نے اسپین سے

[۵۱] مارگن صفحہ ۲۸۶۔

یہانتک تکلیف کی تھی۔ وہ اس امر سے ناواقف نہ تھا۔ کہ اگر عین تنت پر اہل شہر غدر و بیوفائی کرکے سازش کی چال نہ چلتے تو فتح و نصرت کی آرزو ہی رہتی۔ اس لئے بھی انکو اس کا استحقاق تھا۔ مزید برین اسلئے کہ اہل اسپین اور کیتھلک مورخ اُسکو سچا نامور شجاع بناکر دکھلا دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن افسوس کہ کسی اندرونی اور نامعلوم جوشش نے اُسکو اس برگزیدہ صفت کے قابل نہ رکھا۔ شہر پناہ میں داخل ہوتے ہی اُسنے بلا وجہ قتل عام اور لوٹ مار کا حکم دیا۔ اور تین روز کامل ٹیونس کے بیگناہ باشندوں پر مظالم دشت کربلا نازل رہے۔ ہزاروں مرد اور عورتیں بلا تفریق عمر و مدارج تہ تیغ ہوئیں۔ شریف پردہ نشین بیبیاں بیعزت کی گئیں۔ معصوم شیرخوار بچے ذبح ہوئے۔ یہانتک کہ التعصب کے وہ مسیحی غلام جنہوں نے غدر کیا تھا اپنے ہی ہم مذہب مددگاروں کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔ شہر کے تمام گلی کوچے مسلخ و مذبح کا نمونہ بنگئے جن میں جابجا بیگناہ باشندوں کی مقتول بیجان لاشیں حرکت مذبوحی کرتی تھیں۔ اور چارلس کے "سچے شجاع" کشاکش غنائم میں اُنکو روندتے پھرتے تھے۔ خود کیتھلک مورخ[۱] اس شہر آشوب قتل عام کو تسلیم کرتے ہیں۔ اسلئے ہمکو بھی یہ خیال ظاہر کرنے کی جرأت ہوتی ہے کہ ترکوں پر جن قسی القلبیوں اور سفاکیوں کا الزام لگایا جاتا ہے۔ اگر یہ "شجاعانہ سلوک" ان سے بڑھ نہ گیا تھا تو کسیطرح کم بھی نہ تھا[۲]۔ اُدھر ٹیونس پر یہ قیامت کچھ

عہد شکنی اور قتل عام

[۱] لین پول صفحہ ۹۰۔
[۲] ادھر شجاعان اسپین ان شہر آشوبیوں میں مصروف تھے۔ اُدھر ترک وحشی اقوام وسط ایشیا کے ساکن مظفر و منصور بغداد میں داخل ہوئے تھے اور وزیر اعظم و سپہ سالار فوج نے اہل بغداد کو ہر طرح امان دی۔ ایک شخص بھی ضائع نہیں ہوا۔ نہ کسی عمارت کو صدمہ پہنچا۔ لین پول صفحہ ۹۰

شک نہیں کہ کمبخت جلاوطن اندلسیوں کی وجہ سے نازل ہوئی جنکے چند قبائل اطراف وجوانب ٹیونس میں خانہ بدوش پڑے تھے اور جن کو اذیت پہنچانا اہل اسپین ثواب سمجھتے تھے۔ ورنہ اقوام یورپ اور سلاطین ٹیونس خصوصاً سلطان حسن کے دوستانہ تعلقات قتل و ویرانی کے مقتضی نہ تھے۔

جب شجاعان اسپین اور مجاہدین بیت المقدس کی خون آشام تلواریں سیراب ہوچکیں تو چارلس نے حسن کو شاہانہ مراسم سے تخت نشین کیا۔ اور باہمی تعلقات آئندہ کو مستحکم کرنے کی غرض سے ایک عہدنامہ مرتب کیا۔ جسکی بڑی بڑی شرطیں یہ تھیں کہ گالیٹا (حلق الوید) پر گورنمنٹ اسپین کا قبضہ رہے گا۔ تمام مسیحی غلام آزاد کردیے جائینگے ساحل ٹیونس پر غارتگری بالکل مسدود رہے گی۔ سلاطین ٹیونس سالانہ خراج ادا کریں گے۔ اور اسکے ساتھ بارہ شکاری باز اور جلاوطن اندلسیوں میں سے چھ شاعر بطور اظہار اطاعت۔ گورنمنٹ اسپین کے نذر کیا کرینگے۔ فریقین نے صلیب اور تلوار کا حلف لیکر عہدنامہ پر دستخط کردیے۔ اور شاہ چارلس نے مع حشم و خدم اگست میں ٹیونس سے عود کیا۔

عہدنامہ

اُدھر خیرالدین سخت غم و غصہ کی حالت میں بندرگاہ بونا سے مینہ آندھی کی طرح جزیرہ کورسیکا پر جھکا اور بندرگاہ سوہن میں اُترکر تمام جزیرہ کو تاخت و تاراج کرڈالا اور بہت سے شاہی جہاز مع مال و بندی گرفتار کرکے بزودی تمام الجزائر کی طرف پلٹا۔ اور اس خیال سے کہ شاید چارلس اُسکے قلب سلطنت پر حملہ کرے محاصرہ کی روک تھام کا

جزیرہ کورسیکا پر حملہ

جزیرہ کورسیکا پر حملہ

بندوبست کر کے انتظار کرنے لگا۔ مگر جب اُسکو یہ معلوم ہوا کہ چارلس نے مع فوج بالا بالا اسپین کو مراجعت کی تو کچھ عرصہ ٹھہرنے کے بعد قسطنطنیہ کو روانہ ہوگیا۔ اسکے بعد خیرالدین کو پھر کبھی آنا نصیب نہوا۔

یہ ظاہر ہے کہ ٹیونس پر یہ تمام مصائب و آلام حسن کی وجہ سے نازل ہوئے اس لئے کچھ تعجب نہیں کہ بجائے ہر دلعزیز اور مقبول انام ہونے کے وہ اب ہر طرف نفرت و ذلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور دشمن اسلام۔ دغاباز۔ مخرب قوم و ملک خیال کیا جاتا تھا۔ کاش اہل شہر کو اپنے کمزور سلطان کی نسبت صحیح رائے قائم کرنیکا موقع پہلے سے ملتا اور وہ سمجھتے کہ فرمانروا کے ذاتی نفع کا خیال قوموں کو صدیوں کے لئے کس طرح تباہی اور

حسن کا انجام

مصیبت میں ڈالدیتا ہے جس طرح اُن کی ہمسایہ سلطنت شاہ راڈرک کی ذرا سی ناشایستہ حرکت پر آٹھ متواتر صدیوں کے لئے وقف اسلام ہوگئی تھی[1]۔ بہرکیف باشندگان ٹیونس گو اپنی غلط فہمی پر سخت پچھتاتے تھے۔ مگر "مُشتے کہ بعد از جنگ یاد آید۔ بر کلہ خود باید زد۔"

ایک عبرت انگیز حکایت

رعایا کی بدظنی کا اندازہ اِس واقعہ سے خوب ہو سکتا ہے کہ قتل عام کے دن کسی بے رحم سپاہی نے ایک نوجوان شریف لڑکی کو پکڑ لیا۔ حسن نے کہیں دیکھ پایا۔ اور اُسکو چھڑانا چاہا۔ مگر غیرت مند لڑکی نے نہایت حقارت سے سلطان کے منہ پر تھوک کر کہا کہ "تیرے منحوس ظل حمایت سے بدتر اور ذلیل تر میرے لئے کوئی حالت نہیں[2]" تاہم اس طوفان کے فرو ہونے پر ڈوریا اور آور سرداروں کی مدد سے حسن نے پانچ سال حکومت کی

[1] اندلس باب۔ [2] لین پول صفحہ ۹۱۔

[margin: ...کی موجودہ حالت]

لیکن شہر قیروان سخت برگشتہ اور اُس کے خون کا پیاسا تھا۔ آخرکار سنہ ۱۵۴۳ء میں اسکو اندھا کرکے قید کردیا۔ اور اُسکے ایک فرزند حمید کو تخت نشین کیا۔ مگر ٹیونس کا بوسیدہ ایوان حکومت متزلزل ہوکر مرکز ثقل سے ہٹ چکا تھا۔ مابعد کی حالت اس سلسلہ میں اپنے موقع پر بیان کیجائے گی۔

[margin: منصب وزارت پر خیرالدین کا اثر]

واپسی پر باب عالی نے خیرالدین کو کپتان پاشا کا خطاب عطا کیا۔ علاوہ ازیں منصب وزارت پر اسکا بہت کچھ اثر ہوگیا۔ کیونکہ سلطان سلیمان نے وزیر اعظم ابراہیم کو بعض شکوک کی وجہ سے معزول و مقتول کردیا تھا اور وزارت خالی تھی۔ ترک اسوقت تک بیشتر بحیرہ واقع جنوب یورپ پر قبضہ کرچکے تھے۔ بحر اڈریاٹک میں بھی اُنہی کا اقتدار تھا۔ مگر نہ اسقدر مستحکم جس قدر کہ بحیرۂ ایجین میں۔ اسکی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس بحر کی حکمران قوم یعنے اہل وینس کے تین سال سے باب عالی کے ظاہری دوستانہ تعلقات تھے جنکی تجدید وقتاً فوقتاً ہوتی رہتی تھی۔ اور اگرچہ ڈوریا کے غارتگرانہ حملوں کی وجہ سے قطعہ آب خونریزیوں سے خالی نہ تھا۔ مگر وینس کو ان مجادلوں سے علانیہ بے تعلقی تھی۔ صاحبقران کی خواہش تو تھی کہ بحیرہ اڈریاٹک ہلال کے ظل حمایت میں داخل کیا جائے مگر موقع نہ ملتا تھا۔ آخرکار خود اہل وینس کی طرف سے افتتاح جنگ ہوئی۔ جس کی مجمل کیفیت یہ ہے:۔

[margin: بحیرہ اڈریاٹک میں ترکوں کا اقتدار]

جیسا کہ پیشتر بیان کیا گیا ہے مسیحی دنیا میں اُسوقت دو طاقتیں نہایت زبردست تھیں، جو علاوہ اپنے ممالک محروسہ کے جنوبی اور مغربی یورپ کے بیشتر حصہ پر قابض و

متصرف تھیں یا کسی وجہ سے اثر رکھتی تھیں۔ اِن میں چارلس پنجم شاہ اسپین آٹھ سلطنتوں[۹۱] کا فرمانروا تھا۔ اور مزید برایں پوپ صاحب کا عقیدتمند خالص ہونے کی وجہ سے وسط یورپ میں خاص اثر رکھتا تھا۔ اور بابعالی کا سخت مخالف تھا۔ فرانسیس شاہ فرانس چونکہ صلحاً سے ترکی میں داخل تھا اِسلئے جنوب مشرقی یورپ میں رسوخ رکھتا تھا۔ یہ دونوں قوتیں ہمیشہ ایک دوسری کے مقابلہ پر تُلی رہتی تھیں۔ اور اکثر رقابانہ حسد و رقابت پر اُتر آتی تھیں۔ وینس طبعاً کمزور ہونیکے سبب بابعالی کے ساتھ بھی دوستانہ تعلقات رکھتی تھی۔ اور فرانس و اسپین کے درمیان بھی حد اوسط پر قائم رہتی تھی۔ فرانس کو یہ دورُخی دوستی پسند نہ تھی۔ اسلئے وہ ہمیشہ بابعالی کو اس جمہوری ریاست کے برخلاف اُکسایا کرتا تھا۔ آخرکار ریاست مذکور پر کیتھلک شہنشاہ کا اثر یہاں تک غالب ہوا کہ اُس کے فوجی سرداروں نے ترکی جہازوں پر دست درازیاں شروع کردیں۔ چنانچہ جزیرہ کینڈیا (قریطش) کے حاکم نے باوجود باہمی تعلقات کی واقفیت کے ایک ترکی جہاز کو جسمیں ایک سفیر الجزائر سے قسطنطنیہ جاتا تھا حملہ کرکے لوٹ لیا۔ سفیر اس ہنگامہ میں سخت زخمی ہوا۔ سلطان نے برہم ہوکر امیر البحر کو حکم دیا کہ وینس کو اس عہد شکنی کی سزا دے عثمانی قوت کو مقابلہ پر دیکھکر اہل وینس اول اول تو بہت گھبرائے اور شاید اُسیوقت ترکی سفیر کو خیریت اور عزت سے واپس الجزائر کرنے کی چال چلے ہوں گے[۹۲]۔ مگر بعد کو جب

وینس اور ترکی کی دوسری لڑائی۔

اسباب جنگ

[۹۱] دیکھو فٹ نوٹ نمبر ۲۔ صفحہ ۱۰۳۔ کتاب ہذا۔ [۹۲] یورپین مورخ لکھتے ہیں کہ حاکم کینڈیا کا حملہ گو ناگوار تھا۔ مگر دیدہ و دانستہ نہ تھا اسلئے کہ بعد کو اصلیت سے واقف ہوکر اُسنے ترکی سفیر کی مرہم پٹی کی۔ اور اُسکو عزت و حرمت سے الجزائر بھیجدیا۔ مگر لین پول کو اِس استدلال سے اختلاف ہے۔ لین پول صفحہ ۹۵۔

شاہ چارلس اور پوپ اُسکی پشت پر اُٹھ کھڑے ہوئے تو اُس کو کچھ اطمینان ہوا۔

اُدھر ترکوں کا سخت مخالف اور چارلس کا وفادار قزاق امیر البحر ڈوریا سینا سے جو سلی کا مامن فتح کہلاتا تھا۔ یہ خبر نکلکر بحیرہ آئی اونین میں پہلے سے تیغ و سپر تھا ترکی گورنر گالی پولی اگرچہ جزیرہ پیکزس کے قریب مردانہ جسارت سے ڈٹا رہا۔ مگر کوئی نمایاں کامیابی حاصل نکرسکا۔ اسلئے ۱۵۳۷ء کی موسم بہار میں خیر الدین بنفس نفیس ایک سو تینتیس۱۳۳ جہازوں کی کمان لیکر قسطنطنیہ سے چلا۔ ڈوریا یہ خبر سُن کر سینا میں حسب عادت روپوش ہوگیا خیر الدین نے ایک ماہ کامل اِن اطراف کو تاخت و تاراج کرکے ہزاروں کو بطور بندی گرفتار کیا۔ اُسکا قصد تھا کہ اٹلی پر باقاعدہ حملہ کرے کہ اُدھر اہل وینس سے وہ جنگ چھڑ گئی جس کا ہمنے اوپر ذکر کیا ہے۔ اور خیر الدین کو جزیرہ کارفو کا محاصرہ کرنے کا حکم ملا۔ جسوقت خیر الدین ایک زور مند بیڑے کی کمان لیکر قسطنطنیہ سے روانہ ہوا تھا اگر وینس کی سینٹ مجلس حکمران مدبر اور دانشمند ہوتی تو اُسیوقت اپنی مخدوش حالت کو سمجھ جاتی۔ اور حفظ ما تقدم کرتی مگر ہمارے محمد شاہی رنگیلوں کی طرح اُنھوں نے اِس حملہ کا رُخ ٹیونس یا نیپلز قرار دیکر سہل انگاری کی۔ آخر جب یہ سُن لیا کہ پچیس۲۵ ہزار بربری اور ترکی فوج مع تیس۳۰ ضرب توپ خیر الدین کی کمان اور لطفی پاشا کی نگرانی مین قلعہ کارفو سے صرف تین میل کے فاصلہ پر لنگر انداز ہے۔ تو اِس خواب خرگوش سے چونکے۔ چار روز بعد یعنی ۳۰ اگست کو پچیس ہزار چیدہ جوانوں کی ایک اور جری فوج مع توپخانہ ایاز پاشا کے ماتحت محاصرین میں شامل ہوئی۔ فوج الکندجی نے اطراف و جوانب میں پھیلکر حسب معمول آتش و شمشیر سے علاقہ کو تباہ کیا

کپتان پاشا خیر الدین کے ایلغار

ترکوں کی فوجی قوت

اور باقی دستوں نے محاصرہ کی کارروائی شروع کی۔ توپخانہ ایاز پاشا کے ماتحت تھا۔ بد اتفاقی سے یا تو گولہ انداز نالائق تھے۔ اور گولوں کو زیادہ بلند لیجاتے تھے۔ اور یا وہ مقام محصور کے موقع کو نہ سمجھ سکے۔ جسکا نتیجہ ہوا کہ آدھے سے زیادہ گولے قلعہ سے صاف ٹپ کر سمندر میں گرتے تھے۔ چنانچہ ایک توپ جو پچاس پونڈ کا گولہ چلا سکتی تھی تین دن میں کل اُنیس گولے سر کر سکی جنہیں سے صرف پانچ فصیل قلعہ میں لگے۔ علاوہ ازیں سمندر میں طوفان نازل ہونیکے سبب سخت بیموقع تلاطم پیدا ہوا۔ اسپر ایاز پاشا کپتان پاشا کی رائے کے سراسر برخلاف آندھی اور مینہ کی مخدوش حالت میں قلعہ کی خندقوں کے گرد شب گردی کرنیسے باز نرہا جس سے بیشمار جانیں ضائع ہوئیں ترکوں نے چار مرتبہ حملہ کیا۔ مگر محصورین نے سینٹ انگلو کے مقدس قلعہ کو بڑی دلاوری سے بچایا۔ فصیل و بروج کی توپوں کا اہتمام ایک لائق افسر الگزنڈر ٹران کے سپرد تھا جس نے بڑی کاروانی اور شجاعت سے ترکوں کو جواب دیے۔ موسم سرما کے قریب آنیسے حالت روز بروز ابتر ہوتی جاتی تھی۔ اسلئے دو ماہ کے بعد ۷ ستمبر کو باب عالی سے واپسی کا حکم پہنچگیا۔

سینٹ انگلو پر حملہ

اس واقعہ کے بعد اہل وینس و جنیوا کے ڈوریا جیسے ترکتاز سرداروں نے مجمع الجزائر یونان میں حسب عادت سالانہ ٹکس کا استحصال بالجبر شروع کر دیا۔ اور جزیروں کو تاخت و تاراج کر کے ہزاروں خلاصی جمع کئے۔ اِن میں بٹرنٹو اور پیکزس کو سب سے زیادہ نقصان پہنچا۔ خیر الدین یہ جان آشوب حالت دیکھکر بیڑے سمیت بحیرۂ آئی اونین

امیر البحر ڈوریا کے غارتگرانہ حملے مجمع الجزائر یونان میں

مجمع الجزائر کیطرف بڑھا۔ اور مسلسل حملوں کے بعد سیرا۔ سکائرس ایجنیا پیگزس ٹیٹس وغیرہ جزیرے اہل وینس سے انتزاع کئے۔ جنمیں پیگزس نے پانچ ہزار ڈالر ایجینا نے پانچ ہزار نفر فوجی خدمت کے لئے خراجاً دینا منظور کئے۔ ان فتوح سے فارغ ہوکر خیر الدین نے اواخر سال رواں تک غنائم سمیت قسطنطنیہ کو مراجعت کی۔

صاحبقران اسوقت صوبہ مالدیویا پر فوج کشی کی تیاری کر رہا تھا۔ نیز اُس کا یہ بھی منشا تھا کہ بحیرۂ روم کیطرح بحر ہند میں بھی ترکی اقتدار قائم کرے۔ اُسنے اپنے لائق کپتان پاشا کو یہ ہدایت کی کہ وینس سے جسقدر جلد ممکن ہو بحری معاملات کو یکسو کرلے چنانچہ ۱۵۳۸ء کے موسم گرما میں خیر الدین ڈیڑھ سو جنگی جہازوں کی کمان لے کر قسطنطنیہ سے چلا اور بہت سے جزیرے فتح کرکے جزیرہ کینڈیا یا قریطش کی طرف بڑھا بحیرۂ آئی اونین کے پچیس ۲۵ جزیرے اسوقت تک عثمانی قلمرو میں داخل ہو چکے تھے۔

بحیرۂ آئی اونین پر تسلط

ادھر اہل وینس نے بھی آئے دن کے بیقاعدہ حملوں اور چھوٹی چھوٹی بے ترتیب لڑائیوں سے تنگ ہوکر آخری فیصلہ کا ارادہ کیا۔ یہ ظاہر ہے کہ جمہوری ریاست کی ذاتی قوت دولت عثمانیہ کے مقابلہ کی تاب نہ رکھتی تھی۔ اسلئے سنیٹ نے پوپ آف روم اور چارلس پنجم سے استمداد کی۔ اور اس طرح ایک بہت بڑا جنگی بیڑا فراہم کیا۔ جسمیں خاص وینس کے اسی جہاز۔ روم کے چھتیس ۳۶۔ اور اسپین کے تیس ۳۰ بڑے اور پچاس ۵۰ چھوٹے (گیلون) کُل ملاکر قریباً دو سو جنگی جہاز۔ ساٹھ ہزار چیدہ جوان۔ اور دو ہزار پانسو ضرب توپ شامل تھے پوپ کی طرف سے جنرل کیمپلو اور وینس کیطرف سے مشہور کارآزما جنرل

پریویسا کی جنگ۔

یورپ کی مجموعی قوت

کریانی سردار تھے۔ یہ تمام مجموعی قوت امیر البحر ڈوریا کی کمان میں جو چارلس کیطرف سے تھا بماہ ستمبر آئی اونین کی طرف بڑھی۔ اور جسوقت خیر الدین جزیرہ کینڈیا کو تاخت و تاراج کر رہا تھا تو اُسکو اطلاع ملی کہ افواج ثلاثہ پریویسا کے قریب لنگر انداز ہیں اگرچہ اُسکی قوت نسبتًا بہت کم تھی اور نہ سامان جنگ ہی کافی تھا۔ لیکن مشہیران قسطنطنیہ والجزائر مثل

ترکوں کی مجموعی قوت

طرغد پاشا۔ مراد رئیس۔ صنعان رئیس۔ صالح رئیس۔ اور قریبًا بیس مصری نامور شجاع جہازوں سمیت اُس کے ہمراہ تھے۔ تاہم ان سب کی مجموعی قوت ملاکر ایک سو چالیس جہازوں سے زیادہ نہ تھی۔ اس مختصر بیڑے کو لیکر کپتان پاشا بیباکانہ شمال کیجانب چلا۔ اِس اُمید پر کہ بالا بالا اڈریاٹک میں داخل ہوکر دشمن کو خدعۃ الحرب سے جنوب میں لے آئے۔ یہ ایک شطرنج کی سی چال تھی مگر پریویسا کے قریب پہنچکر اُسکو جاسوس کشتیوں سے معلوم ہوا کہ افواج ثلاثہ اب کارفو کیطرف لنگر انداز ہیں۔ خیر الدین نے ذرا بھی تامل نکیا اور فورًا خلیج آرٹا میں داخل ہوگیا۔ یہ ایک ایسا محفوظ مقام ہے کہ بڑے سے بڑے جنگی بیڑے کو پناہ دیسکتا ہے۔ اور جسقدر اندر سے وسیع ہے۔ اُسیقدر اُسکا مدخل تنگ ہے۔ ڈوریا اپنی غلطی سے واقف ہوکر ۲۵ ستمبر کو پھر اسطرف پلٹا۔ مگر موقع گزر چکا تھا۔ اس لئے خلیج مذکور کے دہانہ پر لنگر انداز ہوگیا۔ کیونکہ بڑے بڑے جہاز آسانی سے اندر داخل نہو سکتے تھے۔ خیر الدین کی قوت گو اثنا میں قابل اعتبار تھی مگر مقدار میں نہ تھی اسلئے

خلیج آرٹا

خلیج آرٹا جیسا مقام اُسکے لئے نہایت موزوں تھا۔ یہاں وہ ہر طرف سے محفوظ ہوکر زیادہ سے زیادہ عرصہ تک موقع کا انتظار کرسکتا تھا۔ دشمن کے تغافل سے ہر طرح فائدہ

اٹھا سکتا تھا۔ اور اگرچہ بادی النظر میں یہ ایک خطرہ بھی تھا کہ شاید شیر دل ڈوریا خشکی
کی راہ اوپر سے گولہ باری کرے۔ چنانچہ بعض افسروں نے اِس بات پر زور بھی دیا کہ ساحل
خلیج پر اونچی اونچی سا بیں تیار کیجائیں مگر کپتان پاشا اپنے حریف کی خوبو سے واقف تھا
اور متیقن تھا کہ وہ جہازوں کو توپوں سے خالی کرکے دشمن کی لوٹ کے لئے غیر محفوظ
چھوڑنا گوارا نکرے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ یورپ کے دو نامی امیر البحر ایک دوسرے کے

یورپ اور افریقہ کا مشہور مقابلہ

مقابل ڈٹ رہے تھے۔ مگر ایک بھی افتتاح جنگ کی جرأت نکرتا تھا۔ آخر دو روز بعد
۲۷ ستمبر کی صبح کو ایک عجیب نظارہ پیش ہوا۔ یعنی افواج ثلاثہ خلیج کے دہانہ سے آہستہ
آہستہ شمال کیطرف جاتی دکھلائی دیں۔ ترک اِس خدعی جنبش کو ہزیمت سمجھے اور جوش
مسرت سے خود رفتہ ہوکر تعاقب میں چلے۔ مگر کپتان پاشا اِس چال کو پہچان گیا تھا
اُسنے ترکی افسروں کو روکا۔ اور تبسم سے پوچھا کہ "ایں! کیا سچ تمہارے دشمن تم سے ڈرکر
بھاگ گئے ہیں؟ نہیں۔ وہ تمھیں خلیج سے باہر نکالنا چاہتے ہیں۔ خبردار! سنبھلو!" اگلے
دن جاسوس کشتیوں سے معلوم ہوا کہ دشمن بجائے شمال کے۔ باد مخالف کے صدمے سے
تین میل جانب جنوب سانٹا موارا پر لنگر انداز ہے تو خیر الدین سمجھا کہ اب وقت ہے۔ چنانچہ
میمنہ طرغد پاشا کو اور میسرہ صالح رئیس کو دیکر اور خود ہراول کو لیکر شیر ببر کی طرح اِس کمینگاہ
سے نکلا۔ اور اسقدر جلد دشمن کو جالیا کہ ڈوریا جہازوں کو ترتیب بھی نہ دے سکا۔ عجلت میں

جنگ کے کوائف

خلاصیوں کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ جہاز بلیوں کے قابو سے باہر تھے اور بلیاں خلاصیوں
کے قابو سے۔ بیڑے کا ایک جری حصہ جسمیں خاص وینس کے بڑے بڑے اور کارآمد جنگی

جہاز تھے۔ کینڈل میرو کے ماتحت بہت پیچھے تھا۔ اور حصوں کی بھی یہی کیفیت
تھی۔ ڈوریا تین گھنٹے تک اسی شش و پنج میں رہا۔ آخر بڑھنے کا سگنل دیا۔ سیجر
کینڈل میرو برابر سے نکلکر پہلے سے تیغ و سپر تھا۔ اور قریب قریب تمام جہاز دشمن کے
تیر و تفنگ کی نذر کر چکا تھا۔ تاہم ترکوں نے ابھی تک کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہ کی
تھی۔ بلکہ وینس کے اونچے اونچے جہازوں کی آتشبار منجنیقوں سے اُن کے دو عالیشان

مقابلہ

جہاز غرق ہوگئے اور ایک کا مستول ٹوٹ گیا۔ علاوہ ازیں ہوا کا رُخ بھی موافق نہ تھا
اور اگر ڈوریا بجائے خدعۃ الحرب کے مسائل حل کرنے کی ذرا بھی جرأت کرتا تو آج
ترکی بربری اقتدار کا خاتمہ تھا۔ خود یورپین مورخ تعجب کرتے ہیں کہ وہ کیوں آگے بڑھکر
مقابلہ کرنے سے تامل کرتا تھا۔ گریمانی اور کیپلو نے اُس سے بحث کی۔ ہر چند
منت سماجت کی۔ دھمکی دی۔ تنہا مقابلہ کرنے کی اجازت مانگی۔ مگر یورپ کا

اہل وینس کو شکست

امیر البحر چالیں ہی سوچا کیا۔ ترک ہر جنبش پر آگے بڑھتے تھے۔ اور افواج ثلاثہ طرح
دیتی تھیں۔ خیر الدین مردانہ وار حملہ کرتا تھا۔ اور ڈوریا بزدلی سے پیچھے ہٹتا تھا۔ آخر کار
ایک گھمسان کی لڑائی کے بعد ترکوں نے کامل فتح پائی۔ اور دشمن کے بیسیوں جہاز گرفتار کئے
بعض مورخ اِس ناکامی کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور عجب
دلچسپ ترکیب سے یعنی کوائف جنگ کے سلسلہ میں اخیر پر ڈوریا کی بزدلی کی بحث

نتیجۂ جنگ

لاڈالتے ہیں۔ اور اُسپر خواہی نخواہی اسقدر زور دیتے ہیں کہ نتیجۂ جنگ کا پتہ نہیں
لگتا۔ لیکن مغربی دنیا کے دو جلیل القدر شہنشاہ۔ ایک دینی اور دوسرا دنیوی اور ایک

متقدر ریاست کی متحدہ قوتوں کا صرف ایک سو بیالیس جہازوں سے منہزم و پسپا ہونا
کوئی معمولی واقعہ نہیں۔ اس سے نہ صرف ترکوں کا بحری اقتدار تمام جنوبی یورپ میں
مستحکم ہی ہوا بلکہ یورپ کے آیندہ مقابلہ کرنیکے حوصلے بھی پست ہوگئے۔ صاحبقران اُس
وقت یامبول میں تھا جبکہ نوید فتح پہنچی۔ اُسنے اس خوشی میں تمام شہر میں روشنی کرائی
اور جشن عام کیا۔ اور خیرالدین کو خطابات اور بیش بہا خلعت عطا کئے۔ نیز ایک لاکھ اسپر
(ایک قسم کا سکہ) اضافہ سالانہ تنخواہ میں منظور کیا۔[۱]

اگلے برس اُسکو ایک مرتبہ اور بحیرہ اڈریاٹک میں تیغ و سپر ہونا پڑا۔ اس کی
یہ کیفیت ہو کہ بحری جنگ میں ناکام ہوکر افواج ثلاثہ چھوٹے چھوٹے بری حملوں پر
اتر آئیں اور پریویسا سے آگے بڑھکر قلعہ نوفو پر حملہ آور ہوئیں۔ ترکی محافظین نے بڑی
دلیری سے مقام مذکور کو بچایا۔ مگر کمی اور کمزوری کے سبب آخرکار مغلوب ہوگئے۔ اگرچہ
جنوری میں ایک مختصر بیڑا اجازات قسطنطنیہ سے بطور کمک پہنچا۔ مگر قلعہ فی الجملہ ہاتھ
سے نکل گیا۔ اسلئے خیرالدین قریبًا دو سو جنگی جہاز لیکر جولائی ۱۵۳۹ء میں تلافی مافات
کے لئے چلا۔ اہل اسپین جو قلعہ کے عارضی محافظ تھے خلیج کٹرو میں داخل ہونیسے
بہت کچھ سدّراہ ہوئے مگر ایک پیش نہ گئی اور ترکی کپتان نے بزور شمشیر اندر گھسکر
اور قریبًا اسی توپیں کنارہ پر جماکے گولہ باری شروع کردی۔ ۱۷۔ اگست کو ایک ہلّہ سے
بیرونی فصیل پر قبضہ کرکے تین دن بعد قلعہ سر کرلیا۔ ڈن فرانسسکو نے جمعیت

قلعہ نوفو کا محاصرہ اور فتح

سنہ ۱۵۳۹ء

[۱] ترجمہ کشف الظنون حاجی خلیفہ۔ صفحہ ۶۲ ۔ مارگن صفحہ ۷۲۔ مارگن جلد ۲ صفحہ ۱۵۵۔ لین پول صفحہ ۱۰۴

سمیت اپنے آپ کو محاصرین کے سپرد کر دیا۔ اور ناظرین کو یہ سنکر تعجب ہوگا کہ اہل
اسپین کے برخلاف جنھوں نے چند ماہ پیشتر ترکی محصورین کے ساتھ باوجود اطاعت
وحشیانہ سلوک کئے تھے۔ خیر الدین فرانسسکو اور اُسکے دلاور رفیقوں سے حد درجہ کی
مہر و ملاطفت سے پیش آیا۔ اس معرکہ میں چارلس کے تین ہزار شجاع کھیت رہے۔ یہ ترکی
بربری بیڑے کا کمال اقتدار تھا۔ شرق سے غرب تک تمام ممالک و جزائر واقع بحیرۂ روم
زیر نگین سلیمانی تھے۔ اور کل ہمسرو ہمسایہ سلطنتیں باب عالی پر جبہ سائی کرتی تھیں۔
وینس جنیوا۔ اسپین۔ اٹلی۔ جو سولھویں صدی میں جنوبی یورپ کی مشہور بحری طاقتیں
تھیں۔ خیر الدین سے زک اُٹھا چکی تھیں ۱۵۳۹ء سے ۱۵۴۲ء تک ہمارے ہیرو کو

ترکوں کا بحری اقتدار

ایلغار کرنے کا بہت کم اتفاق ہوا۔ بلکہ نہیں ہوا۔ اِس عرصہ میں اُسنے صاحبقران کو
صیغۂ حربیہ کی اصلاح و ترقی میں نہایت قابل قدر امداد دی۔ ہونہار نوجوانوں کو اعلیٰ
مناصب پر پہنچنے میں جو اکثر مزاحمتیں پیش آتی تھیں اُنکو رفع کیا۔ اور ایسے ترغیب دلانیوالے
قواعد مرتب کئے جن سے ہر قابل شخص بلا غیر ضروری وقت کے صیغۂ بحری میں داخل ہو سکے
اور زنگر و ٹ کوشش کر کے جلد کارآزما سپاہی بن سکیں۔ ۱۵۴۳ء میں ایک مرتبہ اَور
اُسکو ساحل اٹلی پر حملہ کرنے کی ضرورت ہوئی۔

صیغۂ بحری حرب میں اصلاحیں

یہ بیان کیا گیا ہے کہ فرانسس اول اور چارلس پنجم بوجہ ہمچشمی و ہمسائگی
کے باہم مخالف اور اکثر تیغ و سپر رہتے تھے۔ چنانچہ ۱۵۴۳ء میں ان دونوں میں
ایک جنگ چھڑی۔ چارلس بیرونی امداد سے ہر طرح مستغنی تھا کیونکہ وہ قریباً آٹھ سلطنتوں کا

کپتان پاشا اور فرانس

فرمانروا تھا۔ فرانسس کو اعانت کی ضرورت تھی۔ بالخصوص جبکہ خلاف توقع ہنری
ہشتم شاہ انگلینڈ نے اس موقع پر نہایت سرد مہری کے ساتھ پہلو تہی کی۔ اسلئے بابعالی
نے اپنے رفیق و حلیف دیرینہ کو مدد دینا ضروری سمجھکر کپتان پاشا کو اس آخری خدمت
پر مامور کیا۔ اور ڈیڑھ سو جنگی جہازوں کے ساتھ قسطنطنیہ سے روانہ کیا۔ اُسنے ابنائے مسینا
سے گزر کر ساحل کلیبیریا کو تاخت و تاراج کیا۔ ریجیو پر حملہ کرکے وہاں کے گورنر کے
بیٹے کو گرفتار کیا۔ اور ساحل اٹلی کے برابر برابر دریائے ٹائبر کے دہانہ کے پاس سے
گزرتا اور شہر سیوٹا وچا کے باشندوں کو دھمکاتا جولائی تک خلیج لائنس میں داخل ہوا
امیر البحر فرنکس ڈی بوربون (ڈیوک آو انجین) جو فرانسیسی بیڑے کی کمان لئے اس کا
منتظر تھا۔ نہایت اعزاز و اکرام سے ترکی بیڑے کو بندرگاہ مارسیلز میں لے آیا۔ دول
یورپ کو ترکوں کی امداد مذہبی اور قومی دونوں لحاظ سے اسقدر سخت ناگوار گزری کہ فرنچ
گورنمنٹ کی اس تجویز کو ہر شخص حتی کہ خود فرانسیسیوں نے بھی نہایت نفرت و ذلت کی
نگاہ سے دیکھا۔ تاہم کچھ عرصہ قیام کرنیکے بعد متحدہ بیڑے نائس کی طرف بڑھے جو اٹلی کا
مغربی باب فتح کہلاتا ہے ایک خفیف سی گولہ باری کے بعد شہر فتح ہوگیا۔ مگر قلعہ بدستور
سرکش رہا۔ خیر الدین نے جب اس موقع پر ایک مرتبہ فرانسیسی جہازوں کا ملاحظہ کیا اور سپاہیوں
کے سامان کا جائزہ لیا تو افسروں کو نہایت زجر و توبیخ کیا۔ اور کہا کہ "تم کیسے سپاہی ہو
کہ بارود کے بنڈل پیچھے چھوڑ آتے ہو اور شراب کے پیپے جہازوں میں ساتھ بھر لاتے ہو
افسوس تمھارے پاس نہایت ضروری سامان جنگ بھی موجود نہیں" افسروں نے ندامت

ظاہر کی اور خود فرانسیسی امیر البحر کی منت سماجت سے کپتان پاشا کا غصہ فرو ہوا۔[۱] چونکہ فریقین میں صلح ہو گئی۔ اسلئے متحدہ بیڑے سرما کے قریب فرانس کو واپس آ گئے۔ اس کے علاوہ بحیرۂ روم میں اور بھی چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوئیں۔ جن کی تفصیل غیر ضروری معلوم ہوتی ہے۔ اس عرصہ میں ترکی بیڑہ بندرگاہ ٹولون میں مقیم رہا۔ خیر الدین جب کامیابی کے ساتھ واپس قسطنطنیہ ہوا تو فرنچ گورنمنٹ نے سپاہیوں کی تنخواہ۔ کافی سامان زاد راہ۔ اور بیش بہا تحائف مصارف جنگ ادا کئے۔ اور چار سو مسلمان غلام جو فرانسیسی جہازوں پر غلامی تھے آزاد کئے۔

نائس کی مہم سے فارغ ہو کر خیر الدین بحری مشاغل سے بالکل دستکش ہو گیا اور دو سال تک آزاد و فارغ البال زندگی سے مسرور الوقت رہکر جولائی ۱۵۴۶ء میں مر گیا۔ اور بشکطاش میں دفن ہوا۔ اس کا سن وفات "مات امیر البحر" (۹۵۳ھ) سے نکلتا ہے۔ یہی کتبہ اسکی قبر پر کندہ ہے۔

خیر الدین کا کیرکٹر

وفات پر خیر الدین کی عمر قریباً نوے برس کی تھی بھائی کی طرح کچھ بلند و بالا نہ تھا مگر وجیہ و شکیل تھا۔ بدن مضبوط اور گٹھا ہوا۔ ڈاڑھی اور پلکوں کے بال لمبے اور معمول سے زیادہ گنجان تھے جو کبھی عالم شباب میں مشکفام ہونگے۔ مگر اب اُن پر صبح کی چاندنی سی چٹکی تھی۔ آنکھیں پُر روشن متجسس اور ایک ایسے اولوالعزم و دلیر دل کا پتہ دیتی تھیں جو مذبذب ہونا نہ جانتا تھا۔ چہرہ سے اس درجہ کا جلال و جبروت مترشح تھا جو اکثر ذرا خلاف طبع امر سرزد

---

[۱] لین پول صفحہ ۱۰۶ تا صفحہ ۱۱۰۔ ایڈورڈ کریسی باب ۹۔

ہونے پر متحرک تو جلد ہو سکتا ہے مگر مرافعہ بدون ساکت دیر میں ہوتا ہے شیر میدان رزم۔ ماہر الملک و دانشمند۔ حملہ کرنے میں انتہا درجہ کا محتاط۔ مگر حملہ کرتے وقت اسقدر تیز و تند کہ صفیں کی صفیں درہم و برہم ہو جاتی تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ خیر الدین اپنے زمانہ کا ایک عدیم المثال اور یکتائے روزگار امیر البحر تھا۔ مغلوب دشمنوں سے بمہر و بلاطفت پیش آتا۔ ماتحت افسروں اور سپاہیوں کو شائستہ مگر خوش رکھتا۔ بحری رزمی مذاق اس شخص میں اسقدر اعلیٰ درجہ کا تھا کہ جہاز ساز سے لیکے خلاصی تک اور ملاح سے لیکے امیر البحر تک تمام منصبداروں کے کام بڑے ذوق شوق سے خود کر سکتا۔ دولت عثمانیہ کا سچا جان نثار و بہی خواہ تھا۔ اسکی چہاردہ سالہ حسن خدمات پر عثمانیوں کو ہمیشہ ناز رہیگا۔ صاحبقران اسکی اس درجہ قدر و منزلت کرتا تھا کہ آخری دو سال میں جبکہ وہ عزلت نشین ہو گیا تھا اسکو ہر وقت حضور میں رکھتا تھا۔ اور اسکی تجربہ کار رائے کو ہر امر نیک و بد میں مقدم سمجھتا۔ ترک عام طور پر اسکی عزت کرتے تھے چنانچہ وفات کے بعد عرصہ دراز تک یہ رسم جاری رہی کہ جب کوئی ترکی بیڑا کسی مہم پر جاتا تو اسکی قبر پر فاتحہ دیکر اور اسکی عزت میں ایک توپ سلامی سر کرکے گولڈن ہارن سے لنگر اٹھاتا۔[1]

---

[1] لین پول صفحہ ۹۲ - ۹۳ - ۱۱۱

چھٹا باب

الجزائر۔ یورپ کا ایلغار

اگرچہ قسطنطنیہ میں ہم خیر الدین کو مرحوم و مدفون کر آئے ہیں۔ مگر الجزائر میں وہ ابھی زندہ ہے۔ کیونکہ یہاں کے واقعات ہم ذرا پیچھے ہٹ کر ۱۵۴۱ء سے مسلسل بیان کرینگے۔

یہ ظاہر ہے کہ اس نامور شجاع کی غیبت میں الجزائر کو نقصان پہنچنے کا احتمال تھا لیکن مہلک نقصان نہ پہنچ سکتا تھا کیونکہ خیر الدین نے بنظر دور اندیشی پہلے ہی ایک حسب دلخواہ جانشین منتخب و مقرر کر دیا تھا۔ یعنی حسن آغا جو ایک لائق اور منتظم شخص تھا چنانچہ بعد کو کپتان پاشا کے انتقال پر بابعالی نے بھی اس انتخاب سے مخالفت نہیں کی ادھر بحیرۂ روم کی حکومت کے لئے وہ وہ دلیر کپتان موجود تھے جن کو یورپ آج تک رشک و خوف سے یاد کرتا ہے یعنی طرغد پاشا۔ صالح رئیس۔ صنعان رئیس وغیرہ جو فتوحات یورپ میں گویا اُسکے دست و بازو تھے غرضکہ تخت الجزائر کو کوئی مہلک نقصان تو نہ پہنچ سکتا تھا۔ البتہ یہ ضرور ہوا کہ بد اندیشوں کو خلل انداز ہونے کا موقع ملگیا۔ یعنے اہل اسپین نے جن کی مستعار حربی شجاعت اور مبارزت کا رنگ کپتان پاشا کے دلیرانہ حملوں سے پھیکا پڑ گیا تھا۔ یک بیک سنبھالا لیا۔ اور شاہ چارلس میدان خالی دیکھکر الجزائر کی بساط اُلٹنے کے لئے اُٹھا۔

اگرچہ اس قسم کے ایلغار کے لئے موسم گرما زیادہ موزوں تھا چنانچہ امیر البحر
ڈوریا اور اور فوجی سرداروں نے اسی پر زور دیا۔ نیز چارلس کے قبلہ و کعبہ اسقف اعظم
پال ثالث نے بھی عند الاستخارہ یہی ہدایت فرمائی۔ لیکن افسوس کہ یہ عمدہ موسم اتفاق سے
جرمنی اور فلنڈرز کے بعض اہم اور پیچیدہ معاملات کے سلجھانے میں صرف ہو گیا۔ اور
اب اکتوبر میں چارلس کو فرصت ملی۔ جبکہ طوفان خیز موسم کا آغاز تھا۔ اسپین کے
مجاہد چھ برس سے اس مبارک غزوہ کے منتظر تھے۔ شاہی جہاز مدت سے الجزائر کا راستہ
بھول گئے تھے حتیٰ کہ جہازوں کے وہ حلقہ بگوش مسلمان خلاصی جو ۱۵۳۵ء کے
معرکہ ٹیونس میں گرفتار ہو کر رسم جنگ کے بموجب شاہی جہازوں پر پابزنجیر بلیاں چلاتے
تھے۔ تہ دل سے دعائیں مانگتے تھے کہ کسیطرح اسپین اور بربر میں پھر ایک مرتبہ کشمکش
جانفروشی ہو شاید خلاصی کی کوئی شکل نکل آوے۔ آخر اکتوبر ۱۵۴۱ء میں یہ تمام امیدیں
بر آئیں۔ اور شاہ چارلس نے خود بندرگاہ اسپیزا سے ڈوریا کے علمبردار میں سوار ہو کر
شاہی بیڑے کو ڈیوک آدالوا کی کمان میں جنوب کی طرف سے چلتا کیا۔

بندرگاہ سے نکلتے ہی بیڑے کو آفت کا سامنا ہوا یعنی سمندر میں ایک سخت
طوفان برپا ہوا۔ جسکے صدمہ سے تمام جہازات مخالف سمت کو ہو گئے۔ مگر حسن اتفاق سے
جزیرہ کورسیکا قریب تھا۔ امیر البحر نے یہاں پناہ لی۔ اور طوفان فرو ہونے پر کئی روز
بعد پھر لنگر اٹھایا اور خشکی کے قریب قریب سواحل بحر اعظم کے ساتھ پھونک پھونک کر
قدم رکھتا اور معاون بیڑوں سے زور مند ہوتا چلا۔ جزیرہ منورکہ کے قریب پہنچکر وہ بلا نازل

۱۵۴۱ء میں الجزائر کا محاصرہ

ہوئی جو جہازرانوں کا سب سے بڑا کھٹکا ہے۔ یعنی مسٹرل جسکے صدمہ سے مستول ٹیڑھے ہو گئے۔ پال کے ڈنڈے پھٹ گئے۔ بادبانوں کی دھجیاں اُڑ گئیں۔ اور جہاز قابو سے بالکل باہر ہو گئے۔ مگر کمبخت پابزنجیر خلاصیوں کو بجز اسکے کچھ چارہ نہ تھا کہ کشش و کوشش کریں اور بڑھیں۔ اپنی جانوں کے لئے بڑھیں۔ چارلس کے لئے بڑھیں مگر بڑھیں۔ چنانچہ بندرگاہ موہن تک جو نہایت قریب یعنی کل سات میل تھی پوری نصف شب میں کشاں کشاں پہنچ سکے۔ جزیرہ مجورکہ ان متحدہ بیڑوں کا مقام اتصال تھا۔ اور یہاں آبنائے پاما میں جنوبی یورپ کی تمام بحری قوتیں ایک الجزائر سے ٹکرانے کے لئے اکٹھی ہوئیں۔ آؤ! ان کا جائزہ لیں۔

سب سے اول اسپین کا خاص شاہی بیڑا جس میں ایک سو جنگی جہاز جرمنی اور اٹلی کے چیدہ دلاوروں کی حفاظت اور کولونا اور اسپی نوزا جیسے نامور سپہ سالاروں کی کمان میں تھا۔ پھر جزیرہ سسلی کی پوری بحری قوت جو گونزاگو نے بغرض اظہار اطاعت بھیجی تھی۔ پھر نیپلز اور پلرمو کے ڈیڑھ سو جنگی جہاز۔ پھر نوڈی منڈوزا کے دو سو جہاز جنمیں نامی قلعہ شکن توپخانہ اور دیگر اسلحۂ جنگ و لوازم محاصرہ کے علاوہ ہزاروں وہ نامور بہادر تھے جن کی شجاعت و نبردآزمائی پر صرف اسپین ہی کو ناز نہ تھا بلکہ وہ آپ بھی ناز کرتے تھے۔ مثلاً کورٹیز فاتح میکسیکو۔ کُل ملاکر زاید از پانصد کوہ پیکر جنگی جہاز۔ توپخانہ بارہ ہزار بحری اور چوبیس ہزار بری فوج تھی۔ انپر قدسی نفس اسقف اعظم کا لشکر دعا اور شامل کرو۔ اس خدائی قوت کو لیکر چارلس نے الجزائر کا رُخ کیا۔

شاید کبھی ایک شہنشاہ کو کبھی کسی مہم میں اسقدر پختہ امید کامیابی نہوئی تھی
جسقدر کہ اسپین تھی۔ اصل میں وہ ۱۵۳۵ء کے معرکہ ٹیونس پر پھولا ہوا تھا۔ وہ یہ سمجھتا تھا
اور درست سمجھتا تھا کہ اس مہیب اور عظیم الشان بیڑے کی رویت اول ہی اہل الجزائر کے
حوصلے پست کردیگی۔ خلاف صورت میں زیادہ سے زیادہ صرف ایک ماہ میں اُن کی قسمت کا
فیصلہ ہو جائے گا۔ اور یہی سبب تھا کہ اُسنے موسم کی ناموافقت۔ ساحل بربر کی خاصیت
کی ذرا بھی پرواہ نکی اور نکل کھڑا ہوا۔ اور لطف یہ کہ اسپین کی پرجمال لیڈیوں کو بھی ساتھ
لیتا گیا۔ شاید اسلئے کہ الجزائر کی شہر پناہ میں مظفر و منصور داخل ہوتا دیکھکر چیرز دیں۔ لیکن
افسوس کہ یہ ایک حقیقت اور تلخ حقیقت ہے کہ یورپ کو اپنی متحدہ قوتوں سے حریفوں پر فتح
پانا انیسویں صدی سے پیشتر ایک دفعہ بھی نصیب نہیں ہوا۔ حریفوں کے ملک پر انکا یلغار
بجز نام کے باقی ہر طرح ہولی وار (جہاد) ہوتا تھا۔ اور اُن کا ہر ہولی وار جنگ بیت المقدس
۱۰۹۹ء کی ماقبل یا مابعد نظیر تھی۔ اور ہمیشہ اس فقرہ پر ختم ہوتا تھا "گاڈ ول بی ڈن"
یعنے تقدیر الٰہی پوری ہوئی"۔

آخر کار ۱۹۔ اکتوبر ۱۵۴۱ء کی مبارک صبح کو شاہ چارلس کی نظر "مامن غارتگری"[1]
پر پڑی۔ اگرچہ اس سے پیشتر اُسکو اکثر الجزائر کے آس پاس سے گزرنے کا اتفاق ہوا تھا۔ مگر شہر کو
زیادہ متجسس و مطمئن نظر سے نہ دیکھا تھا۔ وہ خاص قطعہ آب جو ساحل الجزائر کے دو نکلے ہوئے
سنگلاخ گوشوں کے بیچ میں بشکل ہلال واقع ہے۔ خلیج الجزائر یا بندرگاہ الجزائر کہلاتا ہے

[1] یورپین مورخ الجزائر کو اسی نام سے موسوم کرتے ہیں۔

حقیقت میں یہ دوسرا گولڈن ہارن[1] (شاخ سطلا) ہے۔ اسکا مغربی ساحل جو کشینہ کہلاتا ہے
مشرقی ساحل سے کچھ زیادہ ناہموار اور اونچے نیچے ٹیلوں سے معمور ہے جسپر مدبصر تک
بیشمار پختہ مکانات اور خوبصورت خمیدہ قامت عمارتیں سلامی کی روش پر قطار در قطار پیچ تک
بلند ہوتی چلی گئی ہیں ایسی ترتیب سے کہ ایک معمولی دوربین سے فصل بین الاقطار یعنی شہر
کے تنگ اور سرنگ نما کوچہ و بازار صاف دکھائی دیتے ہیں اور بیچ میں وہ عظیم الشان قلعہ
سر بفلک کشیدہ ہے جسنے خاندان باربروسہ کے دو اولوالعزم ممبروں کا جلوس دیکھا ہے۔
مشرقی ساحل پر وہ مضبوط سد آب دکھائی دیتی ہے جسکو خیرالدین نے چارلس کے
قلعہ پی نن کو مسمار و منہدم کرکے اُسکے لوازم و مصالحہ سے اور اسپینش غلاموں کی مدد سے
تیار کرایا تھا۔ فصیل شہر نہایت مضبوط اور سنگین ہے جسکے دو دروازوں میں سے شمالی کو
باب الوید اور جنوبی کو باب الاذن کہتے ہیں۔

کپتھالک بیڑا کشینہ سے عمداً پہلو بچا کر اور جہازوں کے بادبان سمیٹ کر شہر
کے جنوب میں ساحل کے اُس نشیب حصہ پر لنگر انداز ہوا جسپر نضارت و تر و تازگی کی کثرت
سے ایک زمردین فرش بچھا نظر آتا ہے۔ تین دن تک تو اہل الجزائر کو مزاحمت کی ضرورت ہی
نہوئی کیونکہ آندھی اور مینہ کے ایک سخت طوفان نے حملہ آوروں کے قدم نہ جمنے دیے چوتھے
روز طوفان فرو ہونے پر عربی اور بربری فوج کے ایک مختصر دستہ نے خفیف سی مزاحمت کی
بالآخر کیتھالک فوجیں سامان محاصرہ سمیت خشکی پر اُتر کر خیمہ زن ہوگئیں اور اگلے روز شہر کی

[1] دنیا کی مشہور بندرگاہ جو شکل میں سینگ سے مشابہ ہے اور قسطنطنیہ کی قدرتی حفاظتوں میں سے ہے

کہ سامان آذوقہ و آسایش کے جہازوں کا انتظار کریں۔ علی الصباح شہر کی طرف جو چند میل کے فاصلہ پر تھا اِس ترتیب سے بڑھیں کہ شجاعان اسپین میسرہ بن کر پہاڑ کے ساتھ ساتھ چلے۔ بیت المقدس کے ڈیڑھ سو مجاہدین جو ایسے موقعوں پر مقدمتہ الجیش ہوتے تھے میمنہ بن کر ساحل سمندر کیطرف سے بڑھے۔ اور دلاوران جرمنی کو چارلس نے خاص اپنی کمان میں لیکر قلب کو سنبھالا۔ باقی فوجیں عقب پر جمائی گئیں۔ ادھر سے عربوں اور بربریوں کی چھوٹی چھوٹی جمعیتیں جو سنگلاخ بلندیوں کی آڑ۔ کسی چٹان کے جوف۔ یا گھاٹیوں میں جابجا چھپی ہوئی تھیں۔ اُنھوں نے سخت مزاحمت کی۔ اور بڑے بڑے پتھر لڑھکا کر یا تیر تفنگ برسا کر بیشمار جانیں ضایع کیں۔ اور بہت سے سپاہی گرفتار بھی کئے۔ مگر محاصرین نے بڑھ بڑھ کر قدم رکھا اور آخر شہر پر پہنچکر فصیل کے گرد پھیلگئے۔ حسن آغا اپنی مختصر سی قوت کو جس میں کل آٹھ سو ترک اور پانچہزار عربی اور اندلسی جوان تھے سنبھالکر مقابلہ کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور گو شاہ چارلس نے بطور اتمام حجت اُسکو شہر سپرد کردینے کا پیام دیا۔ مگر حسن نے یہی جواب دیا کہ "تلوار آپ فیصلہ کر دے گی"۔

اِسوقت فریقین کی متضاد حالتوں کو دیکھ کر معلوم ہوتا تھا کہ آج الجزائر کی ساعت ناگزیر آن پہنچی۔ یورپ کی تمام نامورانہ شجاعت ایک شیر دل جرنیل کے ماتحت بجز شمالی سمت کے ہر طرف سے شہر پناہ پر جھکی تھی۔ باب الاذن کے عین مقابل اور اُسکے دونوں جانب شاہی توپخانہ گولہ باری کے لئے فلیتہ کا منتظر تھا۔ شجاعان جرمنی۔ اٹلی۔ اسپین اور پُرجوش مجاہدین بیت المقدس اِس "مامن غارتگری" کو غارت کرنے پر تُلے کھڑے تھے

کہ یکایک ایک مہیب طاقت انسانی طاقت سے بالاتر طاقت نے اگر بساط اُلٹ دی۔ سمت مخالف سے ایک گھنگور گھٹا اٹھی۔ آندھی اور مینہ کا اسقدر سخت اور جہاں آشوب طوفان آیا کہ سنگین چٹانیں اور پولاد فصیلیں صدمۂ تلاطم سے سہمتی تھیں۔ بجلی چمکی۔ رعد کڑکی۔ مینہ شدت سے برسا۔ کائنات الجو میں اسقدر تہلکہ مچا کہ معلوم ہوتا تھا گویا آج آسمان کے سیارے بھی اپنے محوروں پر گھوم گھوم کر ابخرا کیطرف سے لڑ رہے ہیں تیز برفیلی ہوا کے جھونکے قریب کی پہاڑیوں سے یا فصیل شہر سے ٹکرا ٹکرا کر اور رُخ بدل بدل کر ہر طرف سے محاصرین کا مقابلہ کرتے تھے۔ اوپر سے مینہ نیچے سے کیچڑ۔ نہ پناہ کے لئے کوئی خیمہ و خرگاہ تھا۔ نہ سہارے کیلئے سامان آذوقہ۔ بیچارے سخت سپاہیوں نے اس شب کربِ بلا کو تڑپ تڑپ کر کاٹا۔ صبح بھی قیامت تھی۔ کیونکہ تیز برفیلی ہوا اس سردمہری سے حملے کرتی تھی کہ اعضا قابو سے باہر ہوئے جاتے تھے۔ مزید براں توسدانوں میں بارود کا پانی بنگیا تھا۔ اس حالت میں ترکی دستہ نے دفعتہً نکلکر اسقدر سخت حملہ کیا کہ اگر اسکو پرجوش مجاہدین بھی نہ سہتے تو محاصرہ کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ انھوں نے ترکوں کو نہ صرف جواب ہی دیا بلکہ باب الاذن تک انکا تعاقب بھی کیا۔ تعاقب میں محصورین نے تو جھٹ پٹ شہر پناہ میں گھستے ہی دروازہ بند کر لیا۔ مگر متعاقبین جو جھلائے ہوئے شیر کی طرح بدون تامل اندھی بڑھے چلے آتے تھے۔ دروازہ سے پلٹے۔ پلٹتے وقت عربوں نے فصیل کے مورچوں اور برجوں سے اسقدر سخت آتشباری کی کہ کشتوں کے پشتے بندھ گئے۔ اور مجاہدین کی جمعیت بہت کم رہ گئی۔

محاصرین کی قوت کو مضمحل دیکھکر حسن آغا نے ایک باقاعدہ اور آخری حملہ کرنے کی تیاری کی۔ اور پانسو چیدہ سواروں کو ترتیب دیکر خود کمان لی۔ یہ سب بآن واحد گھوڑوں کو مہمیز کرکے اُس ڈھلوان بلندی سے محاصرین پر دفعتًہ ٹوٹ پڑے۔ اٹلی کے بہادر دستے نے جو عین زد پر تھا ذرا بھی مقابلہ کیا اور فورًا پشت دیدی۔ یہ دیکھکر چارلس نے جرمنی دستے کو آگے دھکیلا۔ یہ بھی بدون تیغ و سپر ہوئے پلٹ آیا۔ صرف پُرجوش مجاہدین نے خفیف سا مقابلہ کیا جس سے اُن کی جمعیت اور بھی کم ہوگئی۔ کیتھلک شہنشاہ کی اُس وقت عجب حالت تھی۔ گھوڑے کو مہمیز کئے شمشیر بکف پھرتا تھا۔ اور اپنی شکستہ فوج کو نفرین و ملامت کرکے شرم دلادلا کے مستعد کرتا تھا۔ اِس سے اتنا ہوا کہ حسن آغا جو اپنا کام کرکے شہر پناہ کی طرف پلٹ رہا تھا مسیحیوں نے اُسکو سخت آڑے ہاتھوں لیا مگر بارش کے طوفان نے پھر مزاحمت کی۔ گھوڑے اونچے نیچے ٹیلوں اور ناہموار زمین پر قدم نہ جما سکتے تھے۔ پیادے بلندی سے پھسلتے تھے۔ ہر قدم پر بوٹوں سے پانی کے فوارے چھوٹتے تھے۔ جرنیل، کرنیل، کپتان، سپاہی سب آپس میں سر جوڑے اسطرح کھڑے تھے کہ گویا شجاعت کا ایک غیر متمیز انبار لگا ہے۔ آخر یہ دن بھی یونہی گزرا۔ اگلے روز محاصرین تازہ دم ہونیکے لئے جہازوں کی طرف پلٹ آئے۔ لیکن تباہی و بربادی ساتھ لائے۔ یہاں پہنچکر شمالی سمت سے وہ شدید طوفان آیا جو طوفان نوح اور طوفان عاد و ثمود کی طرح آجتک الجزائر میں "طوفان چارلس"[1] مشہور ہے۔ شدت تلاطم سے یہ حالت تھی

---

[1] "پارلس گیل" دیکھو بین پول صفحہ ۱۱۹

کہ جہاز سامان سے گرانبار۔ زنجیروں سے ٹوٹ ٹوٹ کر آپس میں ٹکراتے تھے۔ اور ہوا کے مختلف جھونکوں سے شتر بے مہار کی طرح سطح آب پر ڈگمگاتے پھرتے تھے کمبخت خلاصی دیوانہ وار جدوجہد کرکے کنارہ پر زقندیں بھرتے تھے۔ اور اکثر کسی نہنگ کا لقمہ ہوتے تھے یا بربریوں کے صید کمند۔ خلاصہ یہ کہ صرف چھ گھنٹے میں ڈیڑھ سو کوہ پیکر جہاز غرقاب ہوئے۔ دو ہزار آدمی کام آئے۔ اور قریبًا بیس جہاز خلاصیوں سمیت کنارہ پر جا لگے جن کو دشمنوں نے سنبھالا۔

امیر البحر ڈوریا نے اس موقع پر یہ بڑی دانشمندی کی کہ قریبًا ایک ثلث جہازوں کو پیشدستی کرکے خلیج ٹمنڈ فاسٹ میں پہنچا آیا۔ جو ایک محفوظ مقام ہے ورنہ آج خلیج الجزائر میں اسپین کا بیڑا غرق ہو گیا تھا۔ اسکی غیبت میں افسروں نے شدت طوفان سے گھبرا کر چارلس کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ جہازوں کو خالی کر دیں اور کنارہ پر ٹھہر کر طوفان کے فرو ہونیکا انتظار کریں۔ مگر ڈوریا نے پہنچکر اس رائے سے سخت مخالفت کی اور کہا کہ "تم کیسے جہازراں ہو کہ خطرہ سے بچنا بھی چاہتے ہو اور مخطور مقام کو محفوظ مقام پر ترجیح بھی دیتے ہو"۔ ایک خفیف سی طفلانہ ضد کے بعد آخر چارلس نے منظور کر لیا کہ باقی ماندہ جہاز بھی جس طرح ہو سکے کشاں کشاں خلیج ٹمنڈ فاسٹ میں پہنچائے جائیں۔ اور خود خشکی کی راہ چلیں چنانچہ خیمہ و خرگاہ اکھڑ کر لادے جانے لگے۔ اور لطف یہ کہ اولوالعزم شیر دل چارلس سامنے خیمہ کے دروازہ میں ایک سفید جبہ پہنے بے حس و حرکت کھڑا تھا۔ اُسکی آنکھیں تو بیشک گردش کرتی تھیں یا صرف ہونٹ ہلتے تھے جن سے وہی

معمولی فقرہ دمبادم نکلتا تھا جسپر شیر دل رچرڈ نے ۱۱۸۷ء میں جنگ بیت المقدس کا خاتمہ کیا تھا۔ یہ کہ "تقدیر الٰہی پوری ہوئی"! توپخانہ۔ میگزین۔ سامان آذوقہ کا بیشتر حصہ بارگراں سمجھکر نظر انداز کیا گیا۔ بھوکے سپاہیوں نے گھوڑوں کے اُبلے گوشت ہی پر قناعت کی۔ اور اب اخیر پر واپسی شروع ہوئی۔

ناکامی فی الحقیقت ایک خوفناک چیز ہے۔ مگر اس بدنصیب فوج کی ناکامی شرمناک بھی تھی۔ نقصان مایہ و شماتت ہمسایہ[1]۔ لیکن اسکا کیا جواب کہ "مشیت ایزدی"! جس طرح سنہ ۴۰۱ قبل المسیح میں زینوفن بے بیلونیا سے[2] اور ۱۸۱۲ء میں نپولین بونا پارٹ ماسکو سے ناکام واپس ہوا تھا[3]۔ اسیطرح آج الجزائر سے چارلس اعظم مع فوج پا پیادہ چلا۔ راستہ ناہموار اور ڈھلوان۔ اُسپر زمردین فرش کے بجاے مدبصر تک کیچڑ کا فرش بچھا تھا جب چلتے تھے تو گھوڑوں اور پیادوں کے لئے قدم قدم پر زنجیر پا موجود تھی۔ جب ٹھہرتے تو یا نیزوں اور برچھیوں پر آرام کرتے۔ یا اس لجلج دلدل میں۔ پہاڑی موسمی ندیاں اکثر سد راہ ہوتی تھیں۔ جنکو شاہ اور سپاہ یکساں طور سے پایاب عبور کرتے تھے

---

[1] کوئی یورپین مورخ نہیں جسنے اس کورانہ فوجکشی پر چارلس کو نفرین نہ کی ہو لین پول سن مانہ کے مشہور وقائع نگار چارلس کو مضحکہ بناتے ہیں۔ باربری کورسیر صفحہ ۱۱۰

[2] قدیم یونان کا مشہور فلاسفر اور سپہ سالار۔ یونانیوں کی ایک کثیر التعداد فوج لیکر سائرس (خسرو) شاہ فارس کو تخت پر قبضہ دلانے اُبھرتا یا اور اُدا سنہ ۴۰۱ قبل المسیح میں گیا تھا۔ اور بابل سے ناکام واپس آیا تھا۔ صعوبت سفر بعد مسافت (۱۱۵۵ فرسنگ) نیز جنگجو قوموں کی مزاحمت سے اُسکی جمعیت کو سخت نقصان پہنچا۔ مورخین یورپ اس واپسی کو "دی گریٹ ریٹریٹ" یعنے "واپسی عظیم" یا "ریٹریٹ آو دی ٹن تھوزنڈ" یعنے "دس ہزار کی واپسی" کہتے ہیں۔ اسلئے کہ یونانی فوج کی تعداد اسیقدر تھی ان میں صرف چند صد آدمی یونان پہنچ سکے۔

[3] نپولین بوناپارٹ نے ۱۸۱۲ء میں سوا پانچ لاکھ فوج کے ساتھ روس پر چڑھائی کی۔ مگر سخت نقصان کے بعد ناکام واپس آیا اس واپسی کو "ریٹریٹ آو دی گرینڈ آرمی" یعنے عظیم الشان فوج کی واپسی کہتے ہیں۔ تاریخ روس مولفہ مارفل ۲۶۷ تا ۲۷۷۔ یہ واقعات تاریخانہ استعارات بنکر یورپین لٹریچر میں داخل ہوگئے ہیں اور اگر یہ اردو میں داخل کئے جائیں تو نازیبا نہوگا

انمیں سے ایک ندی جو زیادہ عمیق اور تیز تھی بُری طرح پیش آئی۔ چنانچہ فوج کے پیراک سپاہیوں نے اُس پار پہنچکر ایک بھدا سا پُل تیار کیا۔ لیکن خاص اپنے ٹوٹے پھوٹے جہازوں کے تختوں سے! وہ جہاز جو "امن غارتگری" کو تباہ کرنے آئے تھے! شرم! شرم! مگر تقدیر الٰہی! ابھی فوج پُل عبور کر چکی تھی کہ حسن آغا کے دلاوروں نے جو ادھر اُدھر کمینگاہوں میں چھپے تھے تیر و تفنگ کا مینہ برسانا شروع کر دیا۔ شجاعان اٹلی ایسی بیموقع چھیڑ چھاڑ کے عادی نہ تھے۔ اور جھینپ جھینپ کر گرفتار ہوتے تھے۔ جرمن جنگجو ٹفن اور حاضری بدون ایک قدم چلنا بھی دشوار تھا۔ دھکے کھا کھا کر بر بریوں کے حلقہ بگوش بنتے تھے۔ ایک صرف ڈیوک آوالوا کا بہادر دستہ اِس کشمکش جانفروشی اور گیرودار میں استقلال کے ساتھ پل سے عبور کر سکا۔

خلیج ٹمینڈ فاسٹ میں پہنچکر بڑی قیل وقال کے بعد یہ قرار پایا کہ فی الحال انتقام سے دست بردار ہوں اور واپس چلیں۔ کیونکہ ایسی خونریز موسم میں نہ تو کامیابی ممکن ہے۔ اور نہ درصورت قیام فوج کے رسد و راشن کا بندوبست ہو سکتا ہے۔ اولوالعزم فاتح میکسیکو (کورٹیز) نے اگرچہ اِس رائے سے مخالفت کی۔ مگر یہ اُسکی کوتاہ اندیشی اور خالی جوش کی دلیل سمجھی گئی۔ اب مسئلہ معاودت تو طے ہو گیا مگر ایک اور مشکل پیش آئی۔ یعنی جہاز تو نصف سے زیادہ تلف ہو گئے تھے۔ اور فوج چھتیس ہزار میں سے صرف ایک ثلث ضائع ہوئی تھی۔ رسالہ اور توپخانہ کے گھوڑے مزید برآں۔ پس سوال یہ تھا کہ زیادہ فوج کو کم جہازوں میں کیونکر لیجائیں۔ آخر چارلس نے کلیجہ پر پتھر دھر کر حکم دیا کہ تمام

گھوڑے غرق کردیے جائیں۔ سوار چلاتے تھے اور اپنے دیرینہ رفیقوں کی اِس سہمناک قسمت پر روتے تھے۔ چنانچہ بڑے بڑے قیمتی عمدہ نسل کے گھوڑے جو اندلس کے عربی نژادوں کی یادگار تھے پانی میں لڑھکا دیے گئے۔ یا سدرمق کی ضرورت میں کام آئے۔

۲۔ نومبر کی صبح کو کوچ کا بگل بجا۔ فوج کا بیشتر حصہ سوار ہو گیا۔ چارلس کا قصد تھا کہ سب سے آخر میں جہاز کو عزت بخشے۔ مگر مشیت ایزدی۔ دفعۃً باد مخالف شروع ہوئی۔ اور آناً فاناً بڑھکر سمندر میں طغیانی پیدا کرنے لگی۔ چارلس نے مجبوراً یہ ارادہ فسخ کیا اور اول جہاز میں سوار ہو کر لنگر اٹھانیکا حکم دیا۔ لین پول لکھتے ہیں۔ اور الجزائر میں بطور کہانی ابھی تک مشہور ہے کہ اس اولوالعزم اور جلیل القدر فرمانروا نے جسکی نسبت کہا جاتا ہے کہ یورپ بھر کی زمام سلطنت تنہا اپنے ہاتھ میں لے سکتا تھا۔ چلتے وقت تاج سر سے اُتارا اور اُسکو سمندر میں پھینک کر کہا کہ "جا! تیری آبرو اسی میں ہے کہ پانی میں ڈبکا غوطے کھائے۔ یہانتک کہ کسی زیادہ خوش نصیب بادشاہ کی نظر تجھپر پڑے۔ میرا سر تیرے لائق نہیں"[1]۔ ادھر طوفان دمبدم شدید اور تیز ہوتا جاتا تھا۔ حتی کہ تمام بیڑا صدمۂ تلاطم سے ڈگمگا ڈگمگا کر اور تہ و بالا ہو کر منتشر ہونے لگا۔ جہازوں نے بلیوں سے سر تابی کی بلیوں نے خلاصیوں کی قوت بازو سے مخالفت کی گیلے ایک دوسرے سے ٹکرائے اہل جہاز شدت برودت سے اور کچھ فاقہ کشی سے تلف ہوئے۔ اِس قیامت انگیز حالت میں چارلس اور

ناکام واپسی

ایک عبرت انگیز واقعہ

[1] لین پول صفحہ ۱۴۲

ڈوریا نے بندرگاہ بوجیہ کو مرمر کے لیا۔ جو اُسوقت اسپین کے ظل حمایت میں تھا۔ سپاہی جہازوں سے اُترتے ہی آذوقہ پر ٹوٹ پڑے۔ اس بُری طرح سے کہ بیچارے اہل بوجیہ مدتوں مرض فاقہ میں مبتلا رہے۔ طوفان ہنوز اُسی شد و مد پر تھا۔ فاقہ زدہ خلاصیوں اور

بوجیہ میں پناہ

ملاحوں نے ہرچند کوشش کی کہ جہازوں کو کسیطرح اسپین تک پہنچائیں۔ مگر "تقدیر الٰہی"! اسّی میل آگے بڑھکر پیچھے ہٹنا پڑا۔ بارہ روز مسلسل بندرگاہ کو درماندہ جہازوں نے اور بوجیہ کو بھوکے سپاہیوں نے زیر بار رکھا۔ بالآخر طوفان فرو ہونے پر ۲۳۔ نومبر کو زائد از ایک ماہ بعد واپس اسپین ہوئے۔ لیڈیوں پر جو کچھ گزری ناگفتہ بہ!

اسپین میں پہنچکر بھی چارلس نے ہر طرف سے بددعائیں ہی سُنیں کیونکہ معمولی سپاہیوں کے قطع نظر تین سو وہ شریف النسل نبرد آزما و دلاور افسر کام آئے جو قوم کے مایۂ ناز شجاعت تھے۔ انپر مہینوں ماتم اور برسوں فاتحہ خوانی ہوا کی۔

اِسطرح یہ بہت بڑا اور مشہور حملہ عزت سے شروع ہو کر ذلت پر ختم ہوا۔ اس میں

حملہ کے نتائج

نہ صرف اسپین۔ اٹلی جرمنی ہی کے بہادر شریک تھے بلکہ یورپ کی تمام سر برآوردہ قوموں کے دلاور بطور مشتے نمونہ از خروارِ شجاعت شامل تھے۔ مثلاً فرانسیس اور سر ٹامس کالونز جیسے انگریزی مجاہد۔ الجزائر پر اس جہاد کا اثر ہوا تو یہ کہ صدہا جنگی جہاز۔ قلعہ شکن توپیں میگزین سامان آذوقہ۔ لوازم عیش و عشرت بے غل و غشت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ اور اسقدر آدمی اسیر جنگ ہوئے کہ الجزائر میں مدتوں بردہ فروشی کا بازار گرم رہا۔ اور یہ ایک ضرب المثل ہو گئی کہ "مسیحی غلام ایک پیاز کے مقابلہ میں مہنگا نہیں"۔ ان سب سے بڑھکر یہ اثر ہوا کہ

الجزائر کا حوصلہ اور قوت پہلے سے ہزار چند زیادہ بڑھ گئی۔ مگر اہل اسپین اسپر بھی اپنی ناعاقبت اندیشی، بدسلیقگی۔ اور سوء تدبیری کے معترف نہوے۔ چنانچہ ایڈمرل جورین ڈی لا نے اِس ایلغار کے کوائف لکھتے وقت آخر پر ایک چبھتا ہوا ریمارک کیا ہی یہ کہ "افریقیہ دساحل الجزائر کی آب وہوا شجاعانہ کاموں کے لئے موزوں نہیں"۔

ساتواں باب

امیر البحر طرغد پاشا۔ ٹیونس پر یلغار۔ طرابلس کی فتح۔ یورپ کی یورش

طرغد کی زندگی کے ابتدائی حالات

طرغد پاشا تاریخانہ واقعات کی ترتیب کے لحاظ سے تو حسن آغا کے بعد ہے لیکن بلحاظ پولیٹکل شہرت خود خیر الدین کا ہم پلہ تھا۔ یہ شخص اصل میں قرمانیہ کے ایک معزز عیسائی زمیندار کا بیٹا تھا۔ مگر طبعًا دلیر اور جنگجو ہونے کی وجہ سے اُس نے ابتدائی عمر میں ایک ترکی جہاز پر ملازمت کر لی۔ اور فن سپہگری اور جہازرانی میں بہت جلد مشاق ہوگیا۔ پھر کچھ عرصہ بعد ملازمت سے مستعفی ہو کر اور ایک چھوٹا سا جہاز خرید کر لیوانٹ میں قزاقی کرنے لگا۔ اس قطعہ آب میں اَور قزاق بھی تھے۔ طرغد نے بہت جلد ان سب میں اسقدر امتیاز حاصل کیا کہ قریبًا بیس قزاقوں نے اُسکو اپنا سردار بنا لیا۔ اِسی اثنا میں خیر الدین نے اِسکی جرأت و دلیری کا شہرہ سُن کر اُسکو الجزائر میں طلب کیا۔ اور بڑی عزت سے پیش آیا۔ چونکہ جزائر قرب و جوار میں جزیرہ نمائے اسپین کے سواحل کے نشیب و فراز سے کما حقہ واقفیت رکھتا تھا اسلیئے خیر الدین نے اُسکو ایک چھوٹے سے بیڑے کا جسمیں بارہ جہاز تھے کپتان مقرر کر کے اُندلسیوں کی خلاصی پر لگا دیا۔ اُسوقت سے سنہ ۱۵۴۶ء تک اُسنے اسپین کے علاوہ نیپلز اور سسلی پر متواتر ترکتازیاں کیں اور ایسا رعب جمایا کہ اٹلی اور اسپین کے درمیانی قطعہ آب میں کسی مخالف جہاز کیلیئے "نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن" کا مضمون[1] تھا۔ اگر کبھی اُسکو

---

[1] مارگن صفحہ ۴۳۹

اتفاقیہ سمندر میں کوئی شکار نہ ملتا تو سرزمین قرب و جوار میں سخت غارتگری پھیلاتا۔ اور
تمام دیہات واقع سواحل کو لوٹ کر ہزاروں کو گرفتار کرتا۔ ایک مرتبہ ۱۵۴۰ء میں اُس نے
طرغد کا حملہ
حسب عادت جزیرہ کورسیکا پر چھاپہ مارا۔ یورپ کا نامی قزاق امیر البحر ڈوریا شکار کی
تلاش میں یہاں پہلے سے منڈلا رہا تھا۔ چنانچہ دونوں کا مقابلہ ہوا۔ ایک سخت کشمکش کے
قید
بعد نوآموز قزاق کو تجربہ کار قزاق سے شکست کھاکر رسم جنگ کے بموجب حلقہ بگوش ہونا پڑا
ایک روز ڈوریا کے ایک سردار لاویٹا نے جو پہلے کبھی خیر الدین کے جہاز پر حلقہ بگوش
ملاح ہونیکی عزت حاصل کر چکا تھا۔ طرغد کو پابزنجیر بلی ہاتھ میں لئے دیکھا۔ اور پہچان کر
ایک لطیفہ
بولا "طرغار رئیس! رسم جنگ یہی ہے"۔ طرغد نے نہایت کشادہ پیشانی سے اسکی حالت
ماقبل کی یاددہانی کے طریق پر جواب دیا "ہاں جناب! بیشک میں نے اور آپ نے
صرف قسمتیں بدل لی ہیں"۔ یہ اُس زمانہ کا ذکر ہے جبکہ خیر الدین ترکی امیر البحر ہونیکی حیثیت سے
بحیرہ اڈریاٹک میں تیغ و سپر تھا۔ آخرکار ۱۵۴۳ء میں جب کپتان پاشا نے ڈوریا کو یہ دھمکی
رہائی
دی کہ اگر تم طرغد کو رہا نکرو گے تو میں جنیوا کا نام و نشان تک مٹا دونگا۔ تب اُسکو قید سے
مخلصی ملی۔ خیر الدین نے اسکو الجزائر کے صیغہ حربیہ کا انتظام سپرد کرکے مغربی بحیرہ روم
کی حکومت پر متعین کر دیا۔ قید کی نابرداشتنی اذیتوں سے اسکی آتش انتقام دُگنی تیزی سے
بھڑک اُٹھی۔ اُسنے اطراف وجوانب میں ترکتازیاں شروع کردیں خصوصًا سواحل اٹلی کو
طرغد کا رعب
اسقدر نقصان پہنچایا کہ شاید اُن اطراف میں اُسکا نام قریب قریب ہی ہیبتناک اثر رکھتا
تھا جو شیر دل صلاح الدین (سالاڈین) کا نام شمال مغربی یورپ میں۔ فرنگی جہازوں

سکے لیئے بحیرۂ روم کے تمام مغربی حصوں پر گویا قفل پڑ گئے تھے۔ یہاں تک کہ مجاہدین
مالٹا ہرچند کہ سفاکانہ غارتگری میں بربری کورسیر کم رعب نہ رکھتے تھے۔ بلکہ ٹریپولی پر قابض
ہوکر تو وہ ہر طرح اپنے حریفوں کے ہم پلہ ہوگئے تھے۔ لیکن انکی بھی تاب مجال نہ تھی کہ اس
مغربی قطعۂ آب سے بلا تکلف گزر جائیں۔ جیساکہ حاجی خلیفہ (ترکی مؤرخ) لکھتا ہے۔ طرغد
درحقیقت "شمشیر برہنہ" تھا۔ جب کوئی مخالف جہاز اُسکے بیڑے کو دیکھ لیتا تو اہل جہاز کے
سامنے گویا تصویر مرگ پھر جاتی تھی[1]

طرغد کی فتوحات

طرغد جسطرح تاخت و تاراج میں مشاق تھا۔ اُسیطرح ملکی دار و گیر کا شائق بھی تھا
چنانچہ اُسنے اسپین کے تمام مقبوضات واقع سواحل بربر ایک ایک کرکے فتح کئے۔ مثلاً
سوسہ۔ سفاکس۔ مناسطر وغیرہ۔ اور آخر ٹیونس کی طرف متوجہ ہوا جو ابھی تک کیتھلک
گورنمنٹ کی "حلقۂ اطاعت" میں تھا۔

ٹیونس کی پولیٹکل حالت

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ ٹیونس کا ستون سلطنت مرکز ثقل سے جنبش کر چکا
تھا۔ سلطان حمید ابن سلطان حسن کا مبارک اور قابل قدر جلوس ہرچند کہ قیروان کی مرضی سے
عمل میں آیا تھا۔ مگر اُس مادّہ کو منتشر نکر سکا۔ جسنے ملک میں جابجا ناسور پیدا کر دیئے تھے
چنانچہ تمام صوبوں میں بدنظمیاں پھیلی تھیں۔ ہر طرف طوائف الملوکی کی گھنگھور گھٹا چھائی
تھی۔ آخرکار قوم کے سر برآوردہ اراکین نے حمید کو تخت سے برطرف کرکے بطور کونسل
خود عنان حکومت ہاتھ میں لی۔ مگر اس تدبیر سے اَور تفرقہ پڑ گیا۔ کیونکہ ممبران کونسل نے

---

[1] لین پول صفحہ ۱۲۰

اپنے اپنے جتھے قائم کرلئے جو ہمیشہ ایک دوسرے کے درپے تخریب رہتے تھے۔ اور باہمی لشکر کشیوں میں قومی خون بیدریغ بہاتے تھے۔

ٹیونس کی پولیٹکل سٹیج کی یہ حالت تھی جبکہ سنہ ۱۵۵۰ء میں طرغد پاشا ایک ترکی بیڑے کی کمان لیکر اسطرف بڑھا۔ بیرونی قلعوں اور محافظ چوکیوں نے گو مزاحمت کی مگر اولوالعزم کپتان نے دلیرانہ حلق الوادی میں داخل ہوکر عین دروازہ کے مقابل لنگر ڈالدیا اور محاصرہ کی کارروائی شروع کردی۔ روڈس کیطرح یہاں بھی ایک اہل شکستہ سردار نے جو گروہی مخالفت کے جوش میں مبہوت تھا حملہ آورین کی رہبری کی۔ اور طرغد کو ایک جری دستہ سمیت رات کے وقت شہر پناہ میں داخل کردیا۔ اُنھوں نے اندر داخل ہوکر شہر کا دروازہ کھول دیا۔ اور تمام کوچہ و بازار میں پھیل گئے۔ اہل شہر نے خوابگاہوں سے نکلکر دیکھا تو یہ دیکھا کہ فصیل و بروج قلعہ پر سرخ سفید ہلالی جھنڈے نصب ہیں۔

ٹیونس کی فتح

ہر چند کہ اسوقت یورپ کی کوئی سلطنت دربار ٹیونس میں ہمسرانہ اور مساوی حقوق سے زیادہ کسی قسم کا حق نہ رکھتی تھی۔ اور اس لحاظ سے ٹیونس کا ہلال کے سایہ عاطفت میں آنا یا خود مختار رہنا۔ دول یورپ کے لئے اسوقت تک یکساں اثر رکھتا تھا جبتک کہ ٹیونس کے فرمانروا اور رعایا (عام اس سے کہ عزل و نصب اور انقلاب سلطنت ہویا نہو) کسی ایسے جدید فعل مذموم کے مرتکب نہوتے جو انکی ہمسایہ مسیحی قوموں کے امن عامہ کو یقیناً آشفتہ کرتا اور تمام مسیحی دنیا میں قولاً و فعلاً نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا۔ مگر بایں ہمہ اس جدید تسخیر کی خبر سے اسپین کی مستعار عربی شجاعت میں بے طرح طغیانی پیدا ہوئی اور تمام جنوبی

یورپ کی بلاوجہ مداخلت

یورپ اپنی قدیم عادت کے موافق متفق ہوکر ایلغار کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا۔ کیونکہ ٹیونس پر ترکوں کا قبضہ اور پھر طرغد جیسے مشہور غارتگر کی وساطت سے۔ نہ صرف ناگوار بلکہ سخت تلخ تھا حالانکہ خود گورنمنٹ اسپین ٹریپولی پر غارتگران مالٹا کے ذریعہ سے قابض تھی۔ اور انڈریا ڈوریا کو جو کچھ کم بے اصول قزاق نہ تھا۔ ہر طرح کی جرأت دلاتی تھی۔ حملہ کی تجویز سوچنے والوں میں ڈن گارشیا ڈی ٹولیڈو (نواب طلیطلہ) سب سے زیادہ سرگرم تھا۔ کیونکہ ایک طرف قدسی نفس پوپ آو روم نے مع اپنی عقیدتمند سلطنتوں کے امداد کا وعدہ کیا تھا اور دوسری طرف خود ڈن گارشیا کے باپ حاکم نیپلز نے اعانت کا یقین دلایا تھا۔

ایک طول طویل بحث اور ردّ و قدح کے بعد بالآخر ۲۸۔ جون ۱۵۵۰ء کو جنوبی یورپ کی تمام بحری اور برّی فوجیں انڈریا ڈوریا کے ماتحت ٹیونس پر جھک پڑیں۔ طرغد اسوقت بحیرۂ روم کا سالانہ دورہ کر رہا تھا۔ اور اُسکا ہونہار بھتیجا حصار رئیس نو مفتوحہ صوبہ کا نظم و نسق کرتا تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ ایسی قلیل مدت میں شہر کی قلعہ بندی اور استحکام کی تکمیل نہو سکتی تھی۔ خصوصاً اس درجہ تک کہ ایک لشکر مور و ملخ کے حملہ کو سہہ سکتا۔ نیز محصورین کی فوجی قوت بھی کچھ زیادہ قابل اعتماد نہ تھی۔ تاہم ایک ماہ کے محاصرہ کے بعد جب انھوں نے ایک مرتبہ شہر سے نکلکر حملہ کیا تو محاصرین انکو سخت نقصان اٹھائے بدون پسپا نکر سکے اس اثنا میں طرغد نے واپس آکر ترکوں اور بربریوں کے ایک مختصر دستہ سے دوسرا حملہ کیا۔ مگر دشمن کی قوت بہت زیادہ تھی اسلئے وہ خود قسطنطنیہ کے ارادہ سے واپس جبریہ ہوا۔ اور شہر نے چار ماہ بعد ۸۔ ستمبر کو دروازہ کھولدیا۔

ماہ آیندہ میں طرغد نے بیس ۲۰ جنگی جہازوں سمیت قسطنطنیہ سے معاودت کی۔ وہ ابھی رود بار جربہ میں اپنے بیڑے کو ترتیب ہی دے رہا تھا کہ انڈریا ڈوریا نے جو ابھی تک ٹیونس میں مقیم تھا خبر پاکر اُسکو دفعتًہ آن لیا۔ یہ قطعہ آب بالکل ایک مسدود کوچہ کے مشابہ تھا۔ یعنے جیسا کہ مقدمہ میں بیان کیا گیا ہے جزیرہ نما جربہ کی پشت پر ایک بڑی وسیع جھیل بطور اندرونی بحیرہ واقع ہے۔ جسکو سرطاس کبری (گریٹر سرٹیز) کہتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ اسمیں جہازات قدرتًا داخل ہو سکتے تھے اور نہ نکل سکتے تھے مگر جھیل اور جزیرہ نما کے درمیانی قطعہ خشکی میں شمالی سمت پر سمندر کے پرزور تلاطم امواج سے ایک تنگ رود بار بطور نہر بنگئی ہے۔ جس سے ہلکی ہلکی جہاز نما کشتیاں بادبان سمیٹ کر بدقت جھیل میں آجا سکتی ہیں۔ جنوبی سمت پر بھی اگرچہ ایک ایسا ہی مدخل ہوسکتا تھا۔ مگر اسوقت اُسمیں بالکل دلدل تھی۔ اب طرغد اس مصنوعی نہر میں تھا جبکہ ڈوریا نے اچانک پہنچکر اُسکے دروازہ پر لنگر ڈالدیا۔ اور اطمینان کے ساتھ بربری بیڑے کی مستمندانہ درخواست صلح کا انتظار کرنے لگا۔ لیکن طرغد بھی کوئی معمولی جہازراں یا سواحل بربر کے نشیب و فراز سے ناواقف نہ تھا۔ اُسنے اس حالت ششدر کی جس کو ڈوریا اپنے ذہن میں آخری کشت اور مات سمجھتا تھا۔ ذرا بھی پرواہ نکی اور ایک ایسی نازک چال چلا کہ یورپ کا فرسودہ روزگار امیر البحر حیران رہگیا۔ یعنے اول اس آبنائے کے کنارے پر دمدمے باندھکر دلیرانہ گولہ باری شروع کردی۔ اور جب یورپین بیڑا ہمہ تن اسطرف مصروف ہوگیا تو جھٹ پٹ کوئی دو ہزار قلی بالا بالا جزیرہ سے بلوا کر درمیانی
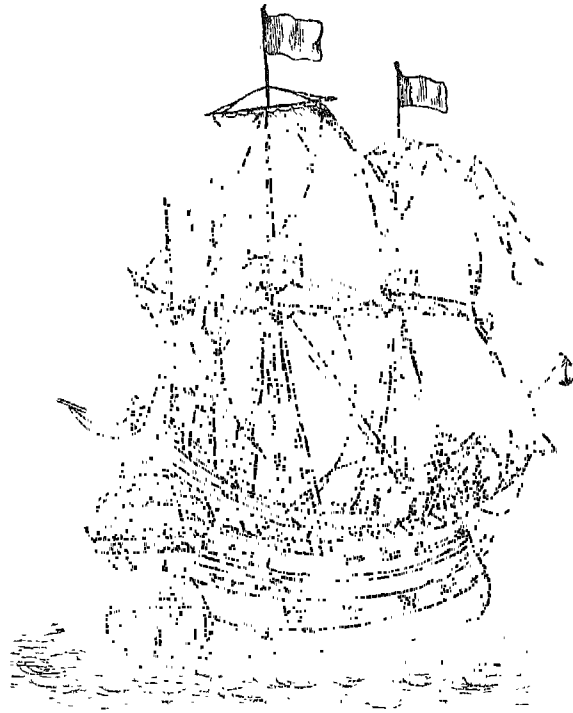
گیلین

(پندرھویں صدی کی جہاز نما کشتی)

قطعہ کے جنوبی حصہ کو جسمیں سراپا دلدل تھی اس پھرتی سے کھدوا ڈالا کہ صرف ایک رات میں یہاں بھی ایک تنگ نہر بطور مخرج جاری ہوگئی۔ صبح ہوتے بربری بیڑا خیر و سلامتی سے بحیرہ روم کی نیلگوں سطح پر جا جما۔ ڈوریا جو اپنی کامیابی آیندہ پر تیقن و نازاں ہوکر چارلس کو نوید فتح بھیج چکا تھا اُسکو اس چال کی خبر ہوئی تو اُسوقت جبکہ طرغد آرسکے پیلیگو کے لئے لنگر اُٹھا چکا تھا۔

اگلے برس ۱۵۵۰ء میں صاحبقران نے اُسکو بمعیت صنعان پاشا ترکی بیڑے کا امیر البحر مقرر کردیا۔ خیرالدین کیطرح طرغد کو بھی خواہش تھی کہ دروبست سواحل بربر کو بابعالی کے مضافات میں داخل کرے۔ اور اگرچہ اسپین کے اکثر ضروری مقبوضات واقع ساحل مذکور کو فتح کرکے اُسنے اپنی خواہش کو کسیقدر پورا بھی کیا۔ لیکن چند اَور ضروری مقامات ہنوز باقی تھے۔ انمیں دو کی نہایت ہی ضرورت تھی۔ ایک تو ٹیونس جسپر سالگزشتہ کے موسم بہار میں فوجکشی کرکے وہ فی الجملہ ناکام ہو چکا تھا۔ اور دوسرا ٹریپولی (طرابلس) جو سب سے پہلی بندرگاہ۔ نہایت مستحکم قلعہ بند شہر۔ اور مغربی بحیرہ روم سے گزرنے والوں کیلئے ساحل بربر کا گویا مشرقی دروازہ تھا۔ چنانچہ اس جدید عہدہ پر متمکن ہوکر اُسنے بابعالی کو اس طرف توجہ دلائی۔ اور بحصول اجازت ایک مضبوط بیڑے کے ساتھ جسمیں چھ ہزار ترک اور چالیس ضرب توپ تھیں بمعیت صنعان پاشا ٹریپولی کیلئے لنگر اُٹھایا۔

ٹریپولی اصل میں اسلامی مقبوضات میں سے تھا۔ مگر ۱۵۱۰ء میں اہل اسپین نے اُسکو بسرداری کونٹ ڈن پڈرو ناوارو فتح کرکے مضافات کارڈوا میں داخل

کرلیا تھا۔ تاہم کیتھلک گورنمنٹ اس موزوں جنگی مقام کی کبھی قدر نہ کرسکی۔ یا بوجہ بُعد اُسکے
تحفظ سے قاصر رہی۔ تاآنکہ جب ۱۵۲۲ء میں مجاہدین بیت المقدس نے سیف عثمانی کے
زور سے روڈس کو خالی کیا۔ اور آٹھ برس اِدھر اُدھر خانہ بدوش منڈلانیکے بعد ۱۵۳۰ء میں

ٹریپولی طرابلس غربی

جزیرہ مالٹا کو مامن غارتگری بنایا۔ تو چارلس نے سہل انکاری سے یا بغرض اظہار اختصاص
واحدیت ٹریپولی کو نفع نقصان اور آمد و خرچ سمیت مجاہدین کو تفویض کردیا تھا۔ اُسوقت سے
آجتک یہ مقام مجاہدین کے قبضہ میں چلا آتا تھا۔ اور آٹھوں فرقوں میں سے ہر فرقہ کا
ایک ایک مجاہد باری باری آکر اُسکا نظم ونسق کرتا تھا۔ چنانچہ جسوقت ترکی بیڑے نے محاصرہ
کیا تو ٹریپولی کا گورنر گسپارڈی ویلر نامی ایک مجاہد فرقہ ایورین سے تھا۔ طرغد نے

اتمام حجت

حسب معمول اُسکو شہر خالی اور سپرد کردینے کا پیام دیا۔ اور جب صاف جواب ملا تو باقاعدہ
محاصرہ شروع کردیا۔ دمدموں اور ساباطوں کا انتظام صنعان پاشا کے سپرد تھا۔ اُسنے بڑی

محاصرہ

کاردانی سے گولہ باری کی۔ جس سے ہفتہ بھر میں فصیلیں پاش پاش ہوگئیں۔ ویلر نے

صلح

چند روز اَور مالٹا کی کمک کا انتظار کرکے صلح کا پیام دیا۔ چنانچہ ۱۵۔ اگست ۱۵۵۱ء کو محصورین
نے اپنے آپ کو ترکوں کے سپرد کردیا۔ مجاہدین سے اِس موقع پر بھی وہی حُسن سلوک
کیا جاتا۔ جو انتیس ۲۹ برس ہوئے کہ صاحبقران نے ۱۵۲۲ء میں روڈس کی فتح پر کیا تھا
مگر بحیرۂ روم میں سالہاسال جہازرانی کرکے طرغد اور صنعان اِس احسان فراموش اور
ناقدرشناس گروہ کی تشدد پسند عادت سے خوب واقف ہوچکے تھے۔ پس مالٹا والوں
کو عبرت دلانیکے لئے ٹریپولی کے محصورین سے رسم جنگ کے موافق سلوک کیا گیا اور سب کو

مجاہدین کے ساتھ باضابطہ سلوک

پابزنجیر و حلقہ بگوش کر کے صنعان پاشا کے ساتھ بطور علامات فتح قسطنطنیہ کو روانہ کر دیا اور طرغد خود مقام مفتوحہ کی ناکہ بندی اور استحکام کی غرض سے ٹھہر گیا۔ کیونکہ اُسکو پختہ اُمید تھی کہ دول یورپ جلد یا بدیر بالضرور حملہ کرینگی۔

اِس معرکہ سے مجاہدین کو خصوصًا اور اہل یورپ کو عمومًا سخت نقصان پہنچا

مقدمۃ الجیش

کیونکہ ٹریپولی غارتگران مالٹا کا افریقہ میں اوٹ پوسٹ (بیرونی چوکی) تھا۔ اور غارتگران مالٹا اسلامی دنیا میں دول یورپ کا مقدمۃ الجیش تھا۔

چنانچہ نو برس کامل یورپ اِس نقصان عظیم کی تلافی نکر سکا۔ اِس عرصہ میں بربری جہازات کبھی صنعان پاشا کی کمان میں اور کبھی پیالی پاشا کی سرکردگی میں۔ مگر ہمیشہ طرغد پاشا کی رہنمائی سے سواحل اٹلی بر خاص روم کی حوالی میں بلائے بیدرماں کیطرح ہر سال نازل رہتے تھے۔ کلیبریا۔ اپولیا۔ اکثر زد پر رہتا تھا۔ اور جیسا کہ ایک یورپین وقائع نگار قرن وسطی کے یورپ کو معائب غارتگری سے پاک فرض کر کے جوش ہمدردی میں لکھتا ہے۔ فی الحقیقت اِن صوبوں کا حُسن و شباب۔ دولت و ثروت افریقی لٹیروں کو بالطبع مرغوب تھی"۔ آخر کار پوپ پیس چہارم کے سحر آفرین سرمن (خطبوں) سے یورپ کی

پوپ کے سحر آفریں خطبے

عرق شجاعت کو حرکت

غیور عرق شجاعت کو ۱۵۵۹ء میں یکایک حرکت ہوئی۔ اور تمام جنوبی طاقتیں جنیوا فلورنس سسلی نیپلز۔ اسپین۔ اٹلی۔ اور خود روم مقدس متفق ہو کر ٹریپولی کو چھین لینے پر اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ چنانچہ اوائل فروری میں زائد از دو صد جنگی جہاز اور ایک کثیر التعداد جرار فوج ہر طرف سے آکر آبنائے میسینا میں جمع ہوئی۔ اور یہاں سے ۱۰ فروری تک

یورپ کی یورش

ڈیوک ڈی میڈیناسلی کی کمان میں طوفان چارپس کیطرح ساحل افریقیہ پر جھکی۔ ڈیوک مذکور نے
ٹریپولی کو چھوڑکر اول جربہ کو لیا جو بربریوں کا ہیڈکوارٹر اور ٹریپولی کی کنجی تھا۔ یہاں کے عامل
نے جو ایک عربی شیخ تھا حملہ آورین کی قوت دیکھکر فی الفور اطاعت قبول کرلی چنانچہ

[illegible] محاصرہ

مسیحی فوجیں اطمینان کے ساتھ جزیرہ نما میں اُترکر دوماہ تک مقیم رہیں۔ اور اس عرصہ میں
ایک مستحکم جنگی قلعہ بطور ہیڈکوارٹر تعمیر کرکے اور شہر کی ناکہ بندی سے ہر طرح فارغ ہوکر
اس بات پر آمادہ ہوئیں کہ غیر ضروری حصۂ فوج یورپ کو واپس کیا جائے۔

ہلال کو جنبش

اِدھر جب اس عالمگیر یورش کی خبر قسطنطنیہ پہنچی تو صاحبقران نے غضبناک ہوکر ایک عظیم الشان

طرغد اور علی العلوجی

ترکی بیڑا بسرواری طرغد پاشا۔ اوچیالی (علی العلوج) پاشا۔ پیالی پاشا اوائل مئی میں ٹریپولی
کی حفاظت کیلئے روانہ کیا۔ یورپین مورخ اس موقع پر یگانہ وار افسوس کرتے ہیں کہ ڈیوک

یورپین مورخوں کا تاسف

میڈیناسلی نے جربہ کی اقامت کو قلعہ بندی اور استحکام شہر کے غیر ضروری عذر (۱) پر
کیوں اسقدر طوالت دی۔ اور کیوں خواہی مخواہی سمجھ لیا کہ ترک ہمیشہ مئی کے بعد ہی بحری
سفر شروع کیا کرتے ہیں۔ جسکا یہ نتیجہ ہوا کہ جب مسیحی فوجیں ناکہ بندی سے حسب دلخواہ

مسیحی ہیڈکوارٹر میں تہلکہ

فارغ ہوکر معاودت پر طیار ہوئیں تو دفعتہً اطلاع کی کہ ترکی بیڑا غازہ (گوزہ) کے قریب
لنگر انداز ہے۔ اس سے تمام ہیڈکوارٹر میں ایک تہلکہ مچگیا۔ دلاوران یورپ کے جی چھوٹ
گئے۔ نہ شجاعوں نے اپنی شجاعت خانہ زاد کا لحاظ کیا۔ نہ فوجی قوت کے اثر اور تعداد کا پاس کیا

ترک آن پہنچے!

ہر شخص کی زبان پر بجز اسکے کچھ نہ تھا کہ بربری آن پہنچے! ترک آن پہنچے! ایک طرف

بزدلانہ سراسیمگی

اولوالعزم ڈوریا بزدلانہ سراسیمگی سے اپنے جنیوا دستہ کو ناپ شناپ جہازوں میں

غازیانہ تمکنت

بھرتا تھا۔ دوسری طرف ڈیوک میڈیناسلی جلد جلد مگر کسیقدر تمکنت اور غازیانہ ادا سے اپنے شجاعت کے پتلوں کو سوار کراتا تھا۔ اسی حالت کشمکش میں یکایک پرچم ہلال افق

پرچم ہلال

پر نمودار ہوا اسپینیوں کے سنبھلتے سنبھلتے ہلالی جہازوں نے آناً فاناً قریب پہنچکر اس تندی سے حملہ کیا کہ گویا کہ تسبیح کے تمام دانے بکھر گئے۔ بیڑے کا ہر جہاز آپ کو تھا۔ اور

رودبار جربہ کا خونریز معرکہ

رودبار جربہ کے شمال سے گزر جانے کی کوشش کرتا تھا۔ مگر بربری جابجا سدراہ تھے بالآخر تمام جہازوں کو ہر طرف سے سمیٹ کر کنارہ پر لایا گیا۔ مگر چونکہ کنارے کے قریب عمق بہت کم تھا اسلئے گیلے اور گیلون ریت میں دھنسکر بالکل نکمے ہوگئے پیچھے سے بربری نہایت تیزی سے دبائے چلے آتے تھے۔ اب افواج متحدہ نے بجز اسکے اور کسی بات میں مفر نہ دیکھا کہ افتاں وخیزاں خشکی پر اُترکر تیغ و سپر کی آڑ لیں۔ چنانچہ ترکوں اور بربریوں نے قریب ساٹھ خالی جہاز گرفتار کئے اور پھر شمشیر بکف کنارے پر اُتر کے اہل جہاز پر ٹوٹ پڑے پرجوش فریقین میں پانچ گھنٹے تک سخت ہنگامہ کارزار گرم رہا۔ مسیحیوں نے بڑھ بڑھکر داد مردانگی دی۔ خصوصاً مجاہدین مالٹا نے اسقدر گرانی سے

کشاکش جانفروشی

نقد جانفروشی کی کہ بربریوں اور ترکوں کے چھکے چھوٹ گئے۔ بالآخر ہلال غالب رہا۔ اور دشمن کے اٹھارہ ہزار آدمی کھیت رہے جنکے خون سے ساحل پر ایک دوسرا رودبار جاری ہوگیا۔ ڈوریا اور میڈیناسلی لڑائی کا رنگ دیکھکر پہلے ہی سرک گئے تھے اور اٹلی کے

نتیجہ

بہادر دستہ کا کچھ حصہ عین لڑائی کے وقت فرار ہوگیا تھا۔ ماںقی جہازوں اور رفوجوں میں سے ایک بھی بچکر نہیں گیا۔ غنیمت میں اسپین کا قومی جھنڈا بھی بربریوں کے

ہاتھ آیا۔ ڈن اسوبرو اور بہت سے عالی نسب و عالی نژاد یورپین قید ہوئے۔[1]

رودبار جربہ کا خونریز معرکہ ۱۱ مئی سنہ ۱۵۶۰ء کا واقعہ ہے۔ اور اسپین کی تاریخ میں آجتک سخت ناکامیوں میں شمار ہوتا ہے۔ جب یہ جانگزا خبر انڈریا ڈوریا کو ملی اور اپنے ہونہار بھتیجے کی شرمناک شکست کا حال معلوم ہوا تو اُسکو سخت صدمہ ہوا۔ اور فرط غم سے بیتاب ہوکر اپنے رفیقوں سے جو اُسکے بستر مرگ کے گرد ماتمی حلقہ باندھے ہوئے تھے خواہش کی کہ مجھے لیچلو۔ اور پادری سے تلقین کراؤ۔ بڈھے ڈوریا کی یہ بڑی خوش نصیبی تھی کہ وہ اِس معرکہ میں شریک نہ تھا۔ ورنہ معرکہ پریویسا کو بھول جاتا۔

رودبار جربہ کے معرکہ سے قریبًا چھ ماہ بعد یعنے ۱۵ نومبر کو یورپ کے اِس بڈھے مشہور لٹیرے نے جان جان آفرین کو سونپ دی۔

---

[1] لین پول صفحہ ۱۴۰ سنہ ۱۳۹۰ء میں بھی اسیطرح کا یورپین طوفان سب تیزی ٹیونس پر نازل ہوا تھا۔ اور اسیطرح فرو ہوا تھا۔ اسکے تفصیلی کوائف ناظرین کو اقصائے مغرب حصہ اول میں اپنے موقع پر ملیں گے۔

آٹھوان باب

مالٹا کے مجاہدین بیت المقدس اور ۱۵۶۵ء کا معرکہ

یہ یاد ہوگا کہ طرغد پاشا نے مجاہدین بیت المقدس کو ۱۵۵۱ء میں ٹریپولی سے مار کر نکالدیا تھا۔ اُمید تھی کہ اس غارتگر فرقہ کو ۱۵۲۲ء کے معرکہ روڈس کے بعد جو یہ دوسرا سبق ملا ہے اسکو ہمیشہ یاد رکھینگے مگر واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ مالٹا میں جاکر وہ بہت جلد اسکو بھول گئے۔ اور پھر اُسی پرانی عادت پر اُتر آئے۔ چنانچہ ساحل سسلی سے لیکر بحیرۂ شام کی غایت حد تک تمام قطعہ آب گویا انکا جولانگاہ بنگیا۔ اگرچہ باقاعدہ اور جنگی جہاز اُنکے پاس کل سات ہی تھے۔ مگر چھوٹی چھوٹی سبکرفتار شکاری کشتیاں بکثرت تھیں جنسے وہ اس وسیع قطعہ آب میں نہایت قسی القلبی کے ساتھ لوٹ مار کرتے تھے اور تجارتی جہاز گرفتار کرلیتے تھے۔ شام و مصر کی تجارت ان سفاکانہ ترکتازیوں سے خصوصًا محل خطر میں تھی۔ — اخیر پر اس مردم آزار گروہ کی دست درازی یہاں تک بڑھی کہ خود بربری قزاقوں کے جہاز بھی اُنسے بچکر چلتے تھے اُنکے بڑے بڑے سردار بلکہ گرینڈ ماسٹر (معلم اول) تک غنیمت کی تلاش میں جابجا منڈلاتے پھرتے تھے۔ مثلاً جین ڈی لاویلیٹا جو پہلے امیر البحر اور بعد کو گرینڈ ماسٹر ہوا فرئیس آڈر ریورین جو فرانس کا گرینڈ پرائر (دائرہ دار اول) تھا۔ اور گاس وغیرہ ان سے بڑھکر غارتگری میں یدطولی اور کسکو ہو سکتا تھا۔ اگر ان میں اور بربری غارتگروں میں کچھ فرق ہے تو صرف یہ کہ یورپین وقائع نگار مجاہدین کی خصلت کی

غارتگران مالٹا کی ترکتازیاں

مورخین یورپ کی طرفداری

اصلی تصویر طوعاً و کرہاً دکھلا کر اخیر پر لکھدیتے ہیں کہ " یہ سب کچھ سہی مگر انکی غارتگری میں ایک طرح کی شجاعانہ ادا اور صدق و خلاص کی آمیزش تھی - بیشک وہ قزاق تھے مگر بیکسوں اور مصیبت زدوں کے سچے حامی بھی تھے - اور صرف دشمنان دین پر ہاتھ صاف کرتے تھے۔" ۱۵۱۰ء میں ٹریپولی سے نکلکر مجاہدین نے پھر اسطرف کا رُخ نہیں کیا - بلکہ ۱۵۶۵ء تک مرکز جہاد یعنے خاص مالٹا کے استحکام میں مصروف رہے۔ چنانچہ قلعہ

مالٹا کا استحکام

سینٹ میکائیل اور سینٹ انگلو کی مرمت کی۔ سینٹ ایلمو کے نام سے ایک جدید قلعہ تعمیر کیا - جابجا سدیں قائم کیں - دمدمے بنائے - فصیل و بروج کو مستحکم کیا - خندقوں کا عمق بڑھایا - غرضکہ ماسٹر ایو نجلسٹا نے جو ایک نہایت کار آزما انجنیر تھا چودہ برس تک تمام لوٹ مار کا مال سولھویں صدی کے اصول قلعہ بندی پر صرف کیا - اسلئے کہ مجاہدین خوب جانتے تھے کہ الجزائر میں دولت عثمانیہ کی شاخ روز کا کھٹکا ہے - اور جب یہ خود عثمانی جزیروں پر غارتگرانہ حملے کرتے تھے تو قرین عقل بھی تھا کہ اپنے بچاؤ کا سامان بھی رکھتے - آخر یہ وقت آن پہنچا اور صاحبقران نے انکی دست درازیوں کو حد سے بڑھتا دیکھکر گوشمالی کا ارادہ کیا -

مہم کے ابتدائی کوائف

ابتدا میں اگرچہ یہ کوئی بڑی بھاری مہم نہ تھی - نہ اسپر کسی فریق کی نیکنامی یا بدنامی کا انحصار تھا - کیونکہ مجاہدین لٹیروں کی ایک جماعت تھی جنکا دست تظلم بحر شام میں روز بروز دراز ہوتا جاتا تھا - اور ترک ان اطراف میں مقتدر اور عوام کی حفاظت کے ذمہ دار تھے

سلہ دیکھیں پول صفحہ ۱۴۱ و ۲۴۴ - گویا اسکے یہ معنے ہوئے کہ ہر بری قزاق کوئی مذہب رکھتے تھے - لہٰذا انکے لئے یہ عار معقول نہیں ہو سکتا عجیب استدلال ہے

پس اُنکی گوشمالی انکا فرض تھا۔ مگر چونکہ یورپ کے مورخ اپنی قدیم عادت کے بموجب اِس واقعہ پر معمول سے زیادہ زور دیتے ہیں۔ نہ اِسلئے کہ ایک مُٹھی آزار گروہ کو بالآخر کامیابی ہوئی بلکہ صرف اِس لئے کہ انیسویں صدی کے ترکوں کے آباؤ اجداد کو ناکامی ہوئی۔ لہذا ہم اِس محاصرہ کے تفصیلی حالات قلمبند کرتے ہیں۔ اور اول موقع جنگ سے شروع کرتے ہیں

جزیرہ مالٹا کی طبعی حالت

جیساکہ نقشہ سے ظاہر ہے۔ مالٹا ایک سراپا سنگلاخ اور اسقدر ناہموار مقام ہے کہ تمام جزیرہ میں کہیں کوئی کشادہ مستوی میدان نظر نہیں آتا۔ بلکہ جا بجا اونچے نیچے ٹیلے

سطح

سنگلاخ چٹانیں۔ اور سطحات مرتفع دکھائی دیتی ہیں۔ اسیطرح اِسکے سواحل بھی تلاطم امواج

ساحل

سے صدمہ رسیدہ اور چاک چاک ہیں۔ چونکہ شمالی ساحل سمندر میں کچھ زیادہ نکلا ہوا تھا۔ اِسلئے پانی کی تیز اور تند موجوں نے اِسکے ایک پہلو کو جہانتک ہوسکا ہے کاٹکر جزیرہ کو قدرتی طور سے دو حصوں میں تقسیم کردیا ہے۔ شمالی حصہ تو یہی قطعہ ہے جو دور سے ایک سنگلاخ بینی کوہ معلوم ہوتا ہے۔ اور کوہ سیبی راس کہلاتا ہے۔ اور جنوبی حصہ باقی جزیرہ ہے جسکے اِس شمالی ساحل کی خلیج مرش الاوسط کہلاتی ہے۔ محاصرہ کے وقت یہ حصہ گو قبضہ میں نہ تھا مگر غیر محفوظ

قلعہ سینٹ ایلمو

بھی نہ تھا۔ کیونکہ سینٹ ایلمو جو بینی کوہ پر مثل ایک مسلح محافظ کے ایستادہ تھا۔ گویا خلیج مذکور کے دروازہ کا حاجب تھا۔ جنوبی خلیج یعنے وہ قطعۂ آب جو جزیرہ کو شمالی اور جنوبی دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے مرش الکبیر کہلاتا ہے۔ اور یہی منبع جہاد تھا۔ چنانچہ اِس زمانہ کا شہر مالٹا یعنے والیٹا گو مرش الکبیر کے شمالی ساحل پر واقع ہے۔ مگر ۱۵۶۵ء میں جنوبی ساحل پر تھا۔ جسکو چار سنگلاخ بلندیوں نے مثل بینی کوہ ایک دوسرے کے محاذ میں بیرون ساحل نکلکر

متعدد بندرگاہوں پر تقسیم کر دیا ہے۔ سب سے پہلے راس فورچینر ہے جو بحر شام کو ارنیلا
سے جدا کرتی ہے۔ پھر راس سالویڈور جو ارنیلا کو انگلش ہاربر سے جدا کرتی ہے۔ اسکے
بعد راس برگ جو انگلش ہاربر کو گیگنیز ہاربر سے علیحدہ کرتی ہے۔ اور سب سے اخیر پر جزیرہ
سینگل جو گیگنیز ہاربر کو لاسینگل سے جدا کرتا ہے۔ اور بذریعہ ایک تنگ ریتلی خاکنائے کے

سینٹ انگلو

سرزمین مالٹا سے ملجاتا ہے۔ انہیں راس برگ کے سرے پر قلعہ سینٹ انگلو واقع ہے

سینٹ میکائیل

جو مرکز حکومت اور دار الجہاد ہے۔ اور لاسینگل کے سرے پر قلعہ سینٹ میکائیل ہے علاوہ
ازیں آبناؤں کے محاذ میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک اونچے نیچے پہاڑوں کے

قدرتی استحکام

سلسلہ نے ایک ایسا خط کھینچ دیا ہے جسکو مالٹا کے قلعوں اور بندرگاہوں کی قدرتی
سد مشترک کہنا چاہیئے۔ یہی حال عقب کا ہے۔ چنانچہ قلعہ سینٹ ایلمو کی پشت پر کوہ سیبی آرس
جو سلامی کی وضع پر پیچھے کو رفتہ رفتہ بلند ہوتا چلا گیا ہے۔ ارنیلا اور انگلش ہاربر کے
پیچھے کوہ سالویڈور اور کوہ کلکارا کے سلسلے چلے گئے ہیں۔ جو آخر پر سینٹ کیتھرائن کے
پہاڑوں سے ملجاتے ہیں۔ برگ اور سینٹ میکائیل کوہ سینٹ مارگریٹ کی کشیدہ
قامت چوٹیوں کو پشت پر لئے ہوئے ہیں۔ اسیطرح مرش الکبیر کے مغربی حصہ اور آبنائے
سینگل کے پیچھے ایک سنگلاخ سطح مرتفع واقع ہے جو کانراڈین کہلاتا ہے۔ اس مختصر
اور محض بیرونی حالت کو پڑھکر جنگ سے ناواقف بھی تھوڑا بہت اندازہ کر سکتے ہیں کہ
موقع قدرتی طور سے کسقدر سخت اور دشوار گزار اور محصورین کے حق میں کہاں تک مفید تھا
اگر مصنوعی حفاظت کا سامان نہ بھی ہوتا۔ تب بھی کوہستانی سلسلے۔ سنگلاخ نشیب و فراز

اور بحر شام کے بعض عمیق حصے قدم قدم پر سد راہ تھے۔ انیسویں صدی کے گولہ انداز اور انجنیروں کے نزدیک تو مالٹا کا محاصرہ ایک بات تھی۔ مگر جیسا کہ آئندہ پر واز محاصرہ سے ثابت ہوگا سولھویں صدی میں فن حرب نے یہانتک ترقی نکی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ بربری اور ترک کافی فوج کے باوجود بھی مالٹا کو فتح نکر سکے۔

دول یورپ اور مالٹا کے تعلقات

یہ ظاہر ہے کہ مجاہدین بیت المقدس اسلامی دنیا میں خواہ کہیں مقیم ہوتے روڈس میں۔ ٹریپولی۔ یا مالٹا میں۔ ہر جگہ دول یورپ کا مقدمۃ الجیش سمجھے جاتے تھے لہذا آڑے وقت پر انکی مدد کرنا مغربی دنیا کا فرض کفایہ تھا۔ ورنہ ہزبران قسطنطنیہ و الجزائر کے مقابلہ میں ان معدودے چند غارتگروں کی حیثیت ہی کیا تھی۔ "مشتے از خاک بطوفان نوح"۔

یورپ کی امداد کے طریقے

امداد کے کئی طریقے تھے۔ ایک تو یہی آجکل کے والنٹیر کہ ذراسی شورش دیکھکر یورپ کے کونہ کونہ سے نکل پڑتے ہیں اسیطرح اس زمانہ میں مجاہد تھے۔ جب اس مقدمۃ الجیش پر کوئی آفت آتی تو سیکڑوں ہزاروں جنگجو ولاوریورپ کے ہر حصہ سے غازیانہ لباس پہنکر اور "المجاہد" "المبارز" کا خطاب لیکر افریقہ کی طرف جاتے دکھائی دیا کرتے تھے۔ مزید براں مجاہدین بیت المقدس بجائے خود یورپ بھر کی قوموں کا عطر مجموعہ تھا۔ اس حکمت عملی سے یہ بڑا فائدہ تھا کہ بعض سلطنتیں اپنی قومی اور مذہبی قانون کی خلاف ورزی بھی نکرتی تھیں۔ اور صلحائے الجزائر و ٹرکی میں بھی بلاتکلف داخل تھیں دوسرا طریقہ امداد یہ تھا کہ علانیہ فوجیں اور جہازات بھیجکر اس غازی فرقہ کو دشمنان دین کے حملوں سے بچائیں۔ چنانچہ ایلغار کی خبر پاکر گرینڈ ماسٹر (معلم اول یا امیر المجاہدین) لاولٹ نے

پوپ سے استمداد

قدسی نفس پوپ آف روم کو اطلاع کی کہ "المدد! المدد!" یہاں سے ایک ادنی اشارہ پر یورپ بھر کی پولیٹکل کلوں کے پہیے گھومنے لگے۔ مجاہدین کے پیرایہ میں جسقدر مدد پہنچی یورپین اسکی صحیح مقدار نہیں لکھتے۔ مگر علانیہ طور سے اسپین نے اپنی وسیع سلطنت کے ہر حصے سے بیشمار فوج بھیجی۔ پوپ آف روم نے زر کثیر بطور مصارف جنگ اور اپنا وہی معمولی روحانی تصرف اور شکر دعا بھیجا۔ علاوہ ازیں قریبًا آٹھ ہزار جوان خاص مالٹا کے باشندوں میں سے منتخب کئے گئے۔

متحدہ ہلالی بیڑا اور اسکی فوجی قوت

۱۸ مئی ۱۵۶۵ء کو ترکی بحری بیڑا جسمیں چھوٹے بڑے کل ملاکر ڈیڑھ سو جہاز اور تقریبًا تیس ہزار فوج تھی۔ پیالی پاشا۔ حسن پاشا۔ مصطفی پاشا جیسے دلاوروں کی کمان میں جزیرہ کی طرف حرکت کرتا دکھائی دیا۔ مجاہدین کا سپہ سالار اور پیشوا لاولیٹا نامی ایک مشہور شجاع تھا مُسن۔ کار آزما۔ دلاور۔ روڈس اور ٹریپولی کے میدان ہارے ہوئے۔ اور بربری کشتیوں

مجاہدین کا پیشوا

پر عرصہ دراز تک حلقہ بگوش خلاصی کا کام کئے ہوئے۔ ترکوں خصوصًا بربریوں کی زبان۔ خو بو۔ اور طرز جنگ سے خوب واقف۔ سخت مزاج بلکہ سفاک طینت۔ خونریز۔ مزید برایں اپنے فرقہ اور ملت کا پکا طرفدار تھا۔ پرچم ہلال کی رویت اول پر اُسنے سمجھا کہ ساعت ناگزیر آن پہنچی۔ اور اپنی ذریات کو جمع کرکے تلقین کی کہ "اے مذہب کے سچے جان نثارو! گناہوں سے

تلقین

توبہ کرو اور خدا کو راضی کرو۔ باہم شکر رنجیوں کو دلوں سے دھو ڈالو۔ اور یکجہتی سے اپنے پاک مذہب پر قربان ہونے کیلئے کمربستہ ہوجاؤ۔ جسکی حمایت کی تم نے قسم کھائی ہے"۔ چنانچہ ہر مجاہد نے الگ الگ سربسجود ہوکر دنیاوی جاہ و جلال اور دنیاوی غرور و تمکنت سے بتضرع و زاری توبہ کی۔ اور

عشاء ربانی تناول کر کے مسیح کی راہ میں جان دینے کو تیار ہو گئے[1]

متحدہ ہلالی بیڑے کی کمان

ادھر متحدہ بیڑا پیالی پاشا کی کمان میں جزیرہ کی طرف بڑھا۔ امیر البحر دراصل طرغد پاشا تھا مگر وہ ابھی شریک نہوا تھا۔ اور ہرچند کہ باب عالی کا حکم تھا کہ طرغد پاشا کے پہنچنے تک کوئی کارروائی شروع نکیجائے۔ مگر کچھ تو پیالی نے عجلت کی اور کچھ طرغد کو بھی سمجھیے۔ شام میں ادھر اُدھر سراغرسانی اور جستجو کرنے میں خلاف توقع پندرہ دن زیادہ لگ گئے۔ نقشہ

موقع جنگ

سے ظاہر ہے کہ سب اُبھار مالٹا کا جنوبی حصہ تھا۔ شمالی حصہ یعنے سیبی راس اگرچہ سامان سے خالی نہ تھا۔ مگر فوجی قوت کے لحاظ سے سینٹ ایلمو میں معمولی درجہ کے سو پچاس سپاہیوں سے زیادہ نہ تھے۔ حملہ آورین کے جہاز اسقدر تھے کہ مرش الکبیر میں داخل ہو کر شمالی

پردار محاصرہ

اور جنوبی دونوں حصوں سے ایک ساتھ جنگ کیجاتی تو سیبی راس کی مختصر جمعیت بآسانی زیر ہو جاتی۔ مگر سپہ سالار مصطفے پاشا سمجھا اور غلط سمجھا کہ سینٹ ایلمو سہل الحصول ہے اگر

مصطفے پاشا کی غلطی

یہ قلعہ قبضہ میں آگیا تو محاصرین اُسمیں جمکر جنوبی حصہ کا محاصرہ عرصہ دراز تک کر سکتے ہیں چنانچہ مرش الاوسط میں داخل ہو کر اسنے سینٹ ایلمو کا محاصرہ خشکی کیطرف سے شروع کر دیا اور ضرایہ کہ مرش الکبیر کو یہانتک نظر انداز کیا کہ اُسمیں چند جہاز بھی اس مقصد کے لئے نہ جانے کہ مالٹا کے جنوبی اور شمالی حصوں کے رسل و رسائل کو مسدود کر سکتے۔ ۲ جون تک ادھر

امیر البحر طرغد پاشا

طرغد پاشا ٹریپولی اور بونا کی چند کشتیوں سمیت۔ اور ادھر سے علی العلوجی پاشا اسکندریہ سے آملے۔ طرغد نے جب دیکھا کہ پردار محاصرہ ایسی بُری طرح سے اُٹھایا گیا ہے تو اُسکو نہایت

---

[1] باربری کورسیر صفحہ ۱۴۵ و ۱۴۶۔

افسوس ہوا۔ اُسکا شروع سے منشا تھا کہ مرش الاوسطا اور مرش الکبیر دونوں سے قطع نظر کیجائے۔ اور بسم اللہ خاص منبع جہاد یعنے قلعہ سینٹ میکائیل اور قلعہ انگلو سے کیجائے۔ اسطرح پر کہ خشکی کی راہ کوہ کا نراڈین اور سینٹ مارگریٹ کی بلند چوٹیوں سے اُنپر گولہ باری کریں تاکہ محاصرین محصورین پر بھاری بھی رہیں۔ اور انکی زد سے بھی محفوظ رہیں۔ مگر چونکہ اسوقت تک بہت سی سدیں اور دمدمے تیار ہو چکے تھے۔ لہٰذا طرغد نے اس تجویز سے بادلِ ناخواستہ موافقت کی۔

افتتاح جنگ

آخر کار یکم مئی کو افتتاحی توپ سر ہوئی۔ سینٹ ایلمو ایک چھوٹا سا قلعہ تھا اور اگر اسکو سینٹ میکائیل سے وقتاً فوقتاً مدد نہ ملتی تو ہفتہ عشرہ میں محاصرہ کا خاتمہ ہو جاتا چنانچہ ۱۷ جون تک مسلسل گولے پڑتے رہے۔ اور قلعہ کی یہ حالت تھی کہ ایک فصیل سخت آتشباری کے بعد جب پاش پاش ہوکر منہدم ہوتی تھی تو پیچھے سے ایک اور جدید فصیل نکل آتی تھی۔ آخر کار ہلّے شروع ہوئے۔ پہلا ہلّہ تین گھنٹے تک رہا۔ محاصرین نے مردانہ وار قلعہ کے ایک گوشہ پر قبضہ کرلیا۔ محصورین نے گھبراکر گرینڈ ماسٹر کو اطلاع دی کہ قلعہ ہاتھ سے جاتا ہے۔ چنانچہ برگ سے تازہ کمک بھیجی گئی۔ اُدھر طرغد پاشا کی تجویز سے خندق پر لمبے لمبے شہتیر ڈالکر ایک بھدّا سا پل تیار کیا گیا۔ اور مصطفٰے پاشا ایک چیدہ دستہ کے ساتھ دروازہ کی طرف بڑھا۔ اُدھر سے محصورین نے سخت مقابلہ کیا اور پانچ گھنٹے کامل ایک سخت ہنگامہ کارزار گرم رہا۔ محاصرین ہر مرتبہ بڑھتے تھے۔ اور ہر مرتبہ پسپا کئے جاتے تھے۔ قلعہ سینٹ ایلمو شدت آتشباری سے ایک تو وہ خشت وگل ہوگیا۔ مگر جاں نثار

سینٹ ایلمو کا معرکہ

مجاہدین ڈٹے چھوٹے برجوں اور فصیلوں کی آڑ میں اس قدر سخت قیمت پر جانیں بیچ رہے تھے کہ بربریوں کے چھکے چھوٹ چھوٹ گئے۔ آخر ۱۷ جون کو محاصرین اپنی غلطی سے واقف ہوئے۔ اور مرشِ الکبیر کو جنگی جہازوں کی مدد سے قبضہ میں لاکر قلعہ محصور اور قلعہ سینٹ میکائیل کے رسل ورسائل کو مسدود کیا۔ اوھر مورچہ بندی کی حد مرش تک پیچھے ہٹائی تاکہ عقب کے تمام بندروں کی حفاظت کیجاسکے۔ اسی اثناء میں جبکہ طرغد پاشا انجنیروں کے ساتھ توسیع حد کے اہتمام میں مصروف تھا تو اچانک اُسے ایک گولی لگی۔ زخم کاری تھا۔ خوف ہوا کہ فوج میں کہیں ہلچل نہ مچ جائے۔ مگر مصطفے پاشا نے اُسی استغنا اور استقلال سے جو ترکوں کا قومی خاصہ ہے۔ طرغد کے بیحس وحرکت جسم پر اپنا اُوور کوٹ ڈھک دیا۔ اور خود اُسکی جگہ کھڑا ہوگیا۔ پانچ روز بعد یعنے ۲۲ جون کو صبحدم آخری حملہ کی تیاری شروع ہوئی توپوں کی آواز سے تمام دشت وجبل گونجنے لگے۔ فصیل کا بیشتر حصہ سربسجود ہوگیا۔ مگر مجاہدین اس بے سروسامانی پر بھی آہنی دیوار کی طرح ڈٹے رہے۔ سہ پہر کو مصطفے پاشا ایک دستے کے ساتھ مینہ آندھی کی طرح قلعہ پر جھکا۔ اُدھر سے محصورین نے بھی دلیرانہ استقبال کیا۔ اور ایک طرفۃ العین میں گھمسان کی لڑائی شروع ہوگئی۔ جسمیں تیغ وسپر اور آخر کو دست وگریبان کی نوبت پہنچی۔ اور اگر رات کی تاریکی بیچ میں نہ پڑتی تو سینٹ ایلمو کی قسمت کا آج ہی فیصلہ ہوچکا تھا۔ صبح۔ صبح محشر تھی۔ کیونکہ قلعہ والوں کی آنکھوں کے سامنے رات بھر تقدیر مرگ پھر رہی تھی۔ وہ جانتے تھے کہ گرینڈ ماسٹر یا پوپ بھی ہمکو اس حالت ششدر اور

غلطی کا اعتراف اور تدابیر محاصرہ کی اصلاح

طرغد کا زخمی ہونا

ترکوں کا [illegible]

آخری حملہ

---

۵۱ باربری کورسیر صفحہ ۱۴۸۔

وہن اژدر سے نہیں بچا سکتا۔ ساعت ناگزیر کسیطرح ٹل نہیں سکتی۔ چنانچہ ہر ایک نے انجیل مقدس کو ہاتھ میں لیکر بوسہ دیا۔ اور اپنے آپ کو خدا کے حوالہ کر کے مسیح کی راہ میں جان دینے کو تیار ہو گئے۔ اُدھر بربری اور ترکی دلاور جنھوں نے کشمکش اُمید و بیم میں جاگ کر صبح کی تھی رات کی گھٹا ٹوپ سے اسطرح نکلے جسطرح کوئی جھلایا ہوا شیر آہنی پنجرے سے۔ یوں تو رسل و رسائل مسدود ہونے سے پہلے ہی سینٹ ایلمو کی قوت محدود ہو گئی تھی۔ مگر اب پچھلے دن کے صف شکن حملوں سے بالکل مضمحل ہو گئی۔ چنانچہ اس آخری حلہ کو سہنے والے وہ پہلے سے مغرور پرجوش۔ اور جانباز مجاہدین نہ تھے۔ بلکہ چند شکستہ حال سپاہیوں کی جمعیت جنکو طویل محاصرہ کی سختی اور فاقہ مستی نے گھلا کر ناتوان کر دیا تھا۔ جنکے چہروں سے یاس و نامرادی ٹپکتی تھی۔ اور جسم زخموں سے چور چور تھے۔ شمشیر بکف اور کفن بردوش قلعہ سے نکلکر ایک خفیف سی حرکت مذبوحی کے بعد بربری دستہ میں اسطرح معدوم ہو گئے جسطرح مینہ کی بوند بادل سے ٹپک کر دریا میں فنا ہو جاتی ہے۔ ہر مجاہد نے مسیحی خون کا ایک ایک قطرہ لعل و یاقوت کے مول بیچا۔ ایک متنفس بھی موت سے بچکر نہیں بھاگا۔ ناموارانہ شجاعت اور مردانہ جسارت کے لحاظ سے سینٹ ایلمو کا بہادر دستہ بڑی زرمیانہ عظمت کا مستحق ہے یہ معرکہ درحقیقت معرکہ پلیونا[۱۵] کی ناقابل نظیر تھی۔ طرغد پاشا اسوقت اپنے خیمہ میں بستر مرگ پر دم توڑ رہا تھا کہ خوشی کے نعروں سے سینٹ ایلمو کا میدان گونجنے لگا۔ اُسنے قلعہ کی

آخری کشمکش

[۱۵] غازی عثمان پاشا ۱۸۷۷ء کی جنگ روم و روس میں ایک مختصر جمعیت کے ساتھ پانچ ماہ تک رومانیا اور روس کی ٹڈی دل فوج سے دلیرانہ مقابلہ کرتا رہا۔ اور آخر کو پچاس ہزار دشمنوں کو تہ تیغ کر کے اُسوقت گرفتار ہوا جبکہ وہ قلعہ سے نکلکر بزور شمشیر راستہ صاف کر رہا تھا۔ لین پول تاریخ ترک صفحہ ۳۶۱۔

طرغد کی موت

فتح کی خبر سنی۔ اور کانپتی ہوئی آواز سے خدا کا شکر ادا کیا۔ اور ساتھ ہی اُس کی روح جو پانچ روز سے گویا اِس مبارک وقت کی منتظر تھی۔ اشک و تبسم کے ہجوم میں پرواز کر گئی۔

طرغد کا کیرکٹر

نہایت دلیر معرکہ آرا۔ شیر میدان رزم۔ معاصرین میں سب سے زیادہ نامور شجاع عروج اور خیر الدین کا ہم پلہ۔ امیر البحر ڈوریا سے بدرجہا زیادہ ممتاز۔ چارلس پنجم کے بڑے بڑے جانباز جرنیلوں اور کرنیلوں کا مُنہ پھیر دینے والا۔ حقیقت یہ ہے کہ طرغد پاشا زمیانہ مذاق میں یکتائے روزگار اور عدیم المثال امیر البحر تھا۔ ہمیشہ اکھڑ سپاہیوں کی سی زندگی بسر کرتا۔ جاہ و منصب کا آرزومند نہ تھا۔ بلکہ صرف جانبازی پر مرتا تھا خواہ کامیابی ہو یا ناکامی۔ مغلوب دشمنوں خصوصاً قیدیوں کا سچا ہمدرد و رفیق۔ نہایت زندہ دل آزاد منش بے تکلف تھا۔ ماتحتوں سے مساویانہ سلوک کرتا۔ اِس سے تمام فوج مٹھی میں رہتی تھی سپہگری میں اسکو کمال[۱] تھا اُس کی سی موت قریباً اڑھائی سو برس بعد لارڈ نیلسن کو نصیب ہوئی دونوں سچے سپاہیوں کیطرح اپنے فرائض کی انجام دہی میں عین تنت پر زخمی ہوئے طرغد سینٹ ایلمو کے میدان میں اور نیلسن ۱۸۰۵ء میں آبنائے ٹریفلگر میں۔ طرغد نے اُس وقت جان دی جبکہ فتح کے نعروں سے ہوا گونج رہی تھی۔ یہ وہ انجام ہے جسکی نامور شجاعوں کو بڑی آرزو ہوتی ہے۔

متحدہ بیڑے نے سینٹ ایلمو کو لیا تو سہی۔ مگر نہایت سخت قیمت دیکر۔ طرغد کے علاوہ چھ ہزار سپاہی کھیت رہے۔ اور قریباً دو ہزار آدمی اُدھر کام آئے جنمیں تین سو

---

[۱] لین پول صفحہ ۱۴۹۔

مجاہدین سے اور باقی دول یورپ کی امدادی فوج سے۔ باینہمہ سپہدار جہاد یعنے وہ سنگین قلعہ سینٹ میکائیل اور قلعہ سینٹ انگلو ابھی اُسیطرح ایستادہ تھے۔ انکو کسی نے ابھی چھوا تک نہ تھا۔ محاصرین کی طاقت جتنی گھٹتی تھی ہمیشہ کیلئے گھٹتی تھی۔ اور محصورین کا اضمحلال برائے چندے ہوتا۔ کیونکہ یورپ سے مقویات کا تار بندھا رہتا تھا۔ اور فوجوں پر فوجیں مسلسل چلی آتی تھیں۔ چنانچہ ۳۰۔ جون سے قبل ہزار سے زیادہ سپاہیوں کی ایک تازہ کمک پہنچی یہ ڈن جان آوکارڈونا کا عطیہ تھا۔ سپہ سالار ملکا ئزآورو بل کو قلعہ تک پہنچنے میں سخت وقت پیش آئی۔ کیونکہ مرش الکبیر کے مشرقی ساحل کے تمام قلعہ جات جو بندرگاہوں کا کام دیتے تھے۔ پچھلے ہنگامہ میں مسمار کر کے اُن کے مصالحہ سے وقتاً فوقتاً سینٹ ایلمو کی مرمت کیگئی تھی۔ اسلئے لاسینگل سے کوئی رستہ نہ تھا۔ آخر یہ دستہ اولڈ ٹون کیطرف سے سینٹ میکائیل میں داخل ہوا۔

فریقین کی قوتوں کا موازنہ

محاصرین نے اب طرغد پاشا کی تجویز پر عمل کیا۔ اور جنوبی حصہ پر پیچھے سے حملہ کرنے کی تیاری کی۔ زمین قدرتاً سنگلاخ تھی۔ جسمیں دمدمے اور سدیں تیار کرنا سخت دشوار تھا۔ اور چونکہ اس بلندی پر بچاؤ کا کوئی قدرتی سامان نہ تھا اسلئے رات کی گھٹا ٹوپ میں سفر مینا اپنا کام کرتی تب بھی کوہکن اوزاروں کی آواز پر قلعہ سے گولہ باری ہوتی رہتی تھی بالآخر ۴۔ جولائی تک مسلسل محنت کے بعد سینٹ مارگریٹ اور کانہ اڈین کی بلندیوں پر چند بڑے بڑے دمدمے تیار کیئے گئے۔ اور سینٹ میکائیل پر سامنے سینٹ ایلمو سے اور پیچھے ایک طرف کوہ مارگریٹ سے۔ اور دوسری طرف کانراڈین سے ایک ساتھ گولے پڑنے لگے۔

طرغد مرحوم کی تجویز

دوسرا محاصرہ

ادھر کوہ سالویڈور سے انگلش ہاربر پر آگ برستی تھی۔ اب صرف ایک طرف اور باقی رہگئی تھی یعنے گیلی ہاربر جو برگ اور سینٹ میکائیل کے درمیانی قطعہ کا نام ہے۔ چنانچہ چند جنگی کشتیوں کا ایک چھوٹا سا سلسلہ باندھکر خلیج مذکور میں داخل ہونا چاہا۔ مگر اسکے مُنہ پر ایک نہایت وزنی فولادی زنجیر اس سرے سے اُس سرے تک آویزاں تھی۔ بربری دستہ کے چند پرجوش فوجوان زنجیر کاٹنے کیلئے فولادی کُلھاڑیاں لیکر پانی میں کود پڑے۔ اُدھر سے مالٹا والے ننگی تلواریں مُنہ میں تھامکر تیرتے ہوئے مقابلہ کو بڑھے۔ آخر ایک سخت کُشت و خون کے بعد بربریوں کو پسپا ہونا پڑا۔ ۱۵۔ جولائی کی رات کو محاصرین نے سینٹ میکائیل پر تین طرف سے دھاوا کیا۔ ایک دستہ ساحل انیلا پر اُترکر خشکی کی راہ برمولا کے شرقی حصہ کی طرف بڑھا۔ دوسرا کوہ مارگریٹ کی چوٹیوں سے بخط مستقیم اُس حصہ قلعہ پر جُھکا جو بُرج روبل سے محفوظ ہے۔ اور تیسرا جنوب مغرب یعنی کوہ کانراڈین کی جانب سے قلعہ کے مغربی گوشہ پر حملہ آور ہوا۔ جو آبنا سے لاسنگل میں کچھ زیادہ نکلا ہوا تھا۔ مجاہدین ہر طرف سے سدراہ ہوئے مگر ایک پیش نگئی حملہ آورین نے مردانہ وار بڑھکر قلعہ پر کمندیں اور رسّی کی سیڑھیاں لگاکر چڑھنا شروع کیا۔ محصورین نے بھی مقابلہ کرنے میں کسر نہیں رکھی۔ رات کی تاریکی اور خاموشی میں بڑھو! بڑھو!۔ اور مارو! مارو! کی پرجوش آوازیں دشت و جبل میں اسطرح گونجتی تھیں کہ دل دہلتے تھے اور معلوم ہوتا تھا کہ آجکی رات صبح قیامت پر ختم ہوگی۔ بربری اور ترکی جانباز جوق جوق سیڑھیوں پر آتے تھے اور چڑھتے تھے۔ مگر لب بام پر پہنچکر دھکیل دیے جاتے تھے۔ آخرکار تمام کمندیں کاٹ ڈالی گئیں۔ مگر اُنھوں نے نئی کمندیں

تین طرف سے شبخون

ڈالکر پھر چڑھائی شروع کی اور پھر ایک سخت کشمکش بلندی و پستی شروع ہوئی مجاہدین کی تلواروں میں کھانڈے پڑ گئے تو اُنھوں نے بڑے بڑے وزنی پتھر اور چٹانوں کے کھڑے لڑھکانا شروع کئے۔ اسپر بھی محاصرین کے جوش کی یہ حالت تھی کہ سنگسار ہوکر دست و پا بریدہ ہوکر بھی فصیل تک پہنچتے تھے۔ اگرچہ شبخون میں ناکامی ہوئی مگر اُس سے مجاہدین کا سخت نقصان ہوا کیونکہ سینٹ میکائیل کی کئی بڑی بڑی سدیں اور مستحکم برج صدمہ آتشباری سے پاش پاش ہوگئے۔ صدہا دلاور اور کئی نامور افسر کام آئے۔ اُدھر بربریوں کو بہ نسبت دشمن کے تیر و تفنگ کے اپنی سوء تدبیری سے زیادہ نقصان پہنچا۔ یعنے اسپلاوا کے دستہ نے ساحل پر اُترکر جہاز واپس کر دیے تھے۔ اِس لئے اب واپسی پر اُنکو بجز اِس کے اور کسی بات میں مفر نہ تھا کہ تلواروں سے کٹیں۔ گرفتار ہوں۔ یا غرقاب۔ چنانچہ اِس قیامت انگیز رات کو اسقدر کُشت و خون ہوا کہ لاشوں کے پشتے بندھگئے۔ اور آبنائے اسپلا خوننابہ معلوم ہونے لگی۔ ایک انگریزی مورخ یہ تسلیم کرتا ہے کہ مجاہدین نے جنکو نامور شجاع کا خطاب دیا جاتا ہے۔ تمام قیدیوں کو تہ تیغ کر ڈالا[۱]۔ جب کُھلے میدان میں کامیابی نہوئی تو محاصرین نے سرنگ سے قلعہ کو اُڑانے کا ارادہ کیا۔ مجاہدین اس فن میں بھی طاق تھے اسلئے پہلی کوشش تو اُلٹی پڑی۔ یعنے جب سرنگ پھٹی تو اپنی ہی ایک کمینگاہ کو لے اُڑی۔ لیکن ترکی سفر مینا نے ہمت نہیں ہاری۔ اور قلعہ کی جو سدیں خشکی کیجانب تھیں اُنکے دونوں برجوں کی جڑوں میں دن رات سرنگیں لگاتے رہے یہاں تک کہ ۲۷ جولائی کو برج ردیل

کشت و خون

مجاہدین کی نامورانہ شجاعت کی ایک مثال!

---

[۱] لین پول صفحہ ۱۵۵ - صرف وہ قیدی ذبح ہونے سے بچے تھے جنکو محصورین نے ناقوں سے نوچکر مار ڈالا۔

اور برج قسطلیہ دونوں ایک ساتھ بھک سے اڑ گئے۔ یہ کامیابی دراصل صالح[۱] رئیس کی شب گردیوں اور سراغ رسانیوں سے حاصل ہوئی جب قلعہ بندی میں اچھی طرح رخنہ پڑ گیا۔ تو ۲۔ اگست کو دوپہر کے وقت چھ ہزار چیدہ جوانوں کا دستہ برج رو بل کی جانب بڑھا ملکائر اسوقت دن بھر کی سخت محنت کے بعد تمازت آفتاب سے گھبرا کر دستہ سمیت تازہ دم ہونے چلا گیا۔ اور میدان خالی تھا۔ اگرچہ یہ لوگ بڑی احتیاط سے چھپتے چھپاتے چلے مگر دروازہ کے سنتریوں کو کسیطرح پتہ لگ گیا۔ اور الارم دینے پر ملکائر مع فوج کے مقابلہ کیلئے آموجود ہوا۔ چنانچہ برج روبل کے تودۂ خشت و گل پر دو برابر کی طاقتیں چار گھنٹے آپسمیں ٹکراتی رہیں۔ ہر ٹکر پر یہ شبہ ہوتا تھا کہ اب فیصلہ ہو گیا۔ مگر ایسے نازک موقعوں پر قدرت کی مہیب طاقتیں ثالث بنجایا کرتی ہیں۔ آفتاب کی تمازت اسقدر تیز ہوئی کہ فریقین تاب نہ لا سکے۔ اور معاملہ کو یکسو کئے بدون پلٹ آئے۔ اس معرکہ میں محاصرین کے پانسو آدمی کھیت رہے۔

دوسرا حملہ

۷۔ اگست تک تازہ دم ہوکر مصطفےٰ پاشا نے بیس ہزار فوج کے ساتھ پھر حملہ کیا اور دونوں برجوں کے حصہ خندق پر قبضہ کر کے فصیل پر کمندیں ڈالدیں۔ قلعہ والوں نے اس مرتبہ نہایت سخت مقابلہ کیا۔ اُنکے بڑے بڑے شجاع فصیل پر جھک پڑے میکائر آو روبل ۔ مناٹن ۔ اور اسپین کے نامور جرنیلوں نے بڑھ بڑھکر داد مردانگی دی یہانتک کہ بڈھا گرینڈ ماسٹر بنفس نفیس ناکہ بندی کے لئے آیا۔ اور نہ صرف آیا بلکہ معمولی سپاہیوں کیطرح

تیسرا حملہ

[۱] یہ خیرالدین کے ہمعصر صالح رئیس کا بیٹا تھا۔

اگلی صف میں تلوار لیکر لڑا۔ مگر محاصرین جوش سے مبہوت تھے۔ اُنکو برجوں کے رخنوں کے سوا اور کچھ نہ سوجھتا تھا۔ نہ تلوار کے قبضہ اور نوک میں تمیز تھی۔ نہ یہ حس تھی۔ کہ جسم میں کونسا بازو باقی ہے۔ ہر جست پر دیوانہ وار بڑھتے تھے۔ حتیٰ کہ بے سر کا تن بھی ایک قدم بڑھکے گرتا تھا۔ آخر اس خونریز کشمکش کے بعد ایک جماعت فصیل پر چڑھگئی۔ قریب تھا کہ ہلال نصب کریں۔ قریب تھا کہ باقی فوج طوفان بے تمیزی کیطرح قلعہ پر جھک پڑے۔ مگر یکایک ایک دستۂ فوج سامنے اولڈٹون کیطرف سے قلعہ کو آتا دکھائی دیا۔ اور گمان ہُوا کہ یورپ سے تازہ کمک آئی ہے۔ یہ خبر آناً فاناً تمام متحدہ فوج میں پھیلگئی اور اسدرجہ خوف وہراس غالب ہوا کہ مصطفےٰ پاشا نے ہرچند تسکین کی حسن پاشا نے ہرطرح دم دلاسا دیا۔ مگر ہوا کا رخ بدل چکا تھا۔ ایک پیش نہ گئی۔ اور جو بات آٹھ گھنٹے کی جانفروشی سے حاصل ہوئی تھی وہ ایکدم میں مفت جاتی رہی۔ مگر اس سے مصطفیٰ پاشا کی ہمت میں سرمو فرق نہ آیا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ برج روبل اور برج قسطلیہ مسمار نہیں ہوئے۔ بلکہ ستون جہاد مرکز ثقل سے ہلگیا ہے ایسی متزلزل حالت میں اسکے سوا اور کیا توقع ہوسکتی تھی کہ اگر کچھ اور اسیطرح اوپر سے گولہ باری ہوئی اور نیچے سے سرنگیں اُڑیں تو ایک ہلہ میں سینٹ میکائیل مسخر ہوجائیگا۔ چنانچہ ۲۰ سے ۲۹ اگست تک چھوٹے چھوٹے حملے ہوتے رہے۔ آتشباری اور سرنگوں کا سلسلہ جاری رہا۔ مگر اِن سے کوئی نمایاں کامیابی نہیں ہوئی۔ ۲۰۔ اگست کو محاصرین ایک عام ہلہ کرکے برج سے پرلی طرف اُتر گئے۔ مگر محصورین نے یہ حصہ بہت جلد سُرنگ سے اُڑا دیا۔ ۵ ستمبر کو اسپین سے ہزاروں سپاہیوں کی ایک جری فوج مع وافر سامان جنگ

حاشیہ: محاصرین کی جانبازی

حاشیہ: بساط اُلٹ گئی

محافظت قلعہ کی مدد کو پہنچگئی اسلئے افواج متحدہ کو بجز اسکے چارہ نہ رہا کہ محاصرہ سے دستکش ہو جائیں۔

محاصرہ اور حملہ کے نتائج اور مالٹا کی شکستہ حالت

اگرچہ مجاہدین بیت المقدس کو ہمسایوں کی پامردی سے بحر لیوانٹ میں کچھ دن اور سفاکانہ غارتگری کرنیکا موقع ملگیا۔ مگر یہ حالت صحت کے خواب تھے۔ سر دست جسم کا کوئی عضو صحیح نہ تھا۔ سیبی راس میں کوئی عمارت سلامت نہ رہی تھی۔ سینٹ ایلمو کی بجائے اینٹوں اور پتھروں کا ایک غیر متمیز انبار لگا تھا۔ خاص مبدا جہاد کی کوئی بندرگاہ یا جہاز نہ بچا تھا۔ نہ سدوں کا کہیں پتہ تھا۔ برج روبل اور قسطلیہ کے مسمار ہو جانیسے سینٹ میکائیل کی صورت مسخ ہوگئی۔ تمام فصیل و بروج میں جابجا ناسور پڑگئے۔ سیکڑوں مجاہدین اور ہزاروں امدادی فوج کٹ گئی۔ جو بچے وہ صعوبت اور شدت فاقہ سے پیکر استخوان معلوم ہوتے تھے۔ نہ میگزین میں سامان باقی رہا تھا۔ نہ خزانہ میں روپیہ۔ اور اگر لاولیٹا کو کوئی وجہ اطمینان تھی تو صرف یہ کہ جان بچی لاکھوں پائے۔ ادھر قسطنطنیہ اور الجزائر کی متحدہ قوت کو مالٹا میں سخت سے سخت مقابلہ کی توقع تو تھی مگر ناکامی کی توقع نہ تھی۔ اور ناکامی بھی ایسی کہ لکھو کھا روپیہ خرچ ہوا۔ ہزاروں دلاور کھیت رہے۔ یہانتک کہ تیس ہزار میں سے تہائی چوتھائی فوج بھی باقی نہ رہی۔ طرغا جیسا ہیرو نذر ہوا۔ اور لٹیروں کے مقابلہ پڑنا کا م پھر کر جو خجالت دامنگیر ہوئی وہ مزید براں ہے۔

نواں باب

دول یورپ کا حملہ۔ لیپنٹو کا معرکہ۔ ترکی بربری بیڑے کی ہزیمت

سنہ ۱۵۷۱ء

قسطنطنیہ اور بربر کے تعلقات

ناظرین کو حیرت ہوگی کہ پچھلے چار بابوں میں جسقدر واقعات سلسلہ وار قلمبند کیے گئے ہیں اُنسے فی الجملہ مستنبط ہوتا ہے کہ قرن وسطی میں الجزائر کے تاریخانہ اسٹیج پر ترکی سین زیادہ دکھلائی دیتے تھے۔ لہذا اقصاے مغرب کی تاریخ میں قسطنطنیہ کی تاریخ کا رنگ آگیا ہے۔ لیکن یہ کچھ خلاف توقع نہیں اور نہ بیموقع ہے۔ اسلئے کہ خیر الدین نے عنان حکومت ہاتھ میں لیتے ہی اقصاے مغرب کی چھوٹی سی سلطنت کو مصلحتًا دولت عثمانیہ میں ضم کر دیا تھا۔ اور باب عالی نے بھی اس الحاق کو غنیمت سمجھا کیونکہ لٹیروں کی موافقت انکی مخالفت سے بدرجہا بہتر ہے۔ بربر کے بڑے بڑے نامور ترکی فوجوں کے سپہ سالار ہوتے تھے اور بربر کی سبک رفتار بادبانی کشتیاں عمومًا ترکی جنگی بیڑوں کا ہراول یعنی ویسارینائی تھیں گویا باب عالی۔ اقصاے مغرب کو شجاعت اور نبرد آزمائی کا گودام سمجھتا تھا۔ اور یہاں کی شجاعت کے نمونوں سے حسب ضرورت اپنے بحری اور بری صیغوں کو آراستہ کیا کرتا تھا۔ چنانچہ مدار کامیابی ہی یہ ٹھہر گیا تھا کہ ترکی اور بربری بیڑے متحد ہوکر حملہ کریں اور اس متحدہ بیڑے کا امیر البحر الجزائر کا کوئی نامور فرمانروا یا دلیر معرکہ آرا مثلًا خیر الدین۔ طرغد۔ حسن مقرر کیا جا۔ وقائع نگار کو بجز اسکے چارہ نہیں کہ ہر حالت میں ہر وقت اور ہر جگہ سایہ کی طرح اپنے ہیرو

(نامور وں) کے ساتھ رہے۔ خواہ وہ پریویسا کے قریب امیر البحر ڈوریا سے معرکہ آرا ہوں یا خاص سواحل بربر پر ڈیوک میڈینا سلی سے زور آزما ہوں۔ غرض ہر جگہ انکی کامیابیوں اور ناکامیوں کو قلبند کرنا مورخ کا فرض منصبی ہے۔ اس لحاظ سے مالٹا کا محاصرہ گو ترکی تاریخ کا واقعہ ہے۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بربر کی تاریخ سے اسکو کچھ تعلق نہیں۔ سچ یہ ہے کہ اگر الجزائر کے اولو العزم فرمانرواؤں اور دلاوروں کی شجاعت کو ترکی کارناموں کا نفس مضمون فرض کریں تب بھی خیر الدین اور طرغد کی جان نثاریاں اقصائے مغرب کے لئے بدرجۂ اولی باعث فخر و عزت ہیں اور ہمیشہ ہونگی۔

اگرچہ مالٹا کے ناکام محاصرہ سے الجزائر اور قسطنطنیہ کی جنگی عظمت کو صدمہ پہنچا۔ مگر یہ صدمہ صرف بڑی قوت تک محدود تھا۔ بحری عظمت کی آب و تاب میں سرمو فرق نہ آیا تھا۔ بربری کشتیاں بحر روم میں اسیطرح بیباکانہ دورے کرتی تھیں۔ اور تمام بحور واقع جنوب یورپ یا شمال افریقہ کو اپنا جولانگاہ سمجھتی تھیں۔ طرغد اگر موجود نہ تھا تو اس مردم خیز خطہ میں طرغد کے ثانی بکثرت تھے۔ چنانچہ علی العلوجی پاشا طرغد اور خیر الدین کے قدم بقدم تھا۔ یہ شخص اصل میں صوبہ کلبیریا کے ایک معزز عیسائی خاندان سے تھا۔ رسم جنگ کے بموجب گرفتار ہوکر الجزائر کے نخاس میں وارد ہوا۔ اور یہاں سے کسیطرح طرغد کے دائرہ ملازمت میں داخل ہوگیا۔ چونکہ اس زمانہ میں عام طبائع کا میلان شجاعانہ کاموں کیطرف تھا لہذا کچھ تعجب نہیں کہ ہم علی العلوجی کو خدام ادب کے زمرہ سے نکلکر مالٹا کے محاصرہ میں کارفرما پاتے ہیں۔ یہ ۱۵۶۵ء کا واقعہ ہے۔ اسوقت الجزائر کی عنان حکومت حسن ابن خیر الدین

جنگ مالٹا کا نتیجہ

علی العلوجی پاشا

علی العلوجی گورنر الجزائر

کے ہاتھ میں تھی جو مالٹا کے محاصرہ میں شریک تھا۔ حسن کے انتقال کے بعد علی العلوجی نے زمام سلطنت لی۔ اور سب سے پہلے ٹیونس کو اہل اسپین سے انتزاع کیا۔ مگر حلق الوید (گالیٹا) پر اب بھی تسلط نکر سکا۔ اُسکے عہد کا سب سے مشہور واقعہ یہ ہے کہ جولائی ۱۵۷۰ء

تیونس کی فتح

میں جبکہ وہ مغربی بحر روم میں دورہ کر رہا تھا تو ساحل سسلی کے قریب مجاہدین بیت المقدس کے بیڑے سے مقابلہ ہوا جسمیں پانچ جنگی جہاز تھے۔ اور سینٹ کلیمنٹ کی کمان میں مال غارتگری لئے مالٹا کو واپس جاتے تھے۔ بندرگاہ القطائع پر دونوں میں بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ سینٹ کلیمنٹ نے گو آبرو ریز انجام سے بچنے کی کوشش کی مگر مجاہدین کھلے میدان کے بہادر نہ تھے۔ نہ پامردی ہمسایہ بدون جسم سکتے تھے۔ کمان افسر کو آخر کار تین کوہ پیکر جہاز جنمیں علمبردار جہاز بھی تھا علی العلوجی پاشا کے نذر کرنا پڑے اس معرکہ میں ساٹھ مجاہدین غرقاب شہادت ہوئے۔ اور اکثر گرفتار۔ جب یہ لُٹا ہوا قافلہ مالٹا پہنچا تو مجاہدین اسقدر برہم ہوئے کہ گرینڈ ماسٹر (معلم اول) بڑی مشکل سے سینٹ کلیمنٹ کی جان بچا سکا۔ تاہم اہل شہر نے اُسے زندہ نچھوڑا۔ یعنے سول افسروں نے اُسپر دغابازی کا الزام لگاکر پھانسی دیدی۔ اور لاش کو بلا تجہیز و تکفین ایک پیپہ میں ڈالکر سمندر میں پھینکدیا لیکن ۱۵۶۸ء اور ۱۵۷۱ء میں مجاہدین نے پامردی ہمسایہ سے القطائع کی چھوٹی سی زک کا خوب دل کھولکر بدلہ لیا۔ اور سچ یہ ہے کہ الجزائر اور قسطنطنیہ کے متحدہ بحری قوت کو کچھ عرصہ کیلئے بالکل مضمحل کر دیا۔ اسکے تفصیلی کوائف حسب ذیل ہیں۔

مجاہدین سے مقابلہ

عروس البحر وینس کا انداز

یہ یاد ہوگا کہ ۱۵۳۸ء میں خیر الدین نے وینس کے جنگی بیڑے کو امیر البحر

ڈوریا کے زیر کمان پریویسا کے قریب شکست فاش دی تھی۔ اس سے ریاست مذکور کا بحری اقتدار گو ہمیشہ کے لئے خاک میں ملگیا تھا۔ مگر اُسکا جوش ہنوز اُسی شد و مد پر تھا۔ اور اگر سکوت تھا تو صرف اِسلئے کہ بیمار اور کمزور تھی۔ چنانچہ جب کبھی یورپ کی کسی سلطنت یا کم سے کم روم مقدس کو ذرا اپنی پشت پر دیکھتی تو ریاست جامہ سے باہر ہوجاتی تھی۔ ہر چند کہ اُسکے تمام اچھے اچھے بندر اور بحری مقامات ایک ایک کرکے عثمانی ظل حمایت میں داخل ہوگئے تھے۔ تاہم بعض کارآمد جزیرے ابھی باقی تھے انمیں ایک جزیرہ سائپرس بھی تھا جو بحر لیوانٹ میں گویا وینس کی مرحوم شان و عظمت کی یادگار تھا۔ مشرقی بحر روم میں جزیرہ مذکور سے بہتر کوئی محفوظ مقام نہ تھا۔ خاصکر حالت جنگ میں فوجوں کیلئے وسیع ہیڈکوارٹر۔ سامان جنگ کیلئے عمدہ میگزین۔ رسد و راشن کیلئے کافی گدام۔ علاوہ ازیں سائپرس کا قدرتی موقع اور منظر جنگی ضرورتوں کیلئے اسقدر موزوں تھا کہ یہاں جمکر تمام بحر لیوانٹ میں جہازرانی کرنیوالوں کی باسانی نگہبانی کیجاسکتی تھی غنیم کی ہر حرکت و سکون سے خبردار رہ سکتے تھے۔ اور ان سب سے بڑھکر یہ خصوصیت تھی کہ یونانی غارتگر اور اُنکی ہمسایہ قوموں کے بحری قزاق جو عموماً ساحل شام پر آباد تھے سائپرس کو اپنا ملجا و ماوےٰ سمجھتے تھے۔ صاحبقران اِن تمام امور سے ناواقف نہ تھا مگر موقع کا منتظر رہتا تھا۔ اب اُسکے فرزند جانشین سلطان سلیم ثانی نے بھی اُسی خیال کا اتباع کیا۔ اور چونکہ وینس اُس زمانہ کے یورپ کی غارتگرانہ پالیسی کی درپردہ مؤید تھی۔ اور عثمانی حدود پر ترکتازیاں کرنیوالوں کو حاسدانہ جرأت دلایا کرتی تھی اِسلئے

جنگ لپنٹو کے اسباب

جزیرہ سائپرس کا منظر اور موقع

جزیرہ مذکور پر چڑھائی کرنے کی تجویز

اشتہار جنگ

جنگ کا حیلہ ڈھونڈھ لینا کچھ مشکل نہ تھا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور ۹۷۸ھ میں بابعالی نے سائپرس کے قبضہ کیلئے وینس کو اشتہار جنگ دیدیا۔

وینس کی تدابیر جنگ

ریاست وینس اس قسم کے اشتہاروں پر جو کچھ کر سکتی تھی وہ اس سے زیادہ نہ تھا کہ مجاہدین بیت المقدس کیطرح پوپ آف روم سے استمداد کرے۔

پوپ کی مساعدت

یورپ کی مذہبی حکومت اسوقت پوپ پیس پنجم کے مبارک ہاتھ میں تھی۔ جو نہایت مدبر، پر جوش اور مقدس پیشوا تھا۔ اُسنے جنگ کو ناگزیر سمجھکر دول یورپ سے امداد کی تحریک کی۔ ان میں فلپ شاہ اسپین نے ایک جرار بیڑا بسرداری گیونی ڈوریا بھیجا۔ اور خود پوپ نے اٹلی کے شہزادوں سے تھوڑی تھوڑی فوج اور جہازات لیکر ایک بڑا بیڑا تیار کرکے بھیجا۔ جسکا کمان افسر مارک انٹونی تھا۔ متحدہ بیڑے میں کل ملاکر ۲۰۶ جنگی جہاز اور اڑتالیس ہزار فوج تھی۔

دول یورپ کی امداد

صلیبی قوت

ہلالی متحدہ بیڑا اور اسکے کمان افسر

ادھر علی العلوجی نے بربری بیڑا پیالی پاشا اور لالہ مصطفےٰ کی کمان میں براہ راست جزیرہ سائپرس کیطرف چلتا کیا۔ اور خود دشمن کی قوت کا اندازہ کرنیکے لئے سواحل اٹلی کیطرف بڑھا۔ کیونکہ امدادی فوجوں کا مقام اتصال حوالی روم قرار پایا تھا۔ ہرچند کہ دول یورپ کی قوت مجموعی طور سے علی العلوجی پر حاوی تھی۔ مگر بربری بیڑے کا رعب کچھ ایسا چھایا کہ جب متحدہ بیڑے نے یہ سُن لیا کہ علی العلوجی سواحل اٹلی سے چلا گیا ہے اور اس خبر کی تصدیق بھی کرلی۔ تب یہاں سے جنبش کی۔ اُدھر پیالی پاشا اور لالہ مصطفیٰ نے سائپرس پہنچتے ہی دارالحکومت نیکوشیہ کا محاصرہ شروع کردیا۔ یورپین

نیکوشیہ کا محاصرہ

متحدہ جہازوں کے کپتان اور کمان افسر یہاں پہنچکر خارجۃ الحرب کے مسائل حل کرتے رہے۔ اور علی العلوجی نے تمام فوجیں جہازوں سے اُتار کر محاصرہ کا خاتمہ کر دیا اگر چین فوجیں سواحل اٹلی کے قریب علی العلوجی پر حملہ کرتیں یا سائپرس پہنچکر آٹھویں نویں ستمبر کو خالی جہازوں کو لے ڈالتیں تو بربریوں کا پتہ نہ ملتا۔ مگر یہ عمدہ موقعے غازیانہ تمکنت اور شجاعانہ اداؤں میں غارت کر دیئے۔ جسکا یہ نتیجہ ہوا کہ نیکوشیہ کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا۔ اور اگست ۱۵۷۱ء تک فیاغستہ جو جزیرہ سائپرس کا دوسرا مستحکم قلعہ ہے فتح ہو گیا۔ اور اسطرح بحر لیوانٹ میں وینس کی عظمت کا نام و نشان تک ہٹ گیا

مسیحیوں کی غلطی

نکوشیہ پر ہلالی جھنڈا

فیاغستہ و جزیرہ کی فتح

مگر علی العلوجی کو سلسلہ جنگ منقطع ہونیکی اُمید نہ تھی۔ لہذا اُسنے ہمراہی علی پاشا جو سپالی پاشا کا قائم مقام تھا بحیرہ اڈریاٹک سے شمشیر بکف گزر کر خلیج لپنٹو میں لنگر ڈالا۔ اور اطمینان کے ساتھ متحدہ بیڑے کا انتظار کرنے لگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ترکی بربری بیڑے کی گزشتہ فتحمندیوں پر ضرورت سے زیادہ بھولا ہوا تھا۔ اور سمجھتا تھا کہ جسطرح ۱۵۳۸ء میں شیر دل خیر الدین نے پریویسا کے قریب انڈریا ڈوریا کا بیڑا غرق کیا تھا اُسیطرح وہ آج ۱۵۷۱ء کے موسم خزاں میں اس بیڑے کو تباہ کریگا گیلے جہاز اور جنگی کشتیاں جیسے جیسے بحر اڈریاٹک کی بلوریں سطح پر لہرا لہرا کر اور کاٹ کاٹ کر قلعہ کی شکل میں مرتب ہوتی جاتی تھیں ویسے ویسے تجربہ کار ملاحوں اور فرسودہ روزگار دلاوروں کو معرکہ پریویسا کے واقعات تازہ ہوتے جاتے تھے مگر حقیقت یہ ہی کہ ہر چیز کی ایک حد ہے۔ ترکی بربری بیڑے کے شجاعانہ حوصلے

لپنٹو

فریقین کی متضاد حالت

غایت بلندی پر پہنچ چکے تھے۔ اُدھر مغربی دنیا کے جہاز رانوں کا کاسۂ تذلیل بھی لبریز تھا۔ قطع نظر اسکے پر یوسیا اور لیپنٹو میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ اُسوقت

کیتھلک تسبیح کے دانے

کیتھلک تسبیح کے دانے بکھرے ہوئے تھے۔ مگر اب پوپ پیس پنجم کے پرجوش اور سحر آفرین خطبوں نے اُنکو کثرت سے وحدت میں منسلک کردیا تھا۔ اور تمام ہمسر سلطنتوں کے مرض نفاق کا ازالہ کرکے گویا یورپ کے تن بیجان میں تازہ روح پھونکدی تھی۔ اس وقت یورپین متحدہ بیڑے کی کمان متعدد اور مختلف الرائے سرداروں کے ہاتھ میں تھی اور اب تمام بیڑے کا سردار ایک شخص تھا۔ وہ اولوالعزم شخص جو درحقیقت "مردے از غیب بروں آید وکارے بکند" کا مصداق تھا۔

ڈن جان آو اسٹریا کے نام سے ہمارے ناظرین ناواقف نہیں۔ یہ اُسی چارلس اعظم کا بیٹا تھا جسکی اَن تھک ہمت اور استقلال نے قرن وسطی کے تمام جنوبی یورپ کو بالعالی کا حلقہ بگوش ہونیسے بچایا تھا۔ ابھی بائیس برس کا تھا کہ سوتیلے بھائی فلپ نے مسلمانان اُندلس کی جلاوطنی کا کام اُسکے سپرد کردیا۔ چنانچہ کوہستان البکزرا کے تنگ و تاریک مقامات کو صدیوں کے رہنے عربوں سے یکلخت پاک کرنا اُسیکا کام تھا[۱]۔ اب صرف دو برس بعد پوپ پیس کی خوشنودی کیلئے اُسکو تمام جنوبی یورپ کی بحری قوت کا ذمہ دار ہونا پڑا۔ گو یہ سچ ہے کہ ایسی اہم ذمہ داری اُس اولوالعزم شخص کیلئے چنداں مشکل نہ تھی جو قرن وسطی کے اصول شجاعت کا پابند تھا

[۱] دیکھو تاریخ اندلس باب ۱۲۔

قرن وسطیٰ کا معیار شجاعت

البتہ اس زمانہ کے نامور شجاع کیلئے سخت دشوار تھی۔ کیونکہ اُس زمانہ کا معیار شجاعت یہ تھا کہ مغلوب دشمنوں کو کہیں پناہ نہیں۔ مگر اس زمانہ کا معیار شجاعت یہ ہے کہ مغلوب دشمنوں کو مکلف و آراستہ عشرتکدوں میں رکھیں۔ اور اگر وہ زخمی ہوں تو اُنکی صحت کلی کے ذمہ دار ہوں۔

آو ! اس اولوالعزم امیر البحر کو اسپین میں چھوڑ کر آبنائے مسینا کی سیر کریں۔ اور ایک یورپین وقائع نگار بنکر متحدہ بیڑے کا جائزہ لیں۔

آبنائے مسینا کا منظر

جون ۱۵۷۱ء کی ایک مبارک صبح کو صلیبی جہازوں کے دستے آبنائے مسینا میں ہر طرف سے لہرا لہرا کر داخل ہوتے جاتے ہیں۔ اور اُسکی نورانی سطح پر مربعوں کی شکل میں جمتے جاتے ہیں۔ وینس کا امیر البحر وینرو اڑتالیس جنگی جہازوں سمیت یہاں پہلے سے موجود ہے۔ عروسی بیڑے کا یہ صرف ایک حصہ ہے۔ دوسرا حصہ جسمیں ساٹھ کوہ پیکر جہاز ہیں۔ کولونا کے ماتحت جولائی میں آنیوالا ہے۔ نوخیز امیر البحر ابھی نہیں آیا غالبًا وہ ابھی تک اسپینش بیڑے کو مرتب نہیں کر چکا تھا۔ مگر اب بارسلونا سے چل پڑا ہے۔ اور نہایت اطمینان کے ساتھ خلیج لیون سے گزر رہا ہے۔ یہ اس زمانہ کی خلیج لیون نہیں کہ جہاز کا بال تک بیکا نہیں ہوتا۔ بلکہ قرن وسطیٰ کی خلیج لیون ہے جو جہاں آشوب طوفانوں کا مسکن سمجھی جاتی تھی۔ اور اِس لئے عام جہاز ران یک بیک اُسکا قصد نکرتے تھے۔ ہمارا مسیحی نوجوان ہیرو خلیج مذکور سے بے تکلف گزر کر جنیوا پہنچتا ہے۔ اور

ؔ دیکھو اندلس باب ۱۳ البکزرا کی بغاوت ۱۲ ؔ ریاست وینس قرن وسطیٰ میں عروس البحر سے ملقب کی جاتی تھی ۱۲

گیونی ڈوریا کی مہمانی سے مسرور الوقت ہوتا ہے۔ بے تکلفی کی صحبتوں میں ناچ کے جلسوں میں اسطرح شریک ہوتا ہے کہ گویا وہ تفریحاً گھر سے نکلا ہے۔ آخر یہاں سے دوستانہ مصافحوں کے ہجوم میں رخصت ہوتا ہے۔ رستہ میں جابجا جاسوسی کشتیوں سے اسکو اطلاع ملتی ہے کہ ترک اور بربری صوبہ ڈلمیشیا میں کسطرح غارتگری پھیلا رہے ہیں۔ اور دول یورپ کے بیڑے آبناے مسینا میں باہمی شکر رنجیوں میں مصروف ہیں۔ مگر اسکے استقلال اور اطمینان میں سرمو فرق نہیں آتا۔ بلکہ اُسی مستقل چال سے سطح آب کو طے کر رہا ہے۔ کیونکہ وہ خوب جانتا ہے کہ دور دراز سفر میں بے جان کشتی اور جاندار گھوڑا دونوں کیلئے تیز روی مضر ہے۔ اور یہ کہ پابزنجیر ملاحوں کی پشت پر چابک صرف اُسیوقت کارگر ہو سکتے ہیں کہ سفر مختصر ہو۔ نیپلز پہنچکر پوپ پیس اپنے دست مبارک سے ڈن جان کو علم مقدس دیتا ہے اور دعاے خیر کرتا ہے۔ اِس خیر و برکت کے سایہ میں مسیحی ہیرو ۲۴۔ اگست کو آبناے مسینا میں داخل ہوتا ہے۔ مگر لڑائی ابھی شروع نہ ہوگی۔ کیونکہ ابھی وہ موقع جنگ کو کارآزمایانہ نظر سے دیکھ رہا ہے۔ اور حملوں کے روک تھام کی تجویزیں کر رہا ہے۔ بیڑے کے کمان افسر بلکہ دستہ دستہ اور کشتی کشتی کے کپتان کو الگ الگ ہدایت نامے لکھکر دیتا جاتا ہے کہ کوچ کے وقت ترتیب اور انتظام نہ بگڑے۔

علم مقدس اور دعاے خیر

۱۶۔ ستمبر کو علی الصباح کوچ کا بگل بجا۔ اور ساتھ ہی صلیبی جھنڈے کو حرکت ہوئی۔ سب سے اول نوجوان امیر البحر اپنے خوشنما اور عظیم الشان علمبردار جہاز میں جسپر ساٹھ ملاح کام کرتے ہیں سوار ہو کر خلیج سے نکلتا ہے۔ اسپین کا جنگی بیڑا جسمیں ۲۸۵ کوہ پیکر جہاز

آبناے مسینا سے کوچ

صلیبی بیڑا

۵ گیلے اور ۶ گیلی سی جہاز۔ اور انتیس ہزار چیدہ جوان ہیں ڈن جان کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں
فوج کے تمام حصوں کے افسر میجر سے لیکر جرنیل تک۔ اسپین جنیوا۔ وینس۔ نیپلز
روم مقدس پیڈا۔ سیوائی اور سسلی کے شجاعت کے نمونے ہیں۔ مثلاً ہر اول کے سات
گیلے جہاز ڈن جان ڈی کارڈونا کے ماتحت ہیں۔ قلب کی یہ شکل ہے کہ بیچ میں خود امیر البحر
۶۴ گیلے جہازوں سمیت ہے اور اُسکے داہنے بائیں مرکانٹو کلونا۔ اور ونیرو لیپنے اپنے دستہ
کے ساتھ ہیں۔ یمین کے ۵۰ جہاز گیونی ڈوریا کی کمان میں ہیں۔ اور یسار کا دستہ جسمیں ۵۳
جہاز ہیں۔ بار باریگو آو وینس کے ماتحت ہے۔ ڈن الوار ڈی بیزن مع ۳۰ بڑے جہازوں کے
بطور محفوظ دستہ بیڑے سے علیحدہ ہے۔ گیلیز جہازات کا پرا سامنے جمایا گیا ہے جسمیں سے
ہر ایک پر ۵۰۰ سپاہی قرابینوں سے مسلح صف باندھے ایستادہ ہیں۔

آج گویا ۷ ستمبر کی صبح کو مہیب اور زورمند بیڑا خلیج لپینٹو کیطرف چلا ہے
جو ترکی بربری جہازوں کا مقام اتصال ہے۔ آؤ! ذرا ہلالی بیڑے پر بھی ایک سرسری نظر
ڈالتے چلیں۔

ہلالی بیڑا اور فوجیں

الجزائر اور قسطنطنیہ کے متحدہ بیڑے میں کل ملاکر ۲۰۸ گیلے جہاز اور ۶۶ گیلیون
جہاز ہیں۔ ان میں اول الذکر میں ۱۵۹ جہاز خاص قسطنطنیہ کیطرف سے ہیں۔ اور باقی مضافات سے
مثلاً ریاستہائے بربریہ۔ اسکندریہ وغیرہ۔ مگر گیلیون تمام بربری ہیں۔ اور افسر بھی اکثر بربری

افسران جہاز

ہیں۔ مثلاً علی العلوچی پاشا۔ علی پاشا۔ شلوک پاشا۔ صرف سرعسکر پرویز پاشا ترکی ہے۔ کل
فوج پچیس ہزار سے زیادہ نہیں۔

یورپین بیڑا پورے گیارھویں روز یعنی ۲۷ ستمبر ۱۵۷۱ء کو خلیج کارفو میں لنگر انداز
ہوا۔ علی پاشا نے خبر پاکر چند جاسوس کشتیاں بھیجیں کہ دشمن کی قوت کا اندازہ کریں۔ انہیں سے
ایک تیز طرار بربری جوان رات کے وقت موقع پاکر یورپین بیڑے کے عین قلب میں گھس گیا
لیکن حقیقت یہ ہے کہ لڑائی کے دن تک فریقین کو ایک دوسرے کی قوت معلوم نہیں ہوئی آخر کار
یکم اکتوبر کو دونوں بیڑے حرکت کرتے دکھائی دیے۔ یورپین بیڑا جنوب کی طرف اور بربری
شمال کی طرف بڑھا۔ ۷ اکتوبر کی صبح کو ۷ بجے جانب جنوب افق پر خلیج پتراس کے دہانہ
باہر چند مسطول اور اُن پر سفید پھریرے ہوا میں لہراتے دکھائی دیے۔ مسطولوں کی تعداد
آناً فاناً بڑھتی گئی۔ اور جب یقین ہو گیا کہ دشمن ہے تو ڈن جان نے بھی جھٹ پٹ سفید
نشان ہوا میں بلند کر دیا جو گویا پیام مبارزت تھا۔ جہازوں کے وسط کے تختے سپاہیوں
نے فوراً خالی کر دیئے۔ پھر تمام پابزنجیر حلقہ بگوش غلاموں کو شراب اور گوشت نہایت
دریا دلی سے تقسیم ہوا۔ کیونکہ بحری معرکہ آرائیوں میں کامیابی یا ناکامی کا انحصار انہی کمبختوں کی قوت
بازو پر منحصر رہتا تھا۔ پُرانے پُرانے ملاح جو خیر الدین اور اُسکی ذریات کے مقابلہ میں اس سے
پیشتر اکثر ناکام پلیاں چلا چکے تھے اب انتقام پر تلے کھڑے تھے۔ تو عمر غلام بھی جنکو زندگی
بھر میں یہ سب سے پہلا موقع تھا وہ بھی انتظار سے بیتاب تھے۔ اس نشست پر یورپ کے افسروں
نے حسب عادت پھر وہی پُرانی تجویز پیش کی کہ مجلس شوریٰ منعقد کی جائے۔ مگر ڈن جان نے
جواب دیا کہ "مشورہ کا وقت نہیں۔ یہ خیال دل سے دور کردو اور لڑنے کو تیار ہو جاؤ"۔ پھر
اُسنے ایک ہلکی سی کشتی میں سوار ہوکر تمام بیڑے کا جائزہ لیا صلیب مقدس ہاتھ میں لئے

جاسوس کشتیوں کی جستجو

ہلال اور صلیب کا مقابلہ

مسیحی فوج میں جوش

جائزہ

ہر جہاز کو دیکھتا جاتا تھا۔ اور سپاہیوں کے حوصلے بڑھاتا جاتا تھا۔ اسکے بعد کپتان علمبردار پر سوار ہو کر اُسنے علم مقدس بلند کیا۔ جسکے پھریرے پر مسیح کی تصویر بنی تھی۔ اور اُسکے سامنے سربسجود ہو کر بتضرع دعا مانگی۔

خلیج لپینٹو میں خوفناک سین

اسوقت ٹھیک ۱۱ بجے ہیں۔ آسمان کا نیلگوں چہرہ بالکل صاف اور نکھرا ہوا ہے مگر اُس سے ایک قسم کی ہیبت ٹپکتی ہے۔ تمام سمندر پر ہر طرف سکوت و خاموشی کا عالم طاری ہے۔ حتی کہ موسم خزاں کے آفتاب کی مضمحل شعاعیں بھی پانی کی بلوریں سطح پر آہستہ آہستہ اُترتی ہیں۔ ایک ذرا تڑپتی ہیں اور پلٹ جاتی ہیں۔ آبی جانور بھی اس ہیبت ناک سین سے خوف زدہ ہو کر سمندر کے تاریک و عمیق حصوں میں جا چھپے ہیں۔ کیونکہ وہ برابر کے پہاڑ آپسمیں ٹکرانے کو ہیں۔ آخر یہ ہیبت سلسلہ خاموشی جنوبی بیڑے کیطرف سے منقطع ہونا شروع

قلعہ بندی

ہوا۔ جہازوں کے بادبان یک بیک سمٹتے ہیں۔ بلیاں پانی میں حرکت کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ اور اُسکے ساتھ ہی تمام ہلالی بیڑا ایک برقی تیزی سے۔ مگر فوجی قواعد کے بموجب جنگی قلعہ کی شکل میں مرتب ہو جاتا ہے۔ اُدھر شمالی بیڑے نے بھی آہستہ آہستہ حرکت

ترتیب

شروع کی۔ اور کسیقدر متانت و سنجیدگی سے قلعہ ترتیب دیا۔ اسطرح پر کہ جنرل باربا بگو اپنے دستہ میمنہ ساحل کے ساتھ بیسار پر جگیا۔ اور اُسکے برابر ڈون جان کا دستہ قلب قائم ہوا۔ مگر دایاں بازو نادرو تھا۔ اسلئے کہ گیوفی ڈوریا یمین دستہ کو لیکر خدعتہ الحرب کے مسائل حل کرنے ادھر اُدھر چلا گیا تھا۔ اور اب تک کہیں اُسکا پتہ نشان نہ تھا۔

ہلالی بیڑے کی ترتیب

ہلالی بیڑا قریباً ایک میل لمبا اور انہی معمولی تین حصوں پر منقسم تھا یعنی قلب

یمین ویسار۔ پھر عقب پھر زرو یعنی محفوظ دستہ تھا۔ مگر یورپین بیڑے کی طرح ہراول میں گیلیز جہازات کا پرا نہ تھا۔ افسروں کا تعین اس طرح پر تھا کہ شلوک پاشا یمین پر باربگو کے بالمقابل۔ علی پاشا قلب میں ڈن جان کے مقابل۔ اور علی العلوجی پاشا یسار پر یورپین بیڑے کے اس دستۂ جہازات کے مقابل تھا جسکی کمان گیونی ڈوریا کے سپرد تھی۔ اور چونکہ ڈوریا کا اسوقت تک کہیں پتہ ونشان نہ تھا۔ اسلئے اِدھر کا میدان خالی تھا۔ گویا یہانتک دونوں طاقتیں برابر تھیں۔ اگر ہلالی بیڑے کا ہراول گیلے جہازات سے خالی تھا۔ تو صلیبی بیڑے کا یمین کمزور تھا۔

افسروں کا تعین

ٹھیک ۱۱ بجے یورپین بیڑے کیطرف سے افتتاح جنگ کی توپ سر ہوئی اور اسکے ساتھ ہی ہراول کے گیلے جہازات نے اس شدت کی آتشباری کی کہ ہلالی جہازوں کے پرخچے اُڑنے لگے۔ اور اگر شلوک پاشا برابر سے نہ نکلتا تو کچھ شک نہیں کہ ہلالی قوت اس پہلے ہی وار میں بہت زیادہ مضمحل ہوجاتی۔ اُسنے اپنے یمین کی لمبی قطار بناکر نہایت تیز قدمی سے گیلیز جہازوں کو جالیا۔ اور اُنکو مار کر پیچھے ہٹا دیا۔ یہ دیکھکر انکا یمین اور اُنکا یسار اس تیزی سے زور آزمائی کیلئے بڑھا کہ معلوم ہوتا تھا گویا دو برابر کی طاقتیں غیر متمیز جسم بنکر آپس میں ٹکرا رہی ہیں۔ یورپین جہازات ہر مرتبہ دلاورانہ آگے بڑھتے تھے۔ مگر ہر مرتبہ پسپا کر دیے جاتے تھے کانوں اور بندوقوں سے کچھ نہ ہوسکا تو تلواریں فیصلہ کیلئے نیاموں سے نکلیں۔ افسر اور ماتحت میں کچھ تمیز نہ رہی۔ تمام سطح آب تلوار کا کھیت بنگیا۔ اس خونریز کشمکش میں دونوں کے افسر۔ اِدھر شلوک پاشا۔ اُدھر سے باربگو مقتول ہوئے۔ اور گو بالآخر پلہ

افتتاحی توپ

خونریز کشمکش

باربگو اور شلوک پاشا کا قتل

یورپین بیڑے کے ہاتھ رہا۔ مگر سخت نقصان ہوا۔ بہت سے جہازات غرق ہوئے۔ اور بیشمار دلاور کام آئے۔

میدان ہاتھ سے جاتا دیکھکر ہلالی قلب کو یک بیک حرکت ہوئی۔ اور علی پاشا بخط مستقیم ڈن جان کے کپتی ٹانہ پر جھپٹا۔ اِس تیزی سے کہ دلاوران اسپین کو سنبھلنے کی مہلت بھی نہ ملی۔ اور دونوں جہاز ایک طرفۃ العین میں ٹکرا کر اُلجھ گئے۔ اگرچہ یہ ایک اتفاق محض تھا۔ مگر اس سے دونوں قلبوں کو آپسمیں تصفیہ کرنیکا خوب موقع ملا۔ کیونکہ علی پاشا کے جہاز کا اگلا سرا ڈن جان کے خلاصیوں کے چوتھے تختہ تک پہنچکر اسطرح الجھ گیا کہ دونوں کے ڈیک (تختہ جسپر سپاہی کھڑے ہوتے ہیں) آپسمیں ملکر ایک ہو گئے۔ یہ کیفیت دیکھکر اِدھر سے پرویز پاشا اور اُدھر سے کولونا اور وینیر اپنے جہاز لیکر امداد کیلئے بڑھے۔ مگر جلدی میں وہ بھی اسی گچھے میں الجھ گئے۔ اور اب گویا ان پانچوں جہازوں کے ڈیک ایکدوسرے سے ملکر ایک وسیع اکھاڑا بنگیا۔ دلاوران اسپین نے دو دفعہ حملہ کیا۔ مگر دونوں دفعہ بُری طرح پیچھے دھکیل دیے گئے۔ تیسری مرتبہ خود علی پاشا چند جانبازوں سمیت ڈن جان کے ڈیک پر شمشیر بکف اُترتا ہے۔ وہ دیکھو ایک گھمسان کی لڑائی شروع ہوتی۔ دست و گریباں کی نوبت پہنچگئی۔ ہر طرف طوفان بے تمیزی برپا ہے۔ تو اعد و مدارج کا کچھ لحاظ نہیں۔ وہ دیکھو کولونا نے اپنے جہاز سے علی پاشا کے جہاز کے پچھلے حصہ میں کس زور سے ٹکر لگائی ہے کہ خلاصیوں کے تیسرے تختہ تک صدمہ پہنچا۔ اب قرابینیں نکلی ہیں۔ ہلالی جہاز آگ کے شعلوں میں ملتبس دکھائی دیتا ہے۔ یورپین دستہ چونکہ آتشبار آلات سے مسلح تھا۔ اُنکے جہاز بھی آہن پوش تھے

علی پاشا کا حملہ

تصفیہ قلوب

عقد ثریا

اکھاڑا

گھمسان کی لڑائی

ہلالی جہاز والوں کے پاس زرہ۔ بکتر۔ خود۔ یا پھر وغیرہ آلات حفاظت میں سے کچھ
نہ تھا۔ بلکہ عام آلات حرب میں بھی کمانیں بکثرت تھیں۔ کولونا کے آتشبار تفنگچیوں اور قدر اندازوں

فیصلہ

نے بالآخر معاملہ کو جلد یکسو کر دیا۔ کیونکہ علی پاشا مقتول ہوا۔ اور اب صرف گھنٹہ دو گھنٹے کی

علی پاشا کا قتل

خونریز کشمکش کے بعد ہلالی یمین کا باقی حصہ بھی مضمحل اور منتشر ہو گیا۔

ہلالی علمبردار جہاز پر صلیبی پھریرا لہراتا دیکھکر پرویز نے محفوظ دستہ لیکر حملہ کیا
جسمیں اگرچہ وینیرو سخت زخمی ہوا۔ مگر انجام کار پرویز کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ یورپین جہاز اس بڑی
کامیابی پر ابھی پوری طرح ناز بھی نہ کر چکے تھے کہ علی العلوجی پاشا نے یسار کی پوری قوت

دوسری کشمکش

لیکر یورپین قلب پر اس تیزی سے حملہ کیا کہ تمام جہاز منتشر ہو گئے۔ مالٹا والوں نے کچھ
مقابلہ کیا۔ مگر علی العلوجی کے جانباز حیرت انگیز دلیری سے اُنکے علمبردار جہاز پر چڑھ گئے
اور تمام اہل جہاز کو تہ تیغ کر ڈالا۔ صرف پچاس آدمی فرقطون کے سہارے بچے۔ یہ دیکھکر
کارڈونا اپنا دستہ لیکر مجاہدین کا بدلہ لینے بڑھا۔ مگر اُسکا بھی یہی حشر ہوا۔ اُسکے پانسو
آدمیوں میں سے صرف ستّرہ بچے۔ اسوقت ایک عجیب متضاد سین پیش نظر تھا۔ ایک
طرف ہلالی قلب پہ صلیبی پھریرا لہراتا تھا۔ دوسری طرف مالٹا اور کارڈونا کے علمبردار پہ

متضاد سین

ہلالی علم نصب تھا۔ ہر فریق اپنے آپ کو فتحمند سمجھتا تھا۔ بالآخر مارکوئیس سانٹا کروز اور ڈان جان
نے اپنے دستوں سمیت آگے بڑھکر علی العلوجی کو گھیر لیا۔ اور ایک آخری اور سخت
کشمکش کے بعد ترکی بربری بیڑے کو شکست فاش ہوئی۔ اُدھر صلیبی بیڑے کو گو فتح ہوئی۔

شکست فاش

مگر نہایت سخت قیمت دیکر۔ کوئی جہاز سلامت نرہا۔ دس ہزار آدمی کام آئے۔ اٹلی اور سپین کے

طونس

شہر اور بندرگاہ

شجاع خاندانوں کے نامور قتل ہوئے ستر ہ افسروں نیز کے اور ساٹھ مجاہدین بیت المقدس کھیت رہے۔

جنگ کا انجام

اُدھر قیامت انگیز جنگ لپنٹو کے خاتمہ پر معلوم ہوتا تھا کہ قسطنطنیہ اور الجزائر کا بحری اقتدار ہمیشہ کیلئے خاک میں ملگیا۔ اور کچھ تعجب بھی نہیں۔ کیونکہ تمام گیلیٹ۔ پندرہ گیلیے غرقاب ہوئے۔ اور قریباً ایک سو نوے گرفتار ہوئے۔ ہزاروں دلاور مقتول اور غرق ہوئے مگر حقیقت یہ ہے کہ اولوالعزم افراد کیطرح اولوالعزم قومیں بھی زندگی کے شکست و ریخت سے دل شکستہ نہیں ہوتیں۔ وہ جب گرتی ہیں اُٹھنے کیلئے گرتی ہیں۔ چنانچہ اس نقصان عظیم کی تلافی میں صرف دو سال خرچ ہوئے۔ اور جب تیسرے برس ۱۵۷۴ء

ٹیونس پر حملہ

میں علی العلوجی بحیثیت کپتان پاشا ہلالی بیڑے کی کمان لیکر ٹیونس کیطرف بڑھا تو دو سو پچاس جنگی جہاز۔ دس موہن یا گیلیز۔ اور تیس جنگی کشتیاں ہمرکاب تھیں۔

ٹیونس کو اگرچہ علی العلوجی نے ۱۵۶۹ء میں اہل اسپین سے انتزاع کر لیا تھا مگر ۱۵۷۲ء میں ڈن جان نے پھر فتح کر کے مضافات کارڈوا (قرطبہ) میں داخل کر لیا تھا

محاصرہ اور فتح

جنگ لپنٹو کیطرح محاصرہ ٹیونس کے تفصیلی کوائف بھی خالی از دلچسپی نہیں۔ مگر اس خوف سے کہ مبادا علی العلوجی اور اُسکے رفیقوں کی شجاعت پر یورپین مورخوں کے خلاف مزاج زیادہ آب و تاب آجائے۔ صرف نتیجہ آخر پر اکتفا کیا جاتا ہے کہ اسپینش قلعہ کی فوج اور نامور جنرل سرویلین نے دم واپسیں تک بڑی دلیری سے محاصرین کا مقابلہ کیا۔ اور جب اُنکی تعداد نہایت کم ہوگئی تو (بزور شمشیر نہیں بلکہ) بطیب خاطر

قلعہ کا دروازہ کھولدیا[۵۱]- اور ترکی امیر البحر نے مظفر و منصور داخل ہوکر اور خزانہ اور میگزین پر قبضہ کرکے سلطان مراد ثالث کو باضابطہ رپورٹ بھیجدی۔

اسی اثنا میں بابعالی اور شاہ ایران میں حدبندی کی بنا پر جنگ چھڑ چکی تھی اسلئے علی العلوجی کو ٹیونس کی فتح سے فارغ ہوکر ایران کیطرف اقدام کرنیکا فرمان ملا۔ اور یہاں وہ بحیرہ ابوکزن میں عرصہ دراز تک ایرانی بیڑے سے لڑتا رہا۔ اگرچہ ان لڑائیوں کا نتیجہ آخر یہ ہوا کہ سنہ ۱۵۹۰ء میں ایک صلحنامہ کی رو سے صوبہ جارجیہ۔ تبریز۔ اور وہ اضلاع جو بحیرہ کیسپین کے جنوبی ساحل پر واقع ہیں۔ ترکوں کے قبضہ میں آگئے۔ مگر یہ بہت بعد کا واقعہ ہے علی العلوجی سنہ ۱۵۸۰ء میں انتقال کرچکا تھا۔

علی العلوجی کی وفات

کپتان پاشا علی العلوجی جسکا لقب سُوذن زادہ بھی تھا الجزائر کا سترھواں پاشا تھا۔ سنہ ۱۵۶۸ء میں مقرر ہُوا۔ مگر چار برس بعد سنہ ۱۵۷۲ء میں لیپنٹو کی لڑائی کی وجہ سے اُسکی خدمات براہ راست بابعالی میں منتقل ہوگئی تھیں۔ خیر الدین اور طرغد کیطرح یہ بھی نہایت کارآزما اور مشہور امیر البحر گزرا ہے۔ وفات کے وقت سُوذن زادہ کی عمر ۷۲ برس کی تھی۔

[۵۱] لین پول دیا بری کورسیر، صفحہ ۱۸۲۔ فریق مخالف کی شجاعت کا اعتراف نکرنا مورخین یورپ کا شعار ہے

دسواں باب

قرن وسطی کے بحری قزاق۔ اُنکی ترکتاز کشتیاں اور جنگی جہاز پابزنجیر و حلقہ بگوش خلاصی۔ اُنکی اصلیت اور حالات محاربہ

غارتگران بربر کی اصلیت

اگرچہ مقدمہ میں خصوصاً اور متن کتاب میں عموماً جابجا اسطرح کے واقعات سلسلہ بیان میں آ گئے ہیں۔ جنسے صریحاً یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قرن وسطی کی بحری غارتگری اہل بربر کی خانہ زاد نہ تھی بلکہ عطائے غیر تھی۔ اور اس عطیہ سے بدرجۂ اولی مستفید ہونا بھی بربر کی پنج میل قوم کو سولھویں صدی کے اخیر میں کہیں جا کر نصیب ہوا ہے۔ ورنہ غارتگری ابتداءً بیشتر اقوام یورپ کا شعار رہا ہے جنہیں یونان اور روڈس کو سب سے زیادہ ید طولی حاصل تھا۔ لیکن پھر بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ باب ہذا کے ذیل میں ان امور پر پھر ایک مرتبہ سرسری نظر ڈالیں۔ اور تاریخانہ شہادتوں سے ثابت کریں کہ اگر جلاوطن اُندلسیوں کے جوش انتقام سے قطع نظر کیجائے دراسلئے کہ وہ ایک متنزل اور ازپا اُفتادہ قوم کے افراد تھے) تو اقصائے مغرب میں یہ بلائے بیدرماں اُنیسویں صدی کے آغاز تک صرف جنوبی یورپ کی بعض قوموں کی بدولت نازل رہی۔

دعوے کا ثبوت

اب اس بڑے دعوے کے ثبوت میں صرف اسیقدر بتا دینا کافی ہوگا کہ بربر کے نامور جہازراں اور فرمانروا خواہ اُنھوں نے مذہب و قومیت تبدیل کر لی یا صورتیں بدل لیں مگر فی الاصل یورپین تھے۔ اور یورپین اخلاق رکھتے تھے چنانچہ عروج اور خیرالدین

باربروسہ کی نسبت یورپ کے نامی مورخ متفق الرائے ہیں کہ وہ لزبس میں پیدا ہوئے اور ایک یونانی ماں کے بطن سے پیدا ہوئے۔ مگر چونکہ اُنکا باپ یعقوب مسلمان تھا لہذا ہمارے لئے اس رائے سے اختلاف کرنیکی کافی وجہ نہیں۔ اِن کے بعد جسقدر نامور شخص الجزائر میں گزرے اُنمیں بکثرت نومسلم تھے جو کسی نہ کسی یورپین خطہ یا معزز عیسائی خاندان سے تھے۔ مثلاً

نامور کپتانوں کی فہرست مسلمہ مورخین یورپ

نام	وطن	اصلی مذہب	نام	وطن	اصلی مذہب
طرغد پاشا	قرمانیہ	عیسائی	صالح رئیس	.	.
صنعان رئیس	سمرنا	یہودی	ایدالدین رئیس	.	.
علی العلوجی پاشا	کلیبیریا	عیسائی	رمضان پاشا	سارڈینیا	عیسائی
حسن پاشا	وینس	"	جعفر پاشا	ہنگری	"
سیمی پاشا	البانیا	"	پیالی پاشا	کروشیہ (قرشیہ)	"
مراد رئیس	فرانس	"	دیلی سیمی	یونان	"
مراد رئیس	اسپین	"	یوسف رئیس	اسپین	"
فیروز رئیس	جنیوا	"	مراد رئیس	البانیا	"
مراد رئیس	جرمنی	"	سیمی رئیس	کورسیکا	"
سیمی رئیس	کلیبیریا	"	ممتاز رئیس	سسلی	"

نوٹ۔ دیکھو لین پول صفحہ ۱۸۵ و تاریخ ہیڈو صفحہ ۱۸۔ ہیڈو نے ۳۵ کپتانوں کی ایک فہرست لکھی ہے جن میں قریب قریب تمام کپتان مسیحی تھے مگر مسلمان ہوگئے تھے یہ بیس نام اسی فہرست سے منتخب کئے گئے ہیں۔

یورپ سے غارتگروں کا نزول

یورپ سے اِن غارتگروں کا نزول اسطرح پر ہوا کہ اول اول جنگ و جدل میں غلام بنکر آئے۔ دولتمند اور ذی اثر خاندان سے ہوئے اور لواحقین کو معلوم ہو گیا تو فدیہ دیکر آزاد ہو گئے۔ ورنہ تبدیل مذہب ایک لازمی نتیجہ تھا۔ ساحل بربر کی ولولہ انگیز زندگی پر ایک مرتبہ قناعت کرکے جب انکا خیال حصول معاش کیطرف مائل ہوتا تو غارتگری سے بہتر کوئی ذریعہ انکو نہ سوجھتا۔ اور اسطرح یہ بہت جلد ایک چھوٹے سے لٹیرے گروہ کے سردار بنجاتے۔ بعد کو جب خاندان باربروسہ نے الجزائر میں جمکر سطوت و جبروت حاصل کرلی تو یہ نوبت پہنچی کہ یورپ کے ملکوں کے منچلے جوان ارادہ کرکے بربر میں آتے اور باربروسہ کے ظل حمایت میں داخل ہوتے[1]۔ کیونکہ زمانہ کا غارتگرانہ گوشۂ چشم اب روز بروز نمایاں طور پر

زمانہ کا غارتگرانہ گوشۂ چشم

یورپ سے افریقہ کی طرف پھرتا جاتا تھا۔ لہذا قرن وسطی کے شجاعانہ حوصلے نکالنے کا اِس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہ تھا کہ بربری گیلیے کو دامن شفقت بنائیں۔ گو ایک مرتبہ حلقہ بگوش بنکر بازار میں بکنا پڑے یا پابزنجیر خلاصی ہوکر بلّیاں چلانا پڑیں۔ جب کوئی سخت مفسد مادہ ایکمرتبہ جسم میں جاگزین ہوجاتا ہے تو پھر وہ آپ ہی اپنا سبب اور آپ ہی اپنا مسبوب بنجاتا ہی قوموں کے اخلاق کیحالت بھی یہی ہے۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم بربر کی پنچ میل قوم کو اس کلیہ سے مستثنے کریں۔ قرن وسطی کی رسم جنگ جسکے بموجب مغلوب دشمن غلام بنالیے جاتے تھے۔ اِس مفسدہ کی علت اولی اور قوت متحرکہ تھی جنگ جسکا یہ نامعقول انجام تھا

غارتگری کی علت اولی

اُسکا آغاز بھی کچھ ایسا معقول نہوتا تھا۔ یونانی صرف اس عذر پر شوقین سیاح کی کشتی یا

---

[1] لین پول صفحہ ۲۰۰ تا ۲۰۱

جنگ کے عام اسباب

دولتمند تاجر کا جہاز لوٹ لیتے تھے کہ وہ آرکی پیلگو سے کیوں گزرا۔ مجاہدین بیت المقدس کے حملوں کی معقول وجہ جو اس زمانہ کے مہذب مورخ فخراً بتلاتے ہیں۔ وہ مذہبی تعصب ہے۔ لیکن تاریخانہ تدقیق اور ریشہ دوانی ہیں جب یہ پتہ ملتا ہے کہ اکّا دُکّا مسیحی جہاز بھی اُنکے دست تظلم سے نہ بچتا تھا تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ غارتگری کو بُرا ہی نہ سمجھتے تھے

زیادہ معقول سبب

ہمارے نزدیک یہ زیادہ معقول وجہ ہے۔ اسلئے کہ بُرے کو اچھا بنا لینے کا سہل ترطریقہ یہ ہے کہ اُسکو بُرا سمجھنا چھوڑ دیں۔ وینس۔ جنیوا۔ پیسا۔ اراگون وغیرہ تجار ریاستیں آپس میں

تقابل

حریف و متقابل تھیں اسلئے ایک دوسرے پر ہاتھ صاف کرتی رہتی تھیں۔ اسپین۔ فرانس جیسی بڑی بڑی سلطنتیں بھی تقابل سے خالی نہ تھیں۔ اور اجیر غارتگروں کو عداوتاً ایک

یورپ کا مشہور غارتگر خاندان

دوسرے پر مسلط رکھتی تھیں۔ مثلاً خاندان ڈوریا[۵۱] جو تین پشت تک مسلسل غارتگری کرتا رہا۔ خاصکر عثمانی مضافات پر نیز سواحل الجزائر اور فرانس پر۔ یا مجاہدین بیت المقدس

مذہبی غارتگر

جو یورپ بھر کا خرد ار شجاعت اور مسیحی دنیا کا سقدمۃ الجیش تھا۔ بعینہ یہی اسباب غارتگری بعد کو اقصائے مغرب میں منتقل ہو گئے۔ صورت ضرور متغیر تھی۔ مذہب۔ قومیت بھی بہ ظاہر وہ نہ تھی۔ مگر معنی۔ خصلت بجنسہ وہی تھی۔ بربری خول چڑھا کر بھی وہ اُسی پرانی وضع پر شکار کی تلاش میں سمندر میں جا بجا منڈلاتے پھرا کرتے تھے۔

مذکورہ بالا اسباب میں سے جب کوئی سبب واقع ہو کر ایک مرتبہ سلسلہ جنگ چھیڑ دیتا تھا تو پھر برسوں بلکہ بعض صور تو نہیں شاید قرنوں یہ سلسلہ منقطع نہ ہوتا تھا

---

[۵۱] دیکھو باربری کورسیر مصنفہ لین پول صفحہ ۱۴۲ [۵۲] انڈریا ڈوریا۔ روگر ڈوریا۔ کیو فی ڈوریا۔

دوران جنگ میں فریقین کا طریق عمل

اور فریقین کو جنگ کے فوری سکون پر بھی تسکین نہ ہوتی تھی۔ بلکہ ایک دوسرے کے مضافات پر اسطرح کے غارتگرانہ حملے شروع کر دیتے تھے جنکو اس تہذیب کے زمانہ میں بزدلانہ حملے کہتے ہیں۔ فریقین خواہ یورپ کی دو قوتیں ہوتیں۔ یا اقصائے مغرب اور اسپین ہوتے بہر نوع یہ حملے کسیقدر رنگ روپ کی نسبت پر نہایت سفاکانہ ہوتے تھے۔ جنکا محض یہی مقصد ہوتا کہ کسی غیر جزیرہ یا ساحل کے شہر کے باشندوں پر یک بیک جا پڑیں۔ اُنکا گھر بار لوٹ لیں۔ اُنکو اور اُنکے بیوی بچوں کو پکڑ کر غلام بنالیں۔ اُنمیں سے چالاک اور مضبوط جوان چُنکر اُن سے خلاصیوں کا کام لیں۔ اور اسطرح ایک جدید بیڑا مرتب کر کے مدمقابل کو پیام مبارزت دیں۔ چنانچہ بربری کشتیوں پر یورپین غلام خلاصی اور یورپین کشتیوں پر بربری خلاصی۔ گویا قرن وسطیٰ کے چہرۂ شجاعت کے نہایت ہی نمایاں خط و خال تھے۔

چہرۂ شجاعت اور اسکے خط و خال

فن جہاز سازی میں ترقی

غربی النسل جسطرح افریقہ میں غارتگری لائے۔ اسیطرح فن جہاز سازی بھی لائے جہاز گو قدیم سے تھے۔ مگر غارتگرانہ اغراض و مقاصد کیلئے جن ہلکے۔ مختصر اور سبکرفتار کشتی نما جہازوں کی ضرورت تھی وہ اواخر سولھویں صدی میں یورپین کاریگروں نے ایجاد کئے۔ چنانچہ آئندہ معلوم ہوگا۔ اِن جہازوں کے مستول بہت اونچے نہ ہوتے تھے اور نہ ایک یا دو سے زیادہ۔ کشتیوں کیطرح لمبے زیادہ اور چوڑے کم۔ بادبان بھی زیادہ سے زیادہ دو ہوتے تھے اور سلامتی صرف خلاصیوں کی قوت بازو پر منحصر تھی۔ انکی تین قسمیں تھیں۔ گیلے یعنے پورا جہاز۔ گیلیٹ یعنی آدھا جہاز۔ برگنٹین یعنی چوتھائی جہاز

نئی قسم کے جہاز

جہاز کی قسمیں

فرقطہ ایک اور چھوٹی اور ہلکی سی کشتی تھی جسکو ڈونگا کہنا چاہیئے۔ ایسے ہی ایک شیبک تھا

اِن میں تمثیلاً گیلے کو لو۔

[illegible] مجاہدین کا گیلے

گیلے یہ گویا پورا جہاز ہے۔ اور فرض کرو کہ اہل مالٹا کا علمبردار ہے جو مجاہدین

بیت المقدس مشہور ہیں۔ اسمیں دو مستول ہیں۔ اگلے پچھلے حصوں پر جو بالترتیب پیشین و

ڈک

پسین کہلاتے ہیں مختصر ڈک (تختہ) ہے پیشین پر مسلح سپاہی۔ چار توپیں اور توپچی

قرنا والے اور بادبان بردار اپنے اپنے قرینہ سے پرے باندھے کھڑے ہیں۔ پسین پر

اسطرف مجاہدین کے فوجی اور ملکی نامور افسر زرق برق وردیاں پہنے کسقدر غازیانہ

تمکنت مگر غارتگرانہ جبروت سے جلوہ افروز ہیں۔ اور پچھلی طرف ایک شاندار چتر کے سایہ

میں کپتان یا ناخدائے جہاز جلوہ فرما ہے۔ چتر کے سُرخ ریشمی مشجر اور زردوزی غلاف پر جسکے

مریخ

گرد زریں جھالر لٹکا ہے جب دور سے نظر پڑتی ہے تو بلا مبالغہ مریخ کا دھوکا ہوتا ہے

اصل یہ ہی کہ سُرخ رنگ کو غارتگران مالٹا کی خونریز مشاغل زندگی سے خاص نسبت ہی چتر کے

علم مقدس

عین وسط سے علم مقدس بلند ہوتا ہے جسکا سرخ ریشمی پھریرا آتشین ناگن کیطرح ہوا میں

لہرا رہا ہے۔ اِسکے علاوہ جہاز پر اَور چھوٹے چھوٹے جھنڈے بھی ہیں۔ مگر اِنکے رنگ ہر

قوم کے مطابق جداگانہ ہیں۔ سب سے پیچھے عین کنارہ پر جو پسین کی چھت سے کسیقدر بلند ہے

ایک اور منصبدار کی جگہ ہے یعنی معلم جہاز۔ جسکا یہ کام ہے کہ سُکّان جہاز کو ایک لکڑی کے

ڈنڈے سے گھما کر جہاز کو جسطرف ضرورت ہو لیجائے۔ پیشین اور پسین کے درمیان جسقدر

حصہ جہاز ہے وہ گویا جہاز کی قوت محرکہ کا خزانہ ہے۔ اسکے دونوں طرف طول میں ستائیس

سولھویں صدی کا گیلی
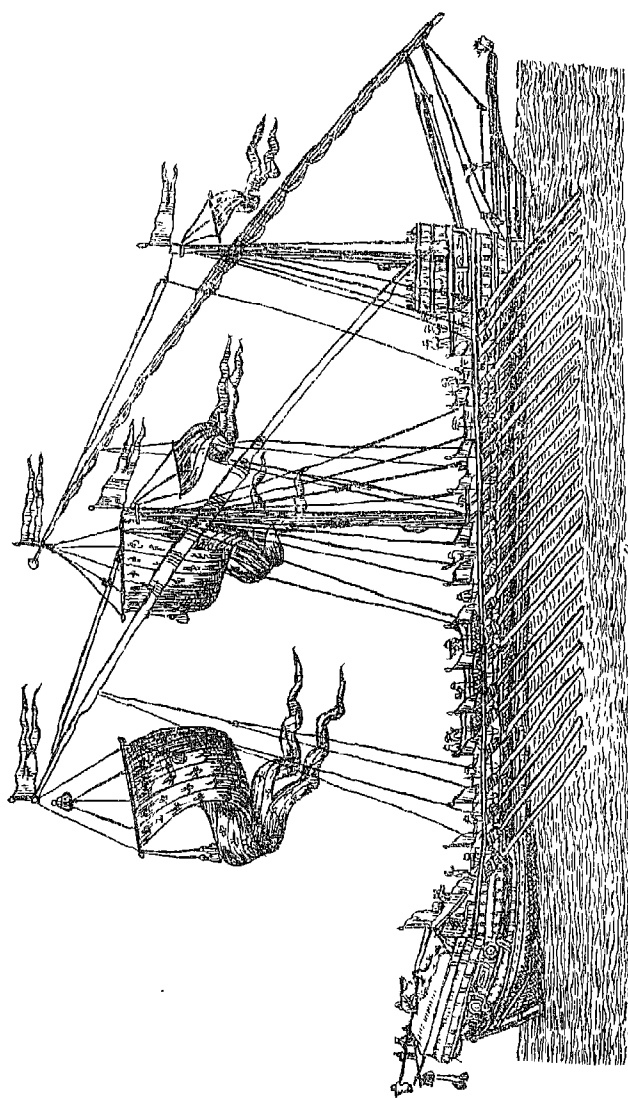
قوت محرکہ کا خزانہ

ستائیس تختے تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر نصب ہیں۔ ہر تختہ پر کم سے کم چار اور زیادہ سے زیادہ چھ حلقہ بگوش اور پا بزنجیر خلاصی۔ ۵۰ فٹ لمبی ایک بلّی ہاتھ میں لئے جہاز کو کھیتے ہیں

جہاز کے جلاد

تختوں کی دونوں قطاروں کے بیچ میں بطور پل ایک خالی جگہ ہے۔ جسپر دو جلاّد لمبے لمبے چابک ہاتھوں میں لئے ٹہل رہے ہیں۔ چونکہ یہ ایک مسیحی جہاز ہے۔ اسلئے تمام خلاصی ترک

پابزنجیر خلاصی

ہیں۔ بربری ہیں۔ یا اُندلسی۔ اگر بربری جہاز ہوتا تو یہ مسیحی ہوتے۔ تختہ پر یہ پا بزنجیر اسطرح کئے گئے ہیں کہ آہنی زنجیر کا ایک سرا تختہ میں جڑا ہے اور دوسرا خلاصی کی کمر سے پٹکے کی طرح بندھا ہے۔ یہ نئی ترکیب کی پابندی جو گویا اجبار کا غایت درجہ ہے۔ حفظ ماتقدم کے خیال پر مبنی ہے۔ یعنی جب دو مخالف سمندر میں زور آزمائی کرتے تھے اور ہر فریق کے حلقہ بگوش خلاصی اپنے ہمقوم کے مقابلہ میں کشتیاں کھینے پر مجبور ہوتے تھے تو اکثر موقع پاکر فریق مخالف سے جا ملتے تھے۔ اب پا بزنجیر ہونیکی صورت میں یہ ممکن نہیں۔

یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ ابتدا میں تمام جہازوں اور کشتیوں پر عموماً اجیر خلاصی کام کرتے تھے۔ خاصکر بربر میں قدیم الایام سے یہی دستور تھا۔ چنانچہ پندرھویں صدی کے اختتام تک جلاوطن اندلسی اسپین کے سواحل پر انتقاماً غارتگرانہ حملے کرتے تو اپنے برگنٹین خود کھیتے تھے[۱]۔ کیونکہ یہ چوتھائی جہاز کے برابر گویا ایک ہلکا سا کشتی نما جہاز تھا۔ اور ایک بلّی پر ایک شخص کی قوت بازو کافی تھی۔ البتہ گیلیٹ یعنی نصف جہاز پر دو تین آدمی فی بلّی کام کرتے تھے۔ اور اسیطرح گیلے پر پانچ پانچ یا چھ چھ آدمی فی بلّی۔ ان صورتوں میں

[۱] لین پول ۲۱۴۔

ہمیشہ خلاصیوں کو اُجرت دیجاتی تھی۔ اور ملاحی غلامی نہ تھی۔ لیکن ابتدا میں برگنٹین ہی بہت مستعمل ہوتے تھے۔ اور سچ یہ ہے کہ کمبخت اُندلسیوں کو جوش انتقام نکالنے کیلئے گیلیے یا گیلیٹ کی چنداں ضرورت بھی نہ تھی۔ البتہ یورپ کے جنوبی بحور میں غارتگری بہت پہلے سے موجود تھی۔ اور اسلامی ممالک کی بدولت غلام خلاصیوں کا دستور بھی پہلے سے تھا۔ اگر غلام ہاتھ نہ آتے تو جن لوگوں کو سنگین جرم میں بامشقت قید کی سزا دیجاتی۔ اُن کو گورنمنٹ ملک سے خرید لیا جاتا۔[۵۱]

خلاصیوں کے حالات مجاریہ

خلاصیوں کے حالات مجاریہ کا اندازہ کرنا ہو تو فرض کرو کہ ایک تختہ پر اسطرح کے چھ انسان مادرزاد ننگے۔ جانوروں کیطرح زنجیروں میں بندھے ہوئے۔ ایک نہایت

عرق ریز کشمکش

وزنی بلّی قریباً ۵۰ افیٹ لمبی ہاتھ میں لئے ایک پیر اگلے چھجہ پر۔ دوسرا تختہ پر۔ ہاتھ پھیلائے ہوئے کبھی پیچھے کو اسقدر تنگھڑتے ہیں۔ کہ پچھلی طرف بالمقابل جو خلاصی اسی کشمکش میں مصروف ہیں۔ اُنکی پشتوں کو مس کر جاتے ہیں۔ کبھی آگے کو جھک کر بلّی کے سرے کو پانی میں اس قدر ڈباتے ہیں کہ پانی اُسکو پکڑ لیتا ہے۔ اور پھر تختہ پر تمام جسم کا زور ڈالتے ہیں دس دس بارہ بارہ بلکہ کبھی کبھی بیس بیس گھنٹہ مسلسل یہی کشمکش رہتی ہے۔ ایک لمحہ کو سکون نہیں ہوتا۔ جب شدت فاقہ سے جاں بلب ہوتے ہیں تو سدِ رمق کیلئے نہیں بلکہ صرف غشی سے بچانے کے لئے کوئی خداترس ملّاح یا جلّاد روٹی کا ایک ٹکڑا شراب میں بھگا کر کمبخت خلاصی کے منہ میں رکھدیتا ہے۔ اور یہ اتنی سی تسکین سے تازہ دم ہو کر پھر وہی عرق ریز

[۵۱] لین پول صفحہ ۲۲۱

کشمکش شروع کردیتا ہے۔ کبھی ایسا اتفاق بھی ہوتا ہے کہ خلاصی اس جانکاہ محنت سے تھک کر اور لڑکھڑا کر تختہ پر گرجاتا ہے۔ یہ دیکھکر کشتی کا جلاد اُسکی پیٹھ پر اس بیدردی سے چابک برساتا ہے کہ یا تو وہ مرجاتا ہے۔ اور یا بالکل بیہوش ہوجاتا ہے۔ دونوں صورتوں میں اُسکو بارگراں سمجھکر بے گور وکفن پانی میں پھینکدیتے ہیں

بے گور وکفن

جب ایک فریق دوسرے فریق کا سمندر میں تعاقب کرتا تھا تو کمبخت خلاصیوں پر گویا قیامت نازل ہوتی تھی۔ چند بھوکے ننگے انسانوں کا ایک گروہ جنکی پشتیں سنگدل جلاد کے چابکوں سے پاش پاش اور پنڈلیاں آہنی زنجیروں کی رگڑ سے لہولہان۔ تمام تمام دن تمام تمام رات۔ بلّیاں ہاتھوں میں لئے سمندر جیسی مہیب طاقت سے کشمکش کرتے ہیں۔ زبردست فریق ناامیدی کے جوش سے بہوت جان مال کے لئے پریشان ہے اُدھر زبردست فریق بڑی بیرحمی سے تعاقب کیئے چلا آتا ہے۔ اور فتحمندی کے جوش مسرت سے بیخود ہے۔ چونکہ ہر فریق کی کامیابی اپنی کشتی کے خلاصیوں کی قوت بازو پر منحصر ہے اسلئے دونوں طرف انہی کمبختوں کی پشتوں پر بیدریغ چابک برستے ہیں۔ اِس قسم کی شکاری کشتیاں یا جہاز اکثر چھ چھ مہینے میں سمندر کا دورہ کرکے واپس آتی تھیں۔ اِس عرصہ میں خلاصیوں پر دن رات یہی آفتیں نازل رہتی تھیں[۵۱]۔ کشتی کا یہ حصہ بلا مبالغہ گورغریباں کا نمونہ تھا۔ بلکہ اس سے بھی کچھ بڑھکر۔ ہر تختہ اسقدر تنگ اور ناکافی ہوتا تھا کہ اُسپر پاؤں پھیلا کر بیٹھنا یا لیٹنا تو درکنار کشتی کھیتے وقت کشاکش بھی مشکل سے ہوسکتی تھی۔ چنانچہ اُس زمانہ کی فرانسیسی کشتیوں کے

دو مخالف جہازوں کا تعاقب

---

۵۱ مارگن صفحہ ۵۱۰

تختے عموماً دس فٹ سے زیادہ لمبے اور چار فٹ سے زیادہ چوڑے نہوتے تھے۔ اور یہ چالیس فٹ مربع جگہ سات غلاموں کیلئے تھی[1]۔ خاص حالتوں کو نظرانداز کریں تو ہر غلام بحساب اوسط بیس برس جہاز پر کام کرتا تھا۔ اور کبھی کبھی تمام عمر یونہی زندہ درگور گزر جاتی تھی۔

ہم ناظرین کو احتیاطاً یاد دلاتے ہیں کہ یہ بھیانک تصویر ایک یورپین جنگی جہاز کی ہے یعنی مجاہدین بیت المقدس کی۔ اور اس مصلحت سے پیش کیگئی ہے کہ پیشۂ غارتگری کے موجد و مجدد اول یورپین ممالک کے سواحل پر سر بلند ہوئے۔ اُس خوفناک دور کی ابتدا سے بہت پیشتر جسکو سر آرتھر پلے فئر "مسیحی دنیا پر عذاب الیم" کے لرزانے والے نام سے یاد کرتے ہیں۔ بلکہ شاید قرون وسطی کے آغاز سے دو ڈیڑھ سو برس پیشتر ترکوں کے بحر لیوانٹ اور قسطنطنیہ پر قابض ہونیسے بہت قبل یورپ ہی کے ساحلوں پر علم غارتگری بلند ہوئے اور جب یورپ والوں نے اس فن میں یدطولیٰ حاصل کرلیا تو پھر ہمسایہ قوموں کو اسکی تعلیم دی[2]۔ بادی النظر میں اہل بربر پر ناسعادتمند کا الزام آسکتا ہے۔ کیونکہ اُنھوں نے علم تیر سیکھا اور سیکھ کر سکھانیوالوں ہی کو نشانہ بنایا۔ اُنھوں نے اہل یورپ کیطرح خانہ بدوش اور غارتگر محض ہونے پر ہی اکتفا نکیا۔ بلکہ شان و عظمت کو پیش نظر رکھکر ایک مستقل اور دیرپا ایوان حکومت بھی قائم کیا اور اُسکو با بعالی کے ظل حمایت سے مستحکم بھی کیا۔ یہ الزام اُنپر عائد ہوسکتا ہے لیکن حسن اتفاق سے یورپین مورخ[3] خود ہی تسلیم کرتے ہیں کہ بربر کے نامی قزاق فی الاصل یورپین تھے۔ لہذا ہمکو مجبوراً ماننا پڑتا ہے کہ ناعاقبت اندیش استاد بھی یورپ ہی تھا اور ناسعادتمند شاگرد بھی یورپ

غارتگری کے موجد

یورپین مورخوں کا اعتراف

---

[1] لین پول صفحہ ۲۱۶ [2] دیکھو لین پول صفحہ ۲۱۷، [3] دیکھو ہیڈو صفحہ ۲۱۲۔ مارگن صفحہ ۵۹۲ لین پول صفحہ ۲۰۰

اہل بربر کا خلاصیوں کے ساتھ سلوک

پھر بھی اس بھیانک تصویر سے ناظرین یہ نتیجہ نہ نکالیں کہ اہل بربر اپنے خلاصیوں سے رحم وعفو کا برتاؤ کرتے تھے۔ ہرگز نہیں۔ دونوں فریق یکساں طور پر سفاک تھے اور خود جو تکلیفیں دشمن کے پنجہ میں پھنسکر اُٹھاتے تھے۔ وہی بجنسہٖ اُنکو غلام بناکر دیتے تھے مثلاً شاہ فرانس اور امیر البحر ڈوریا کے جہازوں پر جو حالت بربری غلاموں کی تھی وہی بربر کی جنگی کشتیوں پر یورپین غلاموں کی تھی۔ ادنیٰ اعلےٰ۔ بوڑھے جوان کا نہ یہاں لحاظ تھا نہ وہاں اگر طرغد جیسے نامور امیر البحر کو یورپین جہاز پر پابزنجیر ہوکر بلّیاں چلانا پڑیں۔ تو مجاہدین بیت المقدس کے گرینڈ ماسٹر لاولیٹا کو بربری کشتیوں پر حلقہ بگوش خلاصی بننا پڑا۔ جب رسم جنگ ہی یہ تھی تو تخت نشین اور خاک نشین دونوں برابر کے غلام تھے۔ یہاں ایک

ایک دلچسپ خیال

دلچسپ خیال پیدا ہوتا ہے۔ یہ کہ اہل بربر تو بالکل ناتربیت یافتہ بلکہ بقول یورپ نہایت وحشی اور ناتراشیدہ تھے۔ اُنکے دلمیں تو ذہنی تکلیف کا خیال طبعًا بھی نہ آنا چاہئیے تھا۔ مگر ہمکو بڑی حیرت ہی کہ یورپ کی تہذیب یافتہ جماعتوں میں سے بھی کسیکو کبھی یہ خیال نگزرا کہ جب ایک مہذب اور روشن دماغ شخص کو چند وحشی اور ناتراشیدہ اوباشوں کے ساتھ رہکر اُنکا شریک حال بلکہ شریک خیال ہونا پڑے گا تو صحبت نااہل سے اُنکے تعلیم و تربیت یافتہ دل پر کس درجہ صدمہ ہوگا!

ہمنے اوپر بیان کیا ہے کہ عربی النسل جسطرح بربر میں پیشہ غارتگری لائے اسیطرح فن جہازسازی بھی لائے۔ چنانچہ تیرھویں صدی کی چھوٹی چھوٹی اور ہلکی ہلکی شکاری کشتیوں یا کشتی نما جہازوں کی نسبت ایک یورپین مورخ لکھتا ہے۔

"یہ جہاز ہمیشہ الجزائر میں تیار ہوتے ہیں۔ اور وہیں اُنکی مرمت بھی ہوتی ہے

جہاز ساز مسیحی ہیں۔ انکو بیت المال سے ۲ تا ۱۰ ریع ڈالر فی کس مشاہرہ اور تین روٹیاں روزینہ

ملتا ہے۔ اسیطرح کی چار روٹیاں فی کس فوج کا راشن ہے۔ بعض اعلےٰ افسروں و منصبداروں

کو یہی روٹیاں چھ چھ کبھی آٹھ آٹھ کے حساب سے ملتی ہیں۔ بہر حال تین سے کم کسی کو نہیں ملتیں

خواہ بڑھئی ہو۔ لُہار یا پیپے اور بلّیاں بنانے والا ہو۔ پبلک کارخانہ میں اس کثرت سے پیشہ ور

غلام ہیں کہ یکسیطرح اُمید نہیں کہ زیادہ ضرورت ہوگی۔ اِسلئے کہ یورپین غلاموں کا سلسلہ

بند ہا رہتا ہی۔ کپتان اپنے غلام علیحدہ رکھتے ہیں۔ جب سمندر میں دورہ کرتے ہیں تو اُنکو ساتھ لیجاتے

ہیں۔ اور جب الجزائر میں مقیم ہوتے ہیں تو شاہی کارخانہ کے پیشہ ور غلاموں کو اُنسے مدد دلواتے ہیں"[۱]

اگر کوئی کپتان استطاعت رکھتا تو جہاز اپنی لاگت سے طیار کراتا۔ ورنہ

جسطرح ہمارے ہاں ایک خون آشام فرقہ شدید شرح سود کے لالچ میں زرکثیر دیدیتا

ہی۔ اسیطرح اُس زمانہ میں الجزائر کے یہودی یا اور دولتمند جمیع اخراجات کے کفیل ہوکر مول

بیاج کے بجائے۔ لوٹ کے مال کا کچھ حصہ ٹھہرا لیتے تھے۔ کپتان اور سپاہی تو گھر سے باہر

نکلکر جب ضرورت ہوتی تب ہی زور آزمائی کرتے تھے۔ لیکن یہ خام مہاجن جو "بدکان خانہ در

گروی" کے مصداق تھے۔ جہاز کے بحیرہ روم میں داخل ہوتے ہی روحانی کشمکش میں مبتلا

ہوجاتے تھے۔ اسطرح بیسیوں جہاز مہاجنوں کی بدولت ہر سال لوٹ مار کیلئے نہ صرف الجزائر

بلکہ ساحل بربر کی ہر بندرگاہ سے بھیجے جاتے تھے۔ اِس سے کافی اندازہ ہوسکتا ہی کہ اقتصادی

---

[۱] دیکھو تاریخ ہیڈ۔ و ہارگن صفحہ ۵۹۰ تا ۵۹۹۔

مغرب میں اور اسیطرح اکثر یورپین ممالک میں ہر فرد بشر اہل شمشیر و قلم ہو یا اہل دولت کسی نہ کسیطرح غارتگری سے خاص تعلق رکھتا تھا۔

مہینوں کی شبانہ روز عرقریزی اور جانفشاں محنت کے بعد جب کوئی جہاز کپتان یا مہاجن کی بدولت تیار ہوکر اول مرتبہ پانی میں ڈالاجاتا تو عجیب تماشہ ہوتا تھا۔ کاریگروں کو باستثنائے چند جو عموماً یورپین ہوتے تھے آجکے دن بے انتہا خوشی ہوتی۔ مالک کو جب اطلاع ملتی کہ جہاز بالکل تیار ہوگیا۔ تو وہ دوستوں اور عزیزوں کے ہجوم میں بڑے کر و فر سے چلتا۔ اور کاریگروں کیلئے قریباً دو تین سو روپیہ کے تحفے کپڑے یا نقد وغیرہ ساتھ لاتا۔ گدام میں پہنچکر تمام چیزیں جہاز کے مستولوں پر اور اگلے پچھلے حصوں پر آویزاں کیجاتیں۔ اور یہانسے کاریگروں کو ملتیں۔ ٹھیک جسدن جہاز پانی میں ڈالاجاتا کاریگروں کو زبانی تعریف کے علاوہ۔ مالک اور کپتان مزید انعام دیتے تمام جہاز پر روغن ملکر جیسے جیسے اسکو جرثقیل کی مدد سے پانی میں دھکیلتے جاتے۔ ویسے ویسے اسا لئے جہاز اور تماشائی خوشی کے نعرے بلند کرتے جاتے۔ جہاز کے پیشین پر ایک دُنبہ ذبح کیا جاتا۔

جب جہاز سطح آب پر حسب دلخواہ جم جاتا تو اُسکو ضرورت کے موافق خلاصیوں سے آراستہ کرتے۔ اِن میں وہی یورپین غلام تھے جو رسم جنگ کے بموجب گیرودار میں ہاتھ آتے اور نخاس سے خرید کئے جاتے تھے۔ اگر کمی ہوتی تو عربی اندلسی بربری خلاصیوں کو ۱۰ ڈوکیٹ فی کس بالمقطع اُجرت پر نوکر رکھ لیتے تھے۔ خواہ لوٹ ملتی یا نہ ملتی۔ اُجرت اُنکو ضرور دینا پڑتی۔ اِسکے بعد لڑنے والے سپاہیوں کی ضرورت ہوتی یہ البتہ بھروسے کے آدمی ہوتے تھے

مثلاً اندلسی۔ ترکی۔ بربری اور اکثر مخلوط النسل بھی۔ چونکہ ان کشتیوں میں خلاصیوں کے تختے عمداً وسیع بنائے جاتے تھے تاکہ اُنپر کشتی کھینے والے اور لڑنیوالے دونوں آسانی کھڑے ہوکر اپنا کام کرسکیں۔ لہذا فی تختہ دو نفر کے حساب سے سپاہی بھرتی کئے جاتے تھے۔ اُنکی تنخواہ کارگزاری پر منحصر تھی۔ کوئی جہاز پکڑتے تو تنخواہ پاتے۔ ورنہ کچھ حق خدمت نہ ملتا صرف کھانیکو حسب ضرورت بسکٹ اور سرکۂ انگور اور کچھ روغن دیا جاتا تھا۔ یہی خوراک غلام خلاصیوں کو دیجاتی تھی۔ اسطرح کہ ایک پیالے میں تھوڑا سا پانی ملا ہوا سرکہ اور اسمیں کسی قسم کے روغن کے چند قطرے ٹپکا کر بجائے ترکاری کے دیتے اور تین روٹیاں۔ اور کبھی کبھی بھگائے ہوئے بسکٹ اور آٹے کی لپسی بنا کر دیتے۔ لیکن محنت مشقت کے موقع پر اُنکو عمداً بھوکا رکھتے تھے کیونکہ خلو معدہ بدون کشش و کوشش ممکن نہ تھی۔ اِن کا ذمہ دار تو کپتان ہوتا تھا۔

غلام خلاصی کی خوراک

سپاہیوں کا آغا

لیکن سپاہیوں کیلئے اُنھیں کا ایک افسر الگ نوکر رکھنا پڑتا تھا جسکو آغا کہتے تھے کشتی پر بھی اُنکے قول و فعل کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ کپتان کو آغا پر یا اُسکے ماتحت سپاہیوں پر سوا دینے حق سے زیادہ اور کوئی حق حاصل نہ تھا۔

یورپین گیلے جہاز پر حسب ذیل آدمی ہوتے تھے۔ خلاصی قریباً ۲۰۰ کپتان ایک پادری ایک۔ ڈاکٹر ایک کبھی کبھی جہاز کا مالک۔ جلاد ۲۔ معلم جہاز ایک۔ سکّان گیر ۱۲ جہاز کی پیشانی کے سب سے بالائی حصہ پر جسکو عرشہ کہنا چاہیئے ۸ شخص جنکا یہ کام تھا کہ دن رات باری باری کھڑے ہوکر دوربین آلوں سے وقت موسم موقع دیکھتے رہتے تھے اور بتلاتے تھے کہ جہاز کو کیا پیش آنیوالا ہے۔ دس بارہ سفید پوش مثلاشی معاش۔ کپتان کے

گیلنز

یہ جہاز سترھویں صدی میں مستعمل ہوتا تھا
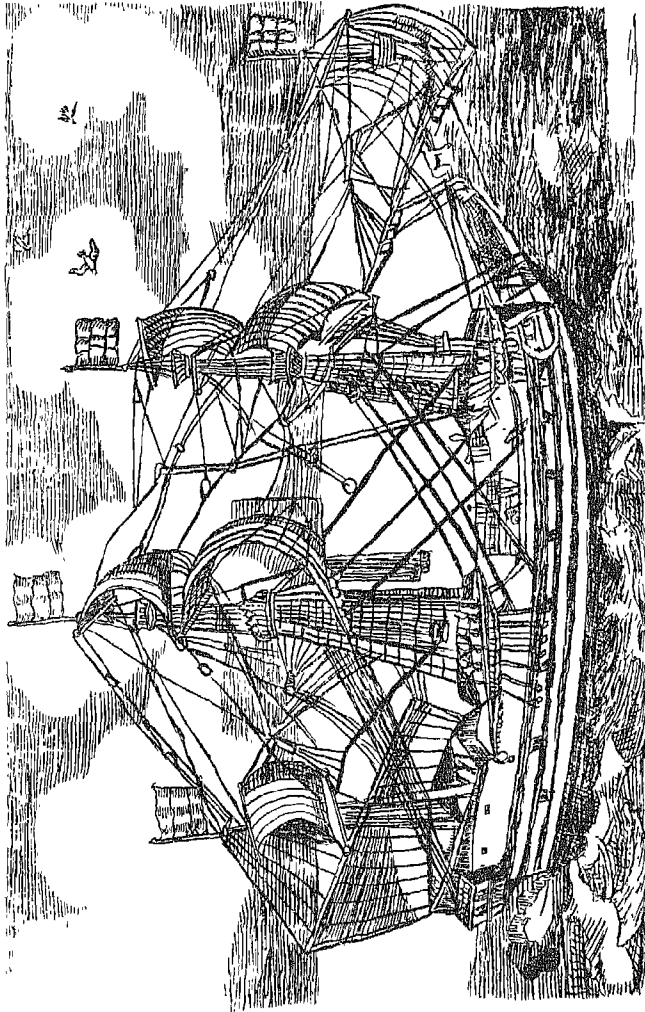
احباب جو کھانے کی میز پر اور زریں چتر کے سایہ میں ہر جگہ اُسکے دائیں بائیں لگے رہتے تھے۔ قیدیوں کی حفاظت اور خدمت کیلئے ۱۰ آدمی۔ معمولی ملاح ۱۲۔ بندوقچی ۴۔ بڑھئی لُہار پیپہ و بتی ساز ایک ایک۔ باورچی ۲۔ جنگ آزما سپاہی ۵۰-۲۰۰۔ اور ایک آغا۔ گویا کل ملاکر چار سو آدمی ہوتے تھے۔

فال دیکھنا

جب کوئی جہاز ملاحوں اور خلاصیوں سے آراستہ اور سپاہیوں اور سامان جنگ و آذوقہ سے طیار ہوکر سطح آب پر جم جاتا تھا تو لنگر اُٹھانے سے پیشتر فال دیکھنا بھی ضروری تھا۔ قوم مرالطین جب معتوب زمانہ ہوکر بربر کے ایوان حکومت سے نکالی گئی تو دنیا کی متنزل قوموں کیطرح رفتہ رفتہ پھر اپنے اُسی قدیم مذہبی گروہ کی شکل میں بدل گئی تھی چنانچہ فال دیکھنے کی خدمت اُنہی کے سپرد تھی۔ اسکے صلہ میں اُنکو لوٹ کے مال سے کچھ حصہ ملجاتا تھا۔

سفر کا دن

سفر کیلئے جمعہ اور اتوار عموماً نہایت مبارک دن سمجھے جاتے تھے۔ فرض کرو کہ دن اور وقت مقررہ پر ایک جہاز بالکل مرتب اور مستحکم۔ آراستہ و پیراستہ۔ ساحل کے قریب لنگر انداز ہے۔ ساحل پر کپتان اور دیگر اہالی جہاز کے عزیز و اقارب۔ دوست و آشنا اور عام تماشائیوں کا ہجوم ہے۔ رخصتی سلام اور مصافحے ہو چکے ہیں۔ وداعی معانقے اور دعائیہ جملے بھی ہو چکے ہیں۔

الوداع

لنگر بردار لنگر اُٹھاتا ہے۔ اور معاً ایک وداعی بندوق سر ہوتی ہے۔ اِدھر سے یک بیک شور اُٹھا کہ "خدا ہمیں تیز قدمی دے"۔ اُدھر سے جواب ملا کہ "خدا تمھیں برکت دے"۔ اور اسکے ساتھ ہی ہلکی کشتی یا سبک رفتار کشتی نما جہاز سطح آب پر کچھ دیر سانپ کیطرح لہراکر تماشائیوں کی نظر سے غائب ہوجاتا ہے۔

سمندر میں کسطرح شکار کھیلتے تھے

جب دور سے کوئی شکار (یورپین تجارتی جہاز) آتا دکھائی دیتا ہے تو کپتان دھوکہ دینے کی غرض سے بلاتکلف کسی غیر ملک کا نشان بلند کردیتا ہے۔ شکار اپنی پیشانی سے بیخبر رفتہ رفتہ زد پر آتا ہے تو کشتی کے بندوقچی حیرت انگیز سرعت سے باڑھیں مارنا شروع کرتے ہیں۔ اُدھر ملاح اور جہاز راں۔ غلام خلاصیوں کو زنجیروں میں جکڑ دیتے ہیں کہ مبادا

...موقع پر

حب وطن اور قومی پاسداری سے مجبور ہوکر دشمن سے جاملیں۔ کشتی کے باقی جنگجو سپاہی ننگی تلواریں بلند کئے قرابینیں سادھے اور چمکتے ہوئے خنجر جھکائے طیار کھڑے ہیں کہ اگر بندوقچی دور سے فیصلہ نکرسکیں تو یہ دشمن کے جہاز پر بآن واحد نازل ہوکر خود تصفیہ کرلیں۔

خودکردہ را درماں چیست

جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس جہاں آشوب زمانہ میں برائے نام بربری ترکستانی کشتیاں یورپین کاریگروں کے ہاتھ سے بنکر یورپین خلاصیوں کی قوت بازو کے سہارے بیشتر یورپین شجاعوں کی تلواروں کے سایہ میں اور اکثر یورپین کپتانوں کے ظل حمایت میں۔ بحر اٹرس سے صرف اور محض اسلئے لنگر اُٹھاتی تھیں کہ کسی یورپین تجارتی جہاز یا یورپین تجارت پیشہ قوم کے ساحل کو تاخت تاراج کرڈالیں۔ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ قرن وسطے کا یورپ اپنی مبارک جان پر کسطرح آپ ہی حملے کرتا تھا تو بے اختیار جی چاہتا ہے کہ حیرت و تعجب کریں اور اگر ممکن ہو تو ہمدردی بھی کریں۔ اسلئے کہ خودکردہ را درماں چیست؟

عام غلاموں کے حالات مجاہدیہ

جہازوں اور کشتیوں پر جو غلام۔ خلاصی کا کام کرتے تھے اُنکے حالات مجاریہ تو یورپ اور افریقہ میں ہر جگہ یکساں طور پر خوفناک تھے اور خوفناک ہونا بھی چاہئیں تھے

اسلئے کہ ایک پورے شہر یا قصبہ کو سمندر کے سطح پر صدہا میل کھینچنا سخت ترین مشقت تھی لیکن اگر اسکو نظر انداز کر کے دیکھیں تو عام غلاموں کی حالت چنداں خراب نہ تھی[۱]۔ مثلاً جو پبلک اور پرائیویٹ کارخانوں میں صنعت و حرفت کے کام کرتے تھے۔ گھرانوں میں خدمتگار یا میونسپل خدمات پر مامور تھے۔ سقے بنکر پکھالوں میں پانی لئے بیچتے پھرتے تھے سبزی۔ اور میوہ فروشس۔ چرواہے۔ معمار۔ سنگتراش۔ مزدور۔ حمّال تھے یا کھیت کیار کا کام کرتے تھے۔ ان سب کو نومسلموں سے زیادہ قومی اور مذہبی حقوق حاصل تھے۔ مراکش۔ الجزائر ٹیونس وغیرہ بڑے بڑے مقامات میں ایک ایک پادری خاص اس کام کیلئے متعین تھا کہ اُنکے باہمی تنازعے فیصل کرے اور مذہبی تعلیم بھی دے۔ اسکو القاضی کہتے تھے بعض مسیحی غلام بڑے بڑے تاجر اور کارخانہ دار تھے۔ کارواں سراؤنکے مالک اور مہتمم تھے۔ مسیحیوں کیلئے جسطرح عبادتگاہیں الگ تھیں۔ اسیطرح مسافرخانے بھی جدا تھے جنمیں مسلمانوں کو ٹھہرنے کی ممانعت تھی۔ شاید اسلئے کہ مبادا وہ اُنکو دق کریں۔ اگر بیمار ہوتے تو مسیحی شفاخانوں میں بھیجے جاتے جہاں اسپین کے فرائر (مسیحی فقیر) اُنکی تیمارداری کرتے۔ یورپین ممالک میں تو مسلمان غلاموں کو ذرہ برابر بھی سوشل حقوق نہ تھے۔ مگر افریقہ میں مسیحی غلام صنعت و حرفت کے سہارے نمایاں ترقی کر کے۔ اور صاحب دولت۔ صاحب قصر و بارگاہ بنکر بجائے خود غلام رکھتے۔ تب بھی گورنمنٹ کو اُن سے کچھ تعرض نہ تھا[۲]۔

غلاموں کے مشاغل زندگی

غلاموں کے حقوق

---

[۱] تاریخ مراکو مؤلفہ برتھمو یٹ صفحہ ۳۴۳۔ سکیچ آف کرسٹن ڈم (مسیحی دنیا پر عذاب الیم) مصنفہ سر آرایل پلےفیئر صفحہ ۹۔ مارگن بھی اسکی تصدیق کرتا ہے۔

[۲] لین پول کی باربری کورسیر صفحہ ۲۴۲

بردہ فروشی کا قاعدہ

جب کوئی بربری جہاز لوٹ کا مال اور بندی لیکر یورپ سے واپس آتا تو دستور تھا کہ اول مالک یا کپتان اپنے آنیکی رپورٹ مع تفصیل غنائم. گورنمنٹ میں بھیجتا. اُدھر سے ایک تاریخ مقرر کردیجاتی۔ اور اُس روز لوٹ کے تمام مال اور اسباب خاصکر غلاموں کا معائنہ ہوتا۔ اور تحقیقات کیجاتی کہ قیدیوں میں کتنے مسافر ہیں اور کتنے جہاز کے ملازم اور منصبدار مسافروں کو اُس مُلک یا ریاست کے قونصلوں کے سپرد کردیا جاتا۔ جہانکے وہ رہنے والے ہوتے۔ افسران و ملازمان جہاز میں سے آٹھواں حصہ بطور محصول گورنمنٹ کیلئے منتخب

حق گورنمنٹ

کرلیا جاتا۔ اور باقی بربری جہاز کے مالک اور افسرون و ملازموں کے درمیان آدھے آدھے بٹ جاتے۔ یہ اُنکو نخاس میں جو بستان کہلاتا تھا۔ لاکر دلالوں کی معرفت فروخت کردیتے لیکن بیع و شری کی تکمیل اور زرثمن و بیعہ کے مبادلہ کیلئے بائع اور اُسکے ساتھ مشتری کو ایک مرتبہ اور گورنمنٹ کے اُسی افسر کے پاس جانا پڑتا تھا۔ اگر یہاں آکر غلاموں کی قیمت پہلے سے بڑھجاتی تو بڑھوتری سرکاری خزانہ میں داخل کرلیجاتی۔ یورپ میں مسلمان غلام اسطرح

یورپ میں بردہ فروشی

نیلام نہوتے تھے۔ بلکہ معمولی طریق پر دست بدست فروخت ہوتے تھے۔ مگر خدمتگاری کے سوا کوئی کام نکرسکتے تھے۔ اِس سے واضح ہوگیا کہ غلاموں کی دو قسمیں تھیں. گورنمنٹ کے غلام۔ اور رعیت کے غلام۔

غلاموں کی قسمیں

گورنمنٹ کے غلام

گورنمنٹ کے غلاموں کی یہ علامت تھی کہ پیر کے انگوٹھے میں لوہے کا ایک

علامت

چھلا پہنتے تھے۔ رات کو ایک بڑے مکان میں جو قلعہ کی شکل پر اسی مقصد کیلئے بنایا گیا تھا بند کردیے جاتے تھے۔ دن کو اکثر میونسپل خدمتیں انجام دیتے تھے۔ رعیت کے غلاموں کے

حقوق

مقابلہ میں اُنکو کچھ زیادہ حقوق حاصل تھے۔ مثلاً جمعہ کو پورے دن کی اور باقی چھ روز غروب سے تین گھنٹہ پیشتر اُنکو معمولاً تعطیل ملجاتی تھی۔ اور کھلی اجازت تھی کہ حدود شہر میں جہاں چاہیں جائیں اور جو چاہیں کریں۔ بعض غلاموں کو چوری کا لپکا پڑ جاتا تھا۔ بڑی بڑی

چوری کا لپکا

قیمتی چیزیں چُرا لیتے اور لطف یہ کہ کمال بیدردی سے اکثر اُسی چیز کے مالک ہی کے ہاتھ بیچدیتے۔ اور یہ بیچارہ گورنمنٹ کے خوف سے تین پانچ کئے بدون خرید لیتا۔ بعض تعطیل میں بھی بطور خود محنت مزدوری کر کے روپیہ پیدا کرتے۔ اور اُسکو جوڑ کر اپنی آزادی خرید لیتے کبھی گورنمنٹ بھی اُنکو ترکتاز اور غارتگر جہازوں کے ساتھ سمندر میں دورہ کرنے بھیج دیتی اِس صورت میں اُنکو مال غنیمت میں سے کچھ حصہ ملجاتا۔ اور ان رقوم کو جمع کر کے وہ اپنی آزادی خرید لیتے۔ مگر پھر بھی یہ اتفاقیہ تھا۔ اکثر یہ نہ تھا۔ کیونکہ یورپ کی سوشل اور پولیٹکل حالت اٹھارھویں صدی کے نصف تک اسقدر ردی تھی کہ بربر کے یورپین غلام مسیحی حُر

بربر کے غلام اور یورپ کے حُر کا مقابلہ

بنکر یورپ کو واپس آنے اور یہاں بھیک مانگتے پھرنیسے ہزار بلکہ کروڑ درجہ بہتر سمجھتے تھے کہ الجزائر میں اسلام کا غلام بنکر بے کھٹکے دولت و ثروت پیدا کریں۔ اور لطف و لذات زندگی سے دل

سلہ پادری ڈان صاحب جو اسپین کی سولھویں صدی کی تعصب خیز آب و ہوا سے متاثر ہو کر ۱۶۳۴ء میں الجزائر سیر کرنے گئے تھے۔ اُنھوں نے وہاں کے حالات لکھتے ہوئے غلاموں کے روزمرہ کی سخت بھیانک تصویر کھینچی ہے۔ مگر تاریخانہ نظر میں اُس کی وقعت کا کس کی تاریخ ہند سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ ہمکو اس سے مخالفت کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ کیونکہ ایک یورپین مورخ خود اس بیان کی تردید کرتا ہے۔ دیکھو لین پول باربری کورسیر صفحہ ۲۴۱۔

کیونکہ مسرورالوقت ہوں اور کچھ شک نہیں کہ بربریں یورپین غلاموں کی حالت عموماً ہر پہلو پر یورپ سے بدرجہا بہتر تھی۔ اگر وہ یہاں کوئی خطا کرتے تو زیادہ سے زیادہ یہ سزا تھی کہ دُرّے لگ جاتے تھے۔ لیکن یورپ میں اتنے سے جرم کی پاداش میں گاڑی کے پہیوں کے نیچے کچل ڈالے جاتے۔ یا گھوڑے کی باگ ڈور سے پھانسی دیدیے جاتے[۱۵]۔

تاہم اس سے یہ نتیجہ نہ نکالنا چاہیئے کہ بربر کے تمام چھوٹے بڑے شہروں میں دیہات اور کوہستانی آبادیوں میں یا جہاں کہیں جسقدر مسیحی غلام تھے وہ سب ایک ایک اور ہزار تک ہر پہلو پر مرفہ الحال اور خوش و خرّم تھے۔ اول تو یہ کہ غلامی خواہ عزیز مصر ہی کی کیوں نہو۔ پھر بھی غلامی ہے۔ جسکا مفہوم ہے غربت و بیکسی۔ بندگی و بیچارگی۔ نفس کُشی اور رضا جوئی۔ فرض کرو کہ مسلمان غلاموں کو یورپ میں اور مسیحی غلاموں کو بربریں یکساں طور پر نہ مسلسل عرقریزی اور بے نفع محنتیں کرنا پڑتی تھیں۔ نہ جرموں اور خطاؤں کی پاداش میں کم و بیش سزائیں بھگتنا پڑتی تھیں۔ نہ کوئی اور جسمانی اذیت تھی۔ یہ سب کچھ سہی لیکن روحانی عقوبت سے رستگاری کسیطرح ممکن نہ تھی۔ وطن اور ہموطنوں سے اچانک جُدا ہوجانیکا رنج برابر ایک تیز فولادی برمے کیطرح ہر وقت دلکو چھیدتا رہتا تھا۔ غلامی کی آہنی زنجیروں سے چھٹتے جی رہائی ممکن نہونیکا صدمہ یاس جو تمام جذبات کو مفلوج کر ڈالتا تھا۔ سرکش

---

[۱۵] یہ اسپین کی کیتھلک گورنمنٹ کے اُس مجموعہ تعزیرات کا منشا تھا جو اُس نے کارڈینل زمنیس جیسے متعصب مذہبی پیشواؤں کی رائے سے عربی قانون کے بجائے جھلا جھلا ملک میں جاری کیا تھا۔ آہ اسے اسپین! تو نے اسلام کے ظل حمایت سے نکلکر دامن انسانیت پر کیسے کیسے دھبے لگائے!! دیکھو مارگن کا ترجمہ بربر کا سفر" بربر کے مسیحی غلاموں کے تفصیلی حالات دیکھنا ہوں تو اس سے زیادہ اور کسی کتاب میں نہیں مل سکتے۔ سر آرایل پہلے غیر بھی اسیکو نقل کرتے ہیں۔ گو نیاک نیتی (!) سے کہیں حوالہ تک بھی نہیں دیتے ۱۶۔ ۱۵ از ہیں دیکھو لین پول صفحہ ۲۴۲ تا ۲۴۴

مغرور اور حکمران دلوں کا بربری مولاؤں کی ناگوار بندگی سے اندر ہی اندر سُلگنا۔ یہ وہ ناسور تھے جو آزادی کے مرہم بدون بھر ہی نہ سکتے تھے۔

شہریوں اور دیہاتیوں کے غلاموں کی حالت

دوسرے یہ کہ دارالحکومتوں اور بڑے بڑے شہروں کے باشندے مہذب و تعلیم یافتہ ہوتے تھے۔ اور قدرتی طور پر یہ خوش بندہ پروری بھی جانتے تھے اور چارہ نوازی بھی۔ لہذا غلاموں کے فیلنگ کا پورا لحاظ کرتے تھے۔ لیکن دیہات خاصکر پہاڑی بستیوں کے ناتراشیدہ اور ناتربیت یافتہ باشندے جو طبعاً سخت کرخت بلکہ سنگلاخ مزاج رکھتے تھے۔ اپنی طبیعت کے مطابق غلاموں سے سلوک کرتے تھے۔ اسیطرح دُکّانوں پر۔ گھرانوں میں کہیتوں میں ہر جگہ جہاں کہیں جیسا غلام اور مولا ہوتا ویسا ہی اُن کا آپس کا برتاؤ۔ اگر موافقت ہوتی تو بجز اسکے کہ غلام آزاد نہ تھا۔ باقی تمام حقوق گھر والوں کے سے رکھتا۔ اگر ناموافقت ہوتی تو ناگفتہ بہ[1]۔

گورنمنٹ کے اصول سلوک کے مستثنیات

علاوہ ازیں گورنمنٹ اپنے غلاموں سے گو کلیۃً بہ تشدد پیش نہ آتی تھی لیکن اس میں بھی مستثنیات تھے۔ یورپ کے خاص خاص فرقوں اور قوموں کے افراد جو لوٹ مار کے حملوں یا باقاعدہ لڑائیوں میں گرفتار ہوکر غلام بنائے جاتے تھے۔ اُنسے قومی تعلقات کی مناسبت پر سلوک کیا جاتا تھا۔ مثلاً مجاہدین بیت المقدس جو صرف مذہبی جوش کی بنا پر بربریوں اور ترکوں کے خون کے پیاسے تھے۔ ان کے قیدیوں کو عمداً تکلیف دیجاتی تھی اُسیقدر جسقدر یہ خود ترکی اور بربری غلاموں کو تنگ کرتے تھے۔ یا اسپین کے غلام جنسے اُندلس کے جلاوطن مُسلمان سخت متنفر تھے۔

---

[1] صفحہ ۲۲۱ و ۲۴۲ و ۲۴۸ باربری کورسیر مصنفہ لین پول۔

چنانچہ سنہ ۱۶۰۶ء میں شہر اوران کے محاصرہ سے اہل بربر نے بہت سے دشمن گرفتار کئے جنمیں چار مجاہدین بھی تھے جو مالٹا سے اپنی شجاعت کے جوہر دکھلانے آئے تھے بجائے اسکے کہ یہ الجزائر کے نخاس میں بک کرکسی مفید اور سفرزپیشہ پر لگائے جاتے یا (جیسی کہ شاید خود انکو توقع ہوگی) گورنمنٹ کے غلاموں میں داخل ہوکر چوریاں کرتے پھرتے۔ انکو الجزائر کے القصبہ نامی قلعہ میں ۱۲۰ پونڈ وزنی زنجیریں پہناکر قید کردیا گیا دو برس تک طرح طرح کے عذاب میں مبتلا رہکر بڑے جیلخانہ میں بھیجے گئے۔ اور یہاں شاید اُن بربری مسلمانوں کے قصاص میں جو مالٹا کے قلعہ سینٹ انگلو اور سینٹ میکائیل میں پابجولاں تھے۔ انکو آٹھ برس کامل شدید سے شدید افتیں جھیلنا پڑیں جتنی مرتبہ سمندر سے یہ اطلاع ملی کہ بربری کشتی کو مالٹا گیلے سے شکست ہوئی۔ اُتنی ہی مرتبہ گورنر نے غضبناک ہوکر مجاہدین کو پھانسی پر بھیج بھیج دیا۔ لیکن ہر مرتبہ فرانسیسی قونصل کی سفارش سے جاں بخشی ہوجاتی تھی۔ کیونکہ مجاہدین میں تین فرانسیسی تھے۔ ایک دفعہ اُنھوں نے مرابطہ فرقہ کے ایک مسلمان کی مدد سے بھاگنے کی کوشش بھی کی مگر پھر گرفتار ہوگئے۔ اور اِس مرابطہ ہی کی سفارش سے عفو تقصیر ہوئی۔ بالآخر نویں برس فدیہ دیکر آزاد ہوگئے۔

مالٹا کے مجاہدین کی کہانی

اسیطرح ایک مرتبہ سر ٹیرونامی ایک اسپین کا سپاہی جس نے اپنا بایاں بازو لیپنٹو کے معرکہ کی نذر کردیا تھا نیپلز سے آتے ہوئے گرفتار ہوگیا۔ اور الجزائر کے

سرونٹیز کی سرگزشت

۱۵ گو انکو ہر طرحکی افتیں دیجاتی تھیں لیکن مذہبی رسوم میں کبھی دست اندازی نکی جاتی تھی۔ چنانچہ تہوار کے دن عیسوی سِل حدود میں آزاد گھومنے کی اجازت تھی۔ گرجا میں یا قونصل کی کوٹھی پر جا سکتے تھے۔ اور یہ ان یورپین مورخوں یا وقائع نگاروں کو تسلیم ہے جو اُن کے بڑے ہمدرد ہیں۔ دیکھو مارگن کا ترجمہ "سفر بربر" صفحہ ۵۸ تا ۶۵۔ باربری کورسیر صفحہ ۲۲۵۔

ولندیزی جہاز اور اسپینش گیلین میں زور آزمائی
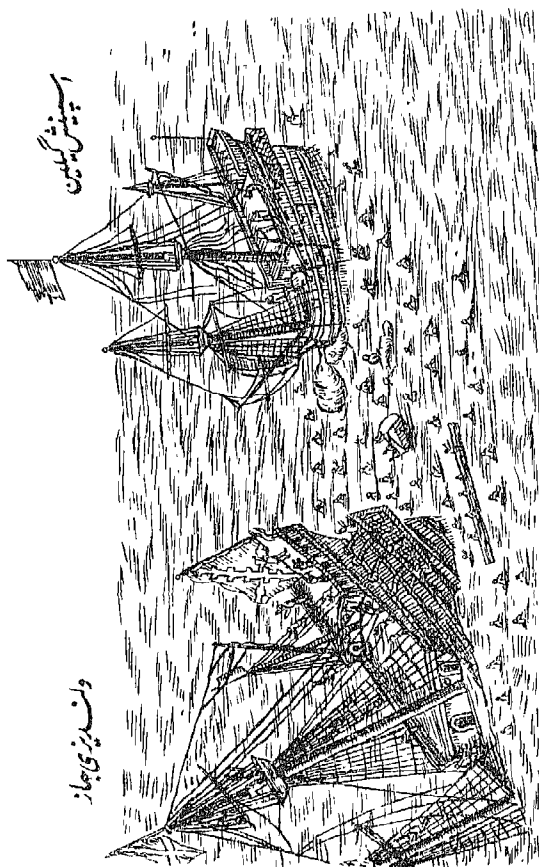
نخاس میں اگر معمولی آدمیوں کے ساتھ بکا۔ ویلی میمی رئیس نے جو فی الاصل یونانی تھا
اسکو خرید لیا۔ تلاشی لینے پر سروانٹیز کے پاس سے ڈن جان آو اسٹریا کے چند خطوط
برآمد ہوئے جس سے رئیس کو یقین ہوگیا کہ یہ کوئی ذی اثر باشندۂ اسپین ہے۔ اور
اُسکو قید کرکے فدیہ طلب کیا۔ اگلے برس یہ خبر رفتہ رفتہ سروانٹیز کے باپ کو ملی اور
اُسنے فدیہ بھیجا۔ یہ رقم اُسکے چھوٹے بھائی راڈریگو کے لئے کافی سمجھی گئی اور وہ رہا کردیا گیا
مگر وہ خود اسیطرح حلقہ بگوش اور پابزنجیر رہا۔ اسطرف سے مایوس ہوکر سروانٹیز نے بھائی کی

سروانٹیز کی فراری

مدد سے بھاگنے کا انتظام کیا اور بہت سے اسپینش جنٹلمینوں کو جو اُسکی طرح ڈن جان
کی سفّاکانہ خونریزیوں کی سزائیں بھگت رہے تھے رفاقت پر آمادہ کیا اور شہر سے
باہر ایک تنگ و تاریک غار میں رفتہ رفتہ لیجاکر چھپا دیا۔ عین وقت پر جبکہ راڈریگو کا
بھیجا ہوا جہاز کنارہ پر تیار تھا کسی شریر ماہی گیر نے الارم دیدیا اور سروانٹیز اپنی ذریات
سمیت پکڑا گیا۔ مگر گورنر نے اُسکی مردانہ جسارت اور شجاعانہ انداز سے خوش ہوکر نہ صرف

ناکامی

جان بخشی ہی کی بلکہ ویلی میمی سے پانسو گنی دیکر خرید لیا[1]۔ اسکے بعد بھی سروانٹیز نے کئی مرتبہ
بھاگنے کی کوشش کی لیکن ہر مرتبہ پکڑا گیا اور ہر مرتبہ قید کی سختی بڑھی۔ پھر بھی سزائے
تازیانہ کبھی نہیں دیگئی[2]۔ بالآخر سنہ ۱۵۸۰ء میں فدیہ دیکر آزاد ہوا۔

سروانٹیز کی آزادی

---

[1] لطف یہ کہ اسی سروانٹیز نے قید سے چھوٹ کر اور وطن پہنچکے جو ڈن کوئکزوٹ نامی ایک کتاب لکھی جسمیں ڈن جان کے حالات زندگی درج ہیں۔ اسی میں کہیں کہیں اپنی غم کی کہانی کے واقعے بھی لکھے ہیں۔ اور الجزائر کے اسی گورنر کو خونخوار بتایا ہے اور لکھا ہے کہ وہ ایک غلام کو ہر روز بلاوجہ پھانسی دلواتا تھا۔ لین پول ۲۴۷ -

[2] مؤرخین یورپ اسکو سروانٹیز کے رعب اور وجاہت کا نتیجہ خیال کرتے ہیں۔ گورنر کی چشم پوشی اور عفو گاری نہیں سمجھتے۔

مجاہدین جیسے مذہبی افراد اور سر ونٹیٹنر جیسے قومی ناموجب بند غلامی سے چھوٹ کر یورپ جاتے تھے تو اُنکے دُکھ درد کی کہانیوں سے خاص و عام میں جوش پھیل جاتا تھا پھر اُسقف اعظم کے سحر آفریں خطبوں سے پادریوں کے مقدس دلوں کو بیطرح حرکت ہوتی تھی۔ اور یہ مسیحی غلاموں کو نجات دینے کے لئے قافلوں کی شکل میں سواحل بربر پر اکثر جھک پڑتے تھے چنانچہ سب سے پہلے نجات دہندہ قافلہ کا سردار ایک فرانسیسی پادری تھا۔ جین ڈی میتھا نے "تثلیث[۹۱] مقدس اور قیدیوں کی نجات" کے نام سے ایک مذہبی فرقہ قائم کرکے پوپ[۹۲] انوسنیٹ ثالث کو حمایت پر لیا۔ اور پھر ۱۱۹۹ء میں بربر میں وارد ہوا۔ اور ۱۸۶ غلام چھڑا کر لیگیا پھر سنین مابعد میں اور کتنے ہی قافلے آئے اور کُل ملا کر قریبًا ۳ ہزار مسیحی غلاموں کو چھڑا کر لیگئے

اسیطرح ۱۶۳۴ء میں ایک اور فرانسیسی پادری مارسیلز سے یہی احرام باندھکر چلا اور ۱۵ جولائی کو الجزائر میں وارد ہوا۔ چونکہ فرانس صلح سے ٹرکی میں تھا اسلئے الجزائر کے پاشا نے پادری ڈوان کی بڑی تعظیم و تکریم کی۔ دربار خاص و عام آراستہ کیا۔ امیروں اور وزیروں کو بھیجکر استقبال کرایا اور نہ صرف خود ہی بڑی عزت سے پیش آیا بلکہ منادی کرادی کہ جو شخص پادری اور اُسکے رفیقوں سے بادب پیش

مسیحی غلاموں کی نجات کا طریقہ

ایک مذہبی فرقہ

فرانس اور الجزائر کا ربط

مہمان نوازی

---

[۹۱] آرڈر آو دی ہولی ٹری نی ٹی اینڈ ریڈیمپشن او کیٹیوز۔

[۹۲] پوپ نے پادری میتھا کو سلطان مراکو کے نام ایک خط بھی دیا تھا جسمیں سلطان کو "جلیل القدر اور گرامیشان" سے ملقب کیا ہے اور سفارش کی ہے کہ حامل خط کی اس کارخیر میں دستگیری کریں اس سے مسیحی اور مسلمانوں کے اُن دیرینہ تعلقات کا ثبوت ملتا ہے جو قرن وسطے کے طوفان غارتگری سے پیشتر تھے باربری کورسیر صفحہ ۲۵۲ و ۲۵۳

پادری ڈان کا تعصب

نہ آئیگا وہ قتل کیا جائیگا[۱]۔ حالانکہ خود پادری ڈان کا طریق عمل جوش انگیز تھا[۲]۔ مگر پاشا نے مہمان نوازی کے اصول کے مطابق جو مسلمانوں کا قومی خاصہ ہے اسکا خیال تک نہ کیا۔ اُنکے لئے فرانسیسی اجنٹ کی کوٹھی میں کمرے آراستہ کئے۔ اور تین ماہ تک مہمان رکھا۔ اور چلتے وقت ۴۲ فرانسیسی غلام آزاد کرکے ساتھ کئے[۳]۔

سیحی غلاموں کی آزادی

یہی قافلہ اگلے برس ٹیونس سے ۴۲ فرانسیسی غلام اَور چھڑا کر لایا۔ پھر ۱۷۱۹ء میں ایک اَور فرانسیسی پادری کیمیلن نے ۹۸ ہموطنوں کو آزاد کرایا۔ اسیطرح اَور پادریوں نے موڈرن ایج (قرن حال) تک اسی قسم کی چھوٹی چھوٹی کامیابیاں حاصل کیں۔ مگر پوری کامیابی اول سے آخر تک کبھی کسی کو نصیب نہ ہوئی۔ نجات دہندہ مشن کے دو مقصد ہونا چاہئیں تھے۔ ایک یہ کہ یورپین غلاموں کو بلا قید مذہب وقومیت آزاد کرادیں دوسرا یہ کہ اہل بربر سے آیندہ کے لئے ایسی باہمی قرارداد کریں کہ ان ممالک میں بردہ فروشی اور غلاموں کی گیرودار قطعاً مسدود ہو جائے مگر ان دونوں مقاصد کے حصول میں خود یورپ ہی کے پادریوں کا مذہبی تعصب اور یورپ ہی کے فرمانرواؤں کی ناعاقبت اندیشی سدّ راہ تھی۔

اِس دعویٰ کا ثبوت یہ ہے کہ یورپ کی کوئی قوم کوئی سوسائٹی ایسی نہ تھی جسکے دولتمند اور جلیل القدر افراد کے حلقۂ خدّام میں بربر کے حلقہ بگوش غلام موجود

---

[۱] یہ وحشیانہ اخلاص مہمان نوازی تھی! لین پول کورسیر صفحہ ۲۵۲ [۲] اس زمانہ کی رسم کے مطابق پاشا نے چاہا کہ دوستانہ ارتباط اور اتحاد سے اظہار ہیں۔ الجزائر کے ہلالی جھنڈے کو پادری کے فرانسیسی علم سے مس کیا جائے مگر ڈان نے سختی سے انکار کردیا اسلئے کہ ناپاک جھنڈا علم مقدس کو مس نہ کرسکتا تھا! باربری کورسیر صفحہ ۲۵۲ [۳] لین پول صفحہ ۲۵۲ و ۲۵۳ بربر کا سفر مترجمہ مارگن۔

نہ تھے ۔ حتیٰ کہ فرانس جو دوستی کا دم بھرتا تھا اُسکے جنگی جہاز اور سوشل خدام خانے بھی ۔ خاندان ڈوریا کی غارتگری کی بدولت بربری غلاموں سے معمور تھے[۱] اسکے

فرانسیسیوں کی لوٹ مار

علاوہ فرانسیسیوں کو موقع ملتا تو ساحل بربر پر علانیہ لوٹ مار کرنے سے بھی دریغ نہ کرتے چنانچہ ۱۶۳۷ء میں چند فرانسیسی لٹیروں نے جنکو کپتان بتلایا جاتا ہے فلورنس کی چھ کشتیاں لیکر بوجیہ پر حملہ کیا ۔ بوجیہ اسوقت گھٹکر تیسرے درجہ کی بندرگاہ بنگیا تھا اسلیئے قلعہ اور شہر جنگی سامان سے محفوظ نہ تھا ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حملہ آوروں نے بے تکلف لوٹ مار کی اور اٹھارہ سو مرد عورتیں اور بچے بیرحمی سے پکڑ کر لیگئے[۲] ۔

دول یورپ کا استبداد ۔

علاوہ ازیں شروع میں تمام دول میں سے صرف فرانس کا قونصل الجزائر میں رہتا تھا یا اُسقف اعظم اپنا ایک سفیر سلطان مراکو کے دربار میں رکھتے تھے ۔ اسکی وجہ غالباً یہی معلوم ہوتی ہے کہ جب یہ خود اہل بربر کے تجارتی جہازوں اور سیاحتی کشتیوں کو لُوٹ لیتے تھے تو اپنے قونصلوں کو اُنکے دربار میں کس مُنھ سے متعین کرتے ۔ اور جب اُنکے ملک میں صدہا مسلمان غلام تھے تو وہ کیا کہکر مسیحی غلاموں کو آزاد کراتے ۔ اسیطرح ان ممالک کے پادریوں کو بھی جرأت نہ تھی کہ نجات دہندہ بنکر آتے ۔ صرف ایک فرانس ایسا ملک تھا جو سلطان قسطنطنیہ کا حلیف ہونے کی وجہ سے کسیقدر استحقاق رکھتا تھا اسکے پادری بھی مسیحی غلام آزاد کرانے میں قومیت اور ملّت کا لحاظ کرتے تھے چنانچہ ٹیونس میں ایک مرتبہ ایک فرانسیسی مشن نے . . . ۳۰ سکے دیگر

---

[۱] لین پول ۲۵۳ [۲] لین پول ۲۵۴ ۔

کیتھلک تعصب کی مثال

تین فرانسیسیوں کو آزاد کرایا۔ پاشا نے فدیہ بڑھائے بدون انمیں ایک اور فرانسیسی غلام کو شامل کرنا چاہا لیکن پادریوں نے اسکے لینے سے صرف اس بناپر انکار کردیا کہ یہ بیچارہ بدنصیبی سے پروٹسٹینٹ تھا۔ کیتھلک نہ تھا۔[۱]

جب یورپ اور بربر کے باہمی تعلقات کی یہ حالت تھی۔ اور ایک دوسرے کی رعایا کو زبردستی پکڑ کر غلام بنانا اور اُنسے خلاصیوں کا کام لینا اس قرن کی رسم تھی تو مسیحی غلاموں کی آزادی کے دوہی طریقے تھے۔ ایک یہ کہ جسقدر بربری غلام نجات دہندہ قافلے والوں کے ملک میں ہوں اُدھر وہ اُنکو چھوڑدیں اور اِدھر اہل بربر انکے غلاموں کو آزاد کردیں۔ اور اس بات کا لحاظ نہ کریں کہ معاوضہ کی تعداد برابر ہے یا کم وبیش۔ چنانچہ پادری ڈان نے ۴۲ غلام اسی شرط پر رہا کرائے تھے کہ معاوضہ میں اُن تمام بربریوں کو جو فرانسیسی جہازوں پر پابزنجیر خلاصی ہیں رہا کردیا جائیگا[۲] حالانکہ انکی تعداد۔ فرانسیسی غلاموں کے مقابلہ میں بہت تھوڑی تھی یا شاید پادریصاحب نے مصلحتًا تھوڑی بتلائی تھی اسلیئے کہ تصدیق کا کوئی سہل ذریعہ نہ تھا اور نہ بربر کے مسلمان بدظن اور بہانہ جو تھے۔ دوسرا طریقہ یہ تھا کہ فدیہ دیکر آزاد کرالیں جیسا کہ ایک واقعہ تمثیلاً اوپر درج کیا گیا ہے۔ یورپ کے مؤرخ جو کنایۃً ایک تیسرے طریقہ کا تقاضا کرتے ہیں اور شاید اُس زمانہ کے پادری بھی صراحتًا کرتے ہونگے۔ یہ کہ مسیحی غلام تبادلہ کیے یا فدیہ بدون یوں ہی چھوڑدیئے جایا کرتے یہ کسیقدر بحث طلب مسئلہ ہے۔ آج صدیوں

---

[۱] لین پول صفحہ ۲۵۵ [۲] لین پول صفحہ ۲۵۲۔

بعد ہمارے اور اُن مؤرخوں کے قلم اسکا فیصلہ نہیں کر سکتے۔ اسکا فیصلہ اُس زمانہ کی تلواروں نے آپ کر لیا تھا۔ لیکن اسمیں کچھ شک نہیں کہ قرنِ وسطے میں ذلیل بردہ فروشی کی اسدرجہ کثرت زیادہ تر یورپ کے ہاتھ میں تھی جبتک اُسنے چاہا رہی۔ اور جب نہ چاہا مِٹ گئی۔ پس پادری ڈان اور اُنکے رفیق بجائے اسکے کہ بربر کے تمام اندرونی اور بیرونی مقامات میں بڑی سرگرمی سے مسیحی غلاموں کے لئے شفا خانے مسافر خانے۔ گرجے بناتے پھرتے۔ اگر وہ یورپ کے ممالک میں اس سے آدھی سرگرمی سے غلاموں کی گیرودار کے انسداد کا وعظ کرتے تو شاید سنین مابعد میں یورپ کو بربریوں کے ہاتھوں جو ذلتیں نصیب ہوئیں ہرگز نہوتیں[ا]

بردہ فروشی یورپ کے [illegible] میں تھی

[ا] یورپ پر کیا منحصر ہے۔ بردہ فروشی سے مہذب امریکہ بھی خالی نہ تھا۔ اٹھارویں صدی کے اخیر سے انگلش پارلیمنٹ میں آزادی کی تائید میں آوازیں بلند ہونا شروع ہوئیں۔ اور سنہ ۱۸۳۴ تک یہ زبون رسم مٹ گئی۔ سب سے اول ولیم ولبرفورس نے ۱۹۔ مئی سنہ ۱۷۸۹ کو انسداد بردہ فروشی پر ایک پُرجوش تقریر کی۔ مگر اسکا کوئی نمایاں اثر نہوا۔ پھر مئی سنہ ۱۷۹۲ کو پارلیمنٹ میں ۵۱۷ درخواستیں مختلف انگریزی تاجروں اور باشندوں نے گذاریں کہ یہ رسم مسدود کیجائے۔ اسپر ولیم ولبرفورس نے پھر ایک تقریر کی اور اسکی تائید مسٹر ولیم پٹ نے کی۔ بالآخر سنہ ۱۸۰۷ میں ایک قانون پیش ہوا جسکی رو سے یکم جنوری سنہ ۱۸۰۸ کو اعلان کر دیا گیا کہ بردہ فروشی جرم سمجھا جائیگا۔ اسیطرح امریکہ میں سنہ ۱۷۹۴ میں پھر سنہ ۱۸۰۰ میں بردہ فروشی ناجائز قرار دیگئی اور سنہ ۱۸۰۷ میں ایک بل پاس ہوا کہ اگلی جنوری سے قلمرو امریکہ میں رسم مذکور قطعًا مسدود ہو سنہ ۱۸۲۰ سے بردہ فروشی اور غارتگری ایک جرم سمجھا جانے لگا۔

اس سے پیشتر یہ حالت تھی کہ جزیرہ جمیکا میں ڈھائی برس کے عرصہ میں ۲۷ ہزار غلام بکے۔ غلام کے مار ڈالنے کا ۴۰ پونڈ قصاص تھا۔ افریقہ سے ۸۰ ہزار غلام سالانہ یورپ کو منتقل ہوتے تھے۔ چنانچہ سنہ ۱۸۲۱ میں انڈریوناسن نے اپنی تقریر میں امریکہ کی نوآبادبستیوں کی آبادی کی حسب ذیل تفصیل کی ہے۔

غلام (۸۰۰۰۰) آزاد (۱۴۴۰۰۰) یورپین (۱۱۹۰۰۰)

ڈانیل اوکونل نے سنہ ۱۸۳۲ کی تقریر میں پارلیمنٹ میں بیان کیا تھا کہ امریکہ کے قدیم باشندوں کی تعداد ۱۴ نوآبادیوں میں دس برس کے اندر بقدر ۱۴۵۸۰۱ کے گھٹ گئی۔ اسلیئے کہ اسقدر آدمی غلام بنا کر منتقل کر دیے گئے۔

گیارھواں باب

کھلے لٹیروں کا دَور۔"یورپ پر عذاب الیم"

تنزّل کے اسباب

یوں تو جب سے دولت علویہ فاطمیہ مصر میں منتقل ہوگئی تھی۔تب ہی سے بربر کی گورنمنٹ اور سوسائٹی کا شیرازہ بکھرنا شروع ہوگیا تھا چنانچہ مرابطین اور موحّدین کا اجزاء منفرد بنکر ایک دوسرے کے بعد خروج کرنا اِس بات کی دلیل ہے کہ اہل بربر وحدت سے کثرت کی طرف مائل ہوگئے تھے۔ قوت کی تقسیم اور اعضا کا تفرقہ ہمیشہ ضعف اور تنزّل پر ختم ہوتا ہے۔لیکن پھر بھی اخیر میں بنی حفص کی دوسو برس کی حکومت

بربری حکومت کا تنزّل

جو صوبہ ٹیونس میں محدود تھی۔ایک ٹمٹماتے ہوئے چراغ کا سا سنبھالا تھا جسکے بعد تاریکی شروع ہوگئی اور یہ تین سو برس کا زمانہ جو سولھویں صدی سے شروع ہوکر انیسویں کے آغاز پر ختم ہوجاتا ہے۔تمامتر تنزّل کا دَور معلوم ہوتا ہے۔بربر کے پولٹیکل اور خاصکر

پولٹیکل اور سوشل تنزّل

سوشل جسم میں مادہ فساد صریحاً سرایت کرنے لگا مجلسیں برہم ہوگئیں۔علوم وفنون کی ترقی مسدود ہوگئی۔تعلیمگاہوں اور کارخانوں پر قفل پڑ گئے۔لیکن بااینہمہ بربر کی آب و ہوا میں ابھی تک چند اعلیٰ خاصیتیں باقی تھیں یعنے ناموارنہ شجاعت۔فیاضی۔اور جاہ طلبی۔اِس سے کہا جاسکتا ہے کہ دَور تنزّل کے ابتدائی حصّہ یعنے سولھویں

بربر میں مسلمانوں کی بزم آخر

صدی کی حکومت گو کیسی ہی تھی۔لیکن بربر میں مسلمانوں کی بزم آخر تھی۔یہ درست ہی کہ قلم ٹوٹ گیا تھا۔سوشل چہرہ بھی بدنما ہوگیا تھا۔مگر تلوار میں ابھی تک وہی آب و تاب تھی

ابھی رزمیانہ انداز نہ بگڑا تھا۔ سترھویں صدی کے ساتھ یہ صفتیں بھی رخصت ہونے لگیں قومی چہرہ کے دونوں رُخ مسخ ہو گئے نکبت و ادبار کی گھٹا چھا گئی۔ اور ملک بر بر دو سو برس کامل اسی ظلمت میں ملتبس رہا۔ لپنٹو کی جنگ کے ساتھ ناموارانہ شجاعت اور رزمیانہ نیکنامیوں کا دور بھی ختم ہو گیا۔ الوالعزم خیرالدین اور طرغد کے ثانی پیدا ہونا بند ہو گئے۔ اور اُنکی بجائے اب طامع بے اصول۔ خونریز۔ غارتگر اسٹیج پر نمودار ہوئے۔

ان سربر کے صفات کا خاتمہ

اصل یہ ہے کہ اس عالم حادث میں کوئی شے ایک حالت پر نہیں رہتی۔ یہ ایک ایسی بدیہی صداقت ہے جس سے کسی کو انکار نہیں۔ روزمرہ کے مشاہدات گو معمولی ہونے کی وجہ سے نظر انداز ہو جائیں۔ لیکن جب ذرا متجسس اور غائر نظر سے دیکھینگے تو قدم قدم پر بیّن ثبوت ملیگا۔ ہم کہتے ہیں کہ کوئی شے ایک حالت پر نہیں رہتی یعنے نفس شے میں تو کچھ فرق نہیں آتا۔ البتہ اُس شے کی حالت بدلجاتی ہے۔ اسکا سبب یہ ہے کہ ایک وقت میں ایک حالت کی جو علّت یا علل ہیں۔ دوسرے وقت انمیں کمی بیشی یا ردّ و بدل واقع ہو جاتا ہے۔ اور اسلئے معلول یعنی حال بھی متغیر ہو جاتا ہے۔ یہ کہ علّت یا علل کیوں بدلتی رہتی ہیں وہ پُر پیچ مسئلہ ہے جسکو انسان ابتدائے آفرینش سے آجتک حل نہیں کرسکا۔ یہ بھی فطرت کا ایک راز سربستہ ہے جب یہ کہا جائے کہ انسان ایک حالت پر نہیں رہتا تو اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ انسان جو مختلف قابلیتوں اور استعدادوں کا بنڈل اور مختلف افعال کا مصدر ہے۔ اسکے افعال میں تغیّر واقع

ہو جاتا ہے۔ افعال کیا ہیں ؟ صرف خیالات اور جذبات کے اظہار کا نام ہے جب
جذبات اور خیالات بدلجاتے ہیں تو انسان کا فعل اور حالت بھی بدلجاتی ہے
اکثر دیکھا جاتا ہے کہ بعض خاص خیالات اور جذبات کے زور سے انسان سے ایک
خاص فعل سرزد ہوتا ہے۔ اور پھر رفتہ رفتہ اپنی علل (یعنی جذبات) میں تغیر واقع ہونے
کی وجہ سے بدلتا رہتا ہے۔ یہانتک کہ کچھ عرصہ بعد اُس فعل کی اصلیت کا پتہ ملنا دشوار
ہو جاتا ہے۔ اور کبھی کبھی مطلق نہیں معلوم ہوتا کہ ابتداءً فعل کیوں ہوئی تھی۔ انسان کا
لباس۔ غذا۔ رسم و رواج۔ اور اسطرح کی اَور ہزاروں چیزیں مرکزِ اصلیت سے بہت دور
معلوم ہوتی ہیں حتیٰ کہ مذہب بھی اس قانون تغیر کے اثر سے نہ بچ سکا کبھی ایک
فعل کی علت اولیٰ خود غرضی یا قومی ہمدردی یا کوئی اعلیٰ خیال ہوتا ہے۔ مگر امتداد زمانہ
اور سلسلۂ تناسل کے ساتھ اُسمیں کھلی نفسانیت کا اثر آجاتا ہے۔ اور اسکے ساتھ ہی
اُس فعل میں بھی نمایاں فرق معلوم ہونے لگتا ہے۔ عروج اور خیر الدین باربروسہ کے
جانشینوں کی بھی یہی حالت ہو گئی تھی۔ اب اُنمیں باربروسہ کی سی ناموارانہ شجاعت نہ رہی تھی

بربری ترقی و تنزل کی اجمالی کیفیت

ناظرین کو یاد ہو گا کہ کپتان عروج کو عنفوان شباب کی اُمنگیں جزیرۂ لزبس سے
نکال لائی تھیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اُسوقت بحری غارتگری یورپ
بھر میں عام طور پر ایک جائز پیشہ سمجھی جاتی تھی۔ اسلئے اتباعاً عروج نے بھی ان مشاغل کو
پسند کیا۔ بہرحال اس خطرناک زندگی کی علت اولی۔ ذاتی قوت اور خارجی تحریص تھی۔
لیکن کچھ دنوں بعد جلاوطن اُندلسیوں سے ہمدردی کرنے کا خیال اسمیں اَور شامل ہو گیا

جسکا یہ نتیجہ ہوا کہ وہ مجمع الجزائر یونان سے بحر روم میں چلا آیا۔ پھر اسمیں جاہ و جلال
حاصل کرنے کی آرزو شامل ہوئی جسکا یہ نتیجہ ہوا کہ عروج نے الجزائر میں ایک مستقل
حکومت قایم کی۔ خیرالدین کی تخت نشینی پر بابعالی کی مساعدت نے اُس علت آوے
میں ایک اَور نئی تبدیلی پیدا کردی۔ خیرالدین نے گو اندلسیوں سے پوری ہمدردی کی
مگر اخیر میں جاہ و حشمت اور تاج و تخت کا خیال غالب ہوگیا۔ اور اُسکا یہ نتیجہ ہوا کہ آپنے
الجزائر کے ایوانِ حکومت کو محفوظ و مستحکم کرنے کی طرف خصوصیت سے توجہ کی
اور اُسکے ساتھ اہل اسپین اور مجاہدین روڈس پر انتقاماً اور عداوتاً حملے کیے اور یورپ کی
بعض قوموں پر رسماً اور رواجاً ترکتازیاں کیں۔ خیرالدین کے انتقال پر سلطنت کا استحکام
تو مکمل ہوگیا تھا مگر ملک گیری کی ہوس بدستور سابق رہی۔ اسکے جانشین اگرچہ وہ
اخلاص اور نیک نیتی نرکھتے تھے لیکن کچھ شک نہیں کہ سچے اور نامور شجاع تھے اور
اعلےٰ درجہ کا رزمیانہ مذاق رکھتے تھے۔ انکا دَور اوّل تو سولھویں صدی کے بعد تک
رہا مگر جیسا کہ ہم بتلا چکے ہیں شجاعانہ صفات میں لپنٹو کے معرکہ سے تنزل شروع ہوگیا
اس سے ٹرکی اور بربر کی متحدہ بحری قوت کو اسقدر سخت صدمہ پہنچا کہ پھر آخر تک
تلافی مافات جیسی کہ چاہیئے تھی ممکن نہوئی۔ یہ درست ہے کہ جنگی جہاز اور جنگجو سپاہی
پھر میسر ہوگئے۔ اہل وینیس پر اس متحدہ بیڑے نے پھر حملے کیے اور پھر حسب دلخواہ
شرائط صلح پر مجبور کیا۔ علی التسلوجی کے بعد اَور نامور کپتان بھی ہوئے مثلاً واماد علی
پاشا جسنے موریا کو بزور شمشیر فتح کیا۔ اور اپنا زور سدہیڑ الیکر یونان کے ساحل کو بھی

متحدہ بیڑے کی قوت کا زوال۔

گھیر گھیر لیا۔ مگر باایں ہمہ وہ عظمت واقتدار اور وہ سطوت وجبروت جو لپنٹو کے معرکہ سے پہلے متحدہ بیڑے کو حاصل تھا پھر کبھی میسر نہ ہوا اس لئے کہ عظمت کا طلسم ٹوٹ چکا تھا۔ دول یورپ نے متحدہ بیڑے کو مغلوب نہ ہونے والی طاقت سمجھنا چھوڑ دیا تھا اور گو علانیہ مقابلہ پر آنے کی جرأت انہیں کہیں سترھویں صدی کے اخیر پر جا کے پیدا ہوئی۔ مگر یورپ کی حکمران اور تجار قومیں گھروں میں بیٹھکر ترکی بربری عظمت کو تسلیم نہ کرتی تھیں۔ اور سمجھتی تھیں کہ جو آج مغلوب ہو چکے ہیں وہ کل پھر مغلوب ہو سکتے ہیں

ترکی بحری قوت کے اسباب زوال

تنزل کا ایک سبب یہ بھی ہوا کہ اب ٹرکی کی شمالی حد پر روسی کھٹکا لگ گیا تھا روسیوں نے سالہا سال کی خونریز لڑائیوں کے بعد وحشی ترکمانوں کے بند غلامی سے آزاد ہوکر اور اپنی قومیت الگ قایم کر کے بحیرۂ اسود کی طرف بڑھنا شروع کر دیا تھا۔ شاہ اون اور ملکہ کتھرائن کی ڈپلومیٹک چالبازی اور فوجی پیشقدمی کی روک تھام سے باب عالی کو اب اسقدر فرصت نہ تھی کہ بحر روم اور اسکے آس پاس کے قطعوں میں ترکی عظمت واقتدار کو قایم رکھنا ضروری سمجھتا۔ اور اس شمالی دیوتا کے پولٹیکل منتروں کو نظر انداز کر دیتا۔ اہل بربر کے حق میں یہ بات بہت مضر ہوئی۔ کیونکہ انکو ابتک سلطان روم کی قوت بازو علانیہ کجی کی طرف مائل ہونے سے روکتی رہی تھی لیکن ابتداء سترھویں صدی سے جیسے جیسے ترکوں کا ظل حمایت اٹھتا گیا۔ ویسے ویسے یہ نومسلم یورپین کھلے لٹیرے بنتے گئے۔

ہم ابتک ناظرین کو زیادہ اقصائے مغرب کی حدود سے باہر بحر روم یا یورپ کے

جنوبی قطعۂ آب میں سیر کراتے پھرے ہیں۔ خاص پایۂ تخت اور ملک کے حالات کو ۱۲۴۵ھ کے بعد سے تقریبًا نظر انداز رکھا ہے اور نہ فرمانرواؤں کا سلسلہ وار کچھ ذکر کیا ہے۔ اسکے دو سبب ہیں۔ اول یہ کہ ملک کا تمامتر زور ترکی قوت میں مدغم ہوکر خارجی مہمات میں مصروف رہتا تھا۔ اور ملک و قلب سلطنت میں مقامی گورنروں کے لئے نہایت معمولی مشاغل رہجاتے تھے۔ مثلاً نظم و نسق کرنا۔ ہمسر و ہمسایہ ریاستوں سے چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑنا۔ یورپ کے ساحلوں پر انتقامًا یا جوابًا ترکتاز کشتیاں بھیجنا۔ یا بحیرۂ روم میں دَورے کرکے مخالف جہازوں کو گرفتار کرنا۔ وغیرہ۔ اور چونکہ انہیں سے ہر قسم کے واقعات تمثیلاً ہدیۂ ناظرین ہوچکے ہیں۔ اسلئے قلم انداز کیے گئے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ انیسویں صدی کے فن تاریخ نویسی میں وہ واقعات لینا جائز نہیں جو فرمانروائے وقت کی ذات اور اسکے محلسرا تک محدود تھے۔ بلکہ جن واقعات کا اثر ایوانِ حکومت سے نکلکر قوم و ملک اور ہمسایوں پر پڑتا تھا صرف وہی تاریخ کی حد میں داخل ہوسکتے ہیں۔ یہ کہ فرمانروا نے شخصی حیثیت سے کیا کیا اور کیا کہا۔ غیر متعلقہ واقعات ہیں۔

الجزائر کے نامی گورنر

الجزائر کے گورنر۔ پاشا۔ یا بگلربیگ کہلاتے تھے۔ جیساکہ نویں باب کے خاتمہ پر اشارتاً بیان کیا گیا ہے۔ علی العلوجی یہاں کا سترھواں پاشا تھا۔ اسکے متقدمین میں سے عروج کے بعد چند ہی گورنر ممتاز گذرے ہیں۔ مثلاً حسن بن خیرالدین جو مالٹا کے محاصرہ میں شریک تھا۔ صالح بن صالح رئیس جسنے فیض اور بوجیہ کو فتح کیا۔ اکثر کی خدمات قسطنطنیہ میں منتقل ہوگئیں جنمیں سے بعض کے نام فہرست مندرجہ باب ۱۰ میں

مرج ہیں۔ انھوں نے ترکی امیر البحر ہونے کی حیثیت سے یورپ میں فتوحات کیں۔ باقی ملک کی چھوٹی چھوٹی مہمات میں مصروف رہے۔ سنہ ۱۵۷۲ء میں جب علی العلوجی گورنر الجزائر سے ترکی امیر البحر ہو کر گیا تو اسکے بعد ۱۴ برس میں ۹ گورنر ایک دوسرے کے بعد مقرر ہوئے۔ انمیں بکثرت نومسلم یورپین تھے مثلاً رمضان سنہ ۱۵۷۴ء سے سنہ ۱۵۷۷ء تک حسن سنہ ۱۵۸۰ء تک جعفر سنہ ۱۵۸۲ء تک حسن بار ثانی سنہ ۱۵۸۳ء تک میمی رئیس سنہ ۱۵۸۶ء تک۔ یہ سب باستثنا حسن پاشا۔ دانشمند رحمدل۔ اور منصف مزاج تھے۔

گورنری اور سپہ سالاری جدا ہو گئیں۔

سنہ ۱۵۸۷ء سے گورنمنٹ میں ایک نئی تبدیلی واقع ہوئی یعنی ابتک رزم و بزم ایک ہی شخص کی ذات میں جمع تھیں جسکو اہل الجزائر خود منتخب کرکے بابعالی میں اطلاع بھیجدیتے تھے اور وہاں سے سند و علامات گورنری عطا ہو جاتی تھیں۔ مگر اب سے فوجی سردار تو بدستور سابق منتخب ہونے لگے۔ اور عامل قسطنطنیہ سے منتخب ہو کر آنے لگے آخیر پر یہ نوبت پہنچی کہ جسطرح اُس زمانہ میں انگلستان میں ڈیوک اور ارل کے خطابات بکا کرتے تھے اسیطرح الجزائر کی گورنری بکنے لگی۔ جو بڑھکر قیمت دیتا گورنر بنجاتا۔ اِس طریقۂ انتخاب میں نہ تو قابل ہونے کی شرط تھی اور نہ ملکی ہونے کی۔ ترک بھی منتخب ہو سکتا تھا۔ اور بربری یا نومسلم یورپین بھی۔ گورنری کے اہم منصب پر اسکا اچھا اثر نہیں پڑا۔ علاوہ ازیں عامل اور سپہ سالار میں اکثر ان بن رہتی تھی۔ اور اہل ملک کو بیجا تشدد سہنا پڑتے تھے۔

سنہ ۱۶۵۹ء سے جب الجزائر کی گورنمنٹ کے ۲ حصے ہو گئے۔ تو تاریخ بھی دو

حصّوں پر تقسیم ہو گئی۔ خارجی اور ملکی۔ پہلے میں امیر البحر۔ سپہ سالار۔ اور عام جہازرانوں اور کپتانوں کے کارنامے ہیں۔ اور دوسرے میں عاملوں اور مدبّروں کے عہد کے مشہور واقعات مذکور ہیں۔ سپہ سالاروں میں دو شخص نہایت الوالعزم اور دلیر گذرے ہیں یعنی امیر البحر مراد اعظم اور جرنیل علی۔

مراد اعظم اور اُسکے کارنامے

مراد رئیس الجزائر کے آخری زمانہ کے غارتگر کپتانوں میں سب سے زیادہ خوفناک تھا اسکی بڑی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ متقدمین کی طرح اسکی رگوں میں یورپین خون موجزن تھا یہ البانیا کے ایک معزز عیسائی خاندان سے تھا۔ بچپن میں اسیران جنگ کے ساتھ الجزائر کے نخاس میں بکنے آیا۔ اور یہاں مصطفٰے پاشا نے اُسکو خرید لیا۔ ابھی بارہ برس کا تھا کہ نامور آقا کو اپنی دلیری اور جرأت کا ثبوت دینے لگا چنانچہ مالٹا کے محاصرہ میں یہ مصطفٰے کے بہت کام آیا۔ دوران جنگ میں یہ جاسوس بنکر سمندر میں اودھر اُدھر تاک میں پھر رہا تھا کہ اسکی چھوٹی سی کشتی کسی چٹان سے ٹکرا کر ٹوٹ گئی مراد کو اسبات سے غیرت آئی کہ واپس جاکر آقا سے اپنی نالائقی اور ناتجربہ کاری کا اعتراف کرے۔ اسلئے یہاں سے افتاں وخیزاں بالا بالا الجزائر آیا اور پندرہ بلّیوں کا ایک ہلکا سا برگنٹین لیکر شکار کی تلاش میں چلا۔ بربر کے نوآموز قزاق اکثر اسپین کے ساحل کو تختۂ مشق بنایا کرتے تھے۔ کچھ تو اسلئے کہ یہ الجزائر کے ساحل سے قریب تر تھا۔ اور کچھ اسلئے کہ مالٹا والوں کی طرح اہل اسپین بھی ہمیشہ بربریوں کے درپے رہتے تھے۔ الغرض مراد نے

لے۵ دیکھو لین پول صفحہ ۱۹۲۔

اس چھوٹی سی کشتی سے تین کیتھلک جہاز اور قریبًا ڈیڑھ سو آدمی گرفتار کیے۔ اسیطرح جب علی العلوجی نے مجاہدوں کے امیر البحر سینٹ کلیمنٹ پر حملہ کر کے اُسکے جہاز گرفتار کیے تھے تو مراد اس معرکہ میں اسکا شریک تھا۔[1]

ڈیوک شیرانو وا کی شکست

ایک مرتبہ ۱۵۷۸ء میں مراد رئیس آٹھ شکاری کشتیوں سمیت صوبہ کلیبریا کے قریب منڈلاتا پھرتا تھا کہ دور سے سسلی کا پھریرا اُفق پر نمودار ہوا۔ قریب آنے پر معلوم ہوا کہ علم بردار معہ ایک اَور جہاز کے آتا ہے۔ اسمیں ڈیوک (نواب) شیرانو وا اپنے خواص سمیت غالبًا بارگاہ روم کو بغرض اظہار عبودیت جارہا تھا۔ بربری گیلی کو دیکھتے ہی سسلی کے علم بردار نے سراسیمہ ہوکر پشت دی۔ مگر مراد نے حیرت انگیز عجلت سے بڑھکر عقب جہاز کو گھیر لیا۔ ادھر ڈیوک بھی اسکو غنیمت سمجھا اور ہراول میں جان بچا کر بھاگا۔

مراد رئیس بحر ظلمات میں

ابتک بربر کے کسی کپتان نے سمندر کے اندرونی حصوں میں سفر نہ کیا تھا۔ بلکہ عام طور پر خشکی کے آس پاس لگے رہا کرتے تھے۔ لیکن مراد رئیس ایک مرتبہ بحر ظلمات میں اسقدر دور نکلگیا کہ زمین نظر سے غائب ہوگئی۔ راستہ میں اسنے جزیرۂ لنزاروٹ پر

جزائر کینری پر تاخت

جو افریقہ کے مغرب میں جزائر کینری میں سے ہے حملہ کیا اور شہر اور گورنر کے محلسرا کو لوٹ لیا۔ اسیطرح ۱۵۸۹ء میں ایک مرتبہ مالٹا کے قریب دورہ کرتے ہوئے اُسنے کسی یورپین قوم کے دو تین تجارتی جہاز گرفتار کیے اور اُنکو لیکر الجزائر کو پلٹا۔ اُدھر سے مالٹا کے غارتگر دو ترکی جہاز پکڑکر مالٹا کو لیے آتے تھے۔ راستہ میں دونوں فریقوں کے

---

[1] ایک یورپین مورخ لکھتا ہے کہ علی العلوجی کو یہ نمایاں کامیابی مراد ہی کی چابکدستی اور جرأت سے حاصل ہوئی تھی۔ لین پول صفحہ ۱۹۳

مقابلہ ہوا۔ ہرچند کہ مجاہدین کا صلیبی جھنڈا اس زمانہ کے جہازرانوں کے لئے تصویر قہر تھی۔ بربری قزاق بھی بعض وقت انکو طرح دیجاتے تھے۔ لیکن مراد رئیس اس دل گردہ کا آدمی نہیں تھا کہ ڈر کر بھاگ جاتا۔ اسنے مقابلہ کو بخت و اتفاق پر موقوف نہیں رکھا بلکہ خود پیشدستی کی۔ اور ذرا کا واکاٹ کرسیرینا نامی جہاز کو ایک ہلکی سی کشتی سے اچانک جا لیا کہ کپتان اور سپاہی سنبھلنے بھی نہ پائے۔ صرف آدھ گھنٹہ کی کشمکش میں سیرینا کے مستول پر ہلالی پرچم لہرانے لگا۔ ان تینوں چاروں جہازوں کو سنبھالکر فتحمند کپتان دو تین ہی فرسنگ بڑھنے پایا تھا کہ جزیرہ مجورکا کے ایک بیڑے سے دوچار ہوئی۔ یہ بھی بحیرۂ روم سے ایک تجارتی جہاز گرفتار کرکے مجورکا کو لئے جارہا تھا۔ مراد نے اسکو بھی سلے ڈالا اور لوٹ کے جہازوں کا یہ مختصر بیڑا جلو میں لئے بندرگاہ الجزائر میں داخل ہوا۔ اُس روز شہر میں بڑی خوشی منائی گئی۔ اور مراد رئیس کو "اعظم" کا خطاب دیکر الجزائر کا امیر البحر منتخب کر لیا گیا۔

مراد کی کامیاب واپسی اور اعظم کا خطاب

امیر البحر بنکر مراد اعظم نے جہازرانی اور غارتگری دونوں فنوں میں بڑا کمال پیدا کیا سنہ ۱۵۹۴ء میں اسنے چار ہلکے کشتی نما جہاز لیکر سمندر کا دورہ کیا۔ راستہ میں فلورینس کے چند غارتگر دو جہاز لئے آتے تھے۔ مراد اعظم نے اس شکار کو دور سے تاکا اور فی الفور یہ چال چلی کہ اپنے دو جہازوں کے مستول گرا کر انکو علیحدہ کر دیا۔ فلورینس والے جو شکار کی تلاش میں گھر سے نکلے تھے۔ سمجھے کہ یہ تجارتی جہاز ہیں اور خوشی خوشی انکی طرف بڑھے۔ زیادہ قریب نہ پہنچنے پائے تھے کہ مراد اعظم نے اپنے باقی دو جہازوں

سمیت یک بیک برابر سے نکلکر ایک ہی ہلہ میں دونوں کو لے ڈالا۔ اِن جہازوں پر غلام خلاصی۔ ترک تھے۔ پس مراد نے انکو توڑ ہا کیا اور جہازوں کے کپتانوں ورافسروں کو پابزنجیر کرکے اُنکی جگہہ خلاصی بنایا۔

جرنیل علی کی ترکتازیاں

مراد اعظم کے بعد سترھویں صدی کے وسط میں علی رئیس نامی ایک اور مشہور کپتان گذرا ہے جو جہازرانی اور جنگ آزمائی میں باربروسہ کا ہم پلہ تھا۔ یہ ایک نومسلم کپتان کا بیٹا تھا جو یورپ کے ایک عیسائی خاندان سے تھا۔ اور بچپن میں گیر ودار کے ذیل میں آکر غلام بنا لیا گیا تھا۔ اور بربر کے نومسلم غارتگروں کے اصول ترقی کے موافق رفتہ رفتہ ایک نامور کپتان بنگیا تھا۔ ۱۶۳۸ء میں علی رئیس نے سولہ جہازوں کا ایک بیڑا لیکر اٹلی کے مشرقی ساحل پر حملہ کیا اور صوبۂ اپولیا کے اُس حصہ کو جو نکوٹرا کہلاتا ہے سخت بیرحمی سے لوٹ لیا۔ یہاں سے پلٹ کر بحر اڈریاٹک میں وارد ہوا اور خلیج کیٹرو کے قریب اسپین کا ایک تجارتی جہاز پکڑا۔ اور تمام قطعۂ آب میں گھوم کر وینس کے کئی تجارتی جہاز گرفتار کیے۔ جب اِن عالمگیر ترکتازیوں کی خبر وینس میں پہنچی تو سنیٹ نے ایک زبردست بیڑا بسرکردگی امیرالبحر کیپیلو علی رئیس کی سرکوبی کو بھیجا۔

یہ ظاہر ہے کہ علی رئیس بابعالی کے اشارہ سے ترکتازیاں نکرتا تھا۔ بلکہ اُس زمانہ کی رسم ہی یہ تھی۔ ہر قوم اور ہر سلطنت کے لُٹیرے تمام سمندروں میں لوٹ مار کرتے پھرتے تھے اور جب تعاقب سے مجبور ہوتے تھے تو اپنی گورنمنٹ کے دامن میں آ چھپتے تھے۔ یہ اسی

سلہ دیکھو تاریخ مارگن صفحہ ۵۵ تا صفحہ ۵۵۹-۵۸۰ و ۵۹۷ و ۶۰۷-

حمایت عہد شکنی یا معاندت کی علامت نہ سمجھی جاتی تھی اور نہ اشتہار جنگ کا مرادف خیال کیجاتی تھی۔ لیکن بایں ہمہ جب علی رئیس نے عروسی جرنیل سے بچکر صوبۂ البانیا کے ویلونا نامی ترکی قلعہ میں پناہ لی۔ تو جرنیل نے باوجودیکہ بابعالی اور عروس البحر میں دوستی تھی قلعۂ مذکور پر حملہ کر کے سخت کشت و خون کیا اور بربری کشتیوں کے ساتھ اُن چند ترکی جہازوں کو بھی تباہ کر ڈالا جو قلعہ کی محافظت کرتے تھے۔ اسپر ایک زورمند ترکی بیڑے نے سنیٹ کی سخت گوشمالی کی جسکا یہ نتیجہ ہوا کہ سنیٹ کو پانچ لاکھ ڈوکیٹ بطور تاوانِ جنگ ادا کرنا پڑے اور جرنیل کو سخت سرزنش کی۔

جرنیل علی کے بیڑے کی تباہی

ونیس کی گوشمالی

اگرچہ اس معرکہ میں جرنیل علی کے بیڑے کا بیشتر حصہ غارت ہو گیا تھا مگر اسنے ایک جدید بیڑا تیار کر لیا جسمیں نئے پُرانے کل ملا کر ۶۵ جہاز اور چھ سو غلام خلاصی تھے اس بیڑے کی بدولت اُسنے تمام بحر و بر میں بڑی شہرت پیدا کی۔ خاصکر جنوبی یورپ میں اپنے نام کا سکہ جما دیا۔ جنرل علی گو ایک یورپین نو مسلم کا بیٹا تھا مگر اس بات سے سخت جلتا تھا کہ یورپین بربر میں آکر اور نو مسلم بنکر نام اور وضع بدل ڈالے چنانچہ ایک مرتبہ کسی فرانسیسی نے مذہب بدلکر حسب معمول نام اور وضع بھی بدل ڈالی جنرل علی نے اُسکو یہاں تک تنگ کیا کہ آخر کار بیچارے کو مصطفےٰ چھوڑ کر پھر جان بننا پڑا۔ اسنے اپنے جہازوں کے لئے ایک الگ اسٹیشن بنا کر اسی کے قریب غلام خلاصیوں کے لئے ایک بڑا اسکان سرائے کی قطع کا بنایا۔ یہ "جرنیل علی کی خان" مشہور تھا۔ اور الجزائر کے سب سے بہتر اور فرحت افزا موقع پر تھا۔ اسکے گرد سیدے ہرے ہرے

جرنیل علی کی اصلیت

جرنیل علی کی خان

درختوں کا ایک حلقہ تھا جنکی بارور ٹہنیاں جُھک جُھک کر بالاخانوں کی کھڑکیوں میں پہنچتی تھیں۔ ایک مرتبہ علی نے اُس سرائے میں ایک بڑی بھاری ضیافت دی اور الجزائر کے تمام جنگی اور ملکی افسروں۔ شہر کے رئیسوں اور گورنر تک کو بُلایا۔ کھانے شہر میں جرنیل کے مطبخ میں پکتے تھے جو سرائے سے دو میل کے فاصلہ پر تھا۔ اور غلاموں کے دست بدست سرائے تک پہنچتے تھے۔ کہتے ہیں کہ اس بُعد کے باوجود مہمانوں کو اسقدر گرم کھانا پہنچتا تھا کہ قابوں میں سے بھاپ اُٹھتی تھی۔ یہ بیان کیا گیا ہے کہ مسیحی غلاموں کو چوری کا کسقدر چسکا تھا چنانچہ راستہ میں اتنا کھانا چُرا کر کھا گئے کہ اگر میوہ جات کی مدد نہ ملتی تو مہمان ہی بھوکے رہجاتے۔

جرنیل علی کا مسیحی غلاموں سے برتاؤ

جرنیل علی کہا کرتا تھا کہ میرے غلاموں کی اُنگلیوں میں لُکیں لگی ہیں جو چیز انمیں ایک مرتبہ آجاتی ہے وہ سلامت نہیں رہتی۔ یہ اپنے غلاموں کو اَوروں کی طرح مقررہ روزینہ نہ دیتا تھا بلکہ بجائے اسکے دن بھر میں دو گھنٹہ کی چھٹی دیکر کہدیتا تھا کہ اگر اس عرصہ میں تمنے اگلے دن تک کے کھانے سے فراغت نہ پالی تو تمسے بڑھکر شاید دنیا میں کوئی بیوقوف نہو گا۔ ایک مرتبہ ایک غلام کو علی کا چھلّا پڑا ملگیا۔ اس بیچارے نے دیانتداری میں آکر بجنسہ دیدیا۔ جرنیل نے اسے انعام میں آدھا ڈوکیٹ دیکر کہا کہ تم بڑے احمق ہو کہ جس چیز سے تمھارا فدیہ ادا ہو سکتا تھا وہ تمنے یوں ہی ہاتھ سے کھودی۔ ایک اَور غلام نے خاص جرنیل کے جہاز کے لنگر کی

لہ لین پول صفحہ ۱۹۵-۱۹۶-

زنجیر چرالی اور کسی لوہار سے اُسکا سودا ٹھیرایا۔ مگر خبر ہوگئی اور غلام مال مسروقہ سمیت پکڑا گیا۔ جرنیل نے اُسکو بہت شاباشی دی اور کہا کہ تم پورے غلام ہو اسواسطے کماکھانا جانتے ہو۔ ان حرکتوں سے علی کے غلام انتہا درجہ کے چور ٹے اُچکے بنگئے تھے۔ یہاں تک کہ اُسکا کمرہ عدالت نیلام گاہ بنگیا تھا۔ جہاں ہر روز لوگ اپنی گم شدہ چیزیں خود آکر بذریعۂ نیلام خریدتے تھے اور جرنیل اُنسے کہا کرتا تھا کہ جب تم چیز کی حفاظت کرنا نہیں جانتے ہو تو لازم ہے کہ کچھ جرمانہ دو۔ علی کو دوسروں کے بھید معلوم کرنے میں بلا کا ملکہ تھا۔ نئے قیدیوں سے انتہا درجہ کی تہذیب اور خُلق سے پیش آتا تھا۔ معمولی مسافروں کو نواب صاحب! نواب صاحب! اور الجناب عالی کہکر۔ اور کم درجہ کے پادریوں کو "حضور اقدس" اور "جناب مقدس" کہکر اسطرح مخاطب کرتا کہ یہ بیچارے اپنا کچا چٹھا سُنا دیتے اور اپنے مرتبہ و حیثیت سے آگاہ کرکے اپنا فدیہ آپ ہی مقرر کرلیتے اور عزیزوں کو خط بھیجکر اطلاع دیدیتے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی تھا کہ علی جو اقرار کرلیتا اُس سے کبھی منحرف نہوتا تھا اُسکا قول تھا کہ "میرا قول میرا فعل ہے"۔ علی کے مذہبی خیالات بھی آزادانہ تھے۔ ایک مرتبہ پادری اینجلو نامی ایک قیدی سے اس نے مزاحًا کہا کہ "میرا کیا انجام ہوگا؟" پادری جلا ہوا تو تھا ہی۔ بولا کہ "تجھے مرکر شیطان کا حوالہ ہوگا"۔ علی مُسکرا کر چپ ہوگیا۔ ایک اور نو مُسلم نے جو اتفاقًا فقہ پڑھکر شیخ ہوگیا تھا۔ علی سے ایک غلام مانگا تاکہ اُسکی قربانی دے۔ علی نے ایک مضبوط اور قوی ہیکل غلام کو ہر طرح مسلح شیخ کے پاس بھیجدیا اور کہلا بھیجا

جرنیل علی کے خصائل و صفات

کہ اگر تم سے ہو سکے تو اسکو بھینٹ میں دید و۔ شیخ نے شکایت کی تو جواب دیا کہ قربانی کا ثواب تو تمہیں یوں ہی مل سکتا ہے۔ ولیم ثالث شاہ انگلستان علی کو سلطانوں کی طرح مخاطب کرتا تھا اور خطوں میں اپنے آپ کو آپ کا (لونگ فرینڈ) محبت والا دوست لکھتا تھا۔

حکومت ٹیونس

ٹیونس کی قوت بھی اگرچہ الجزائر کے ہم پلّہ نہ تھی مگر فی الجملہ کافی تھی اسکی حکومت بحر روم کے درو بست مشرقی حصّہ پر تھی۔ یہاں کے قزاق عام طور پر مالٹا کے رستہ میں اور اُس طرف بحر اڈریاٹک میں شکار کھیلتے تھے۔ ٹیونس میں ۱۵۹۰ء سے ۱۷۰۵ء تک تیس گورنر قسطنطنیہ سے مقرر ہو کر آئے جنہیں سے ہر ایک نے بحساب اوسط چار برس حکومت کی۔ اکثر تخت سے برطرف ہوئے بعض قتل ہوئے۔ بعض کو زہر دیا گیا۔ ۱۷۰۵ء میں جنگی قوت بالکل برگشتہ ہوگئی اور الجزائر کی طرح اپنا جرنیل آپ مقرر کرنے لگی جسکو بالآخر باب عالی نے منظور کیا۔ اِسوقت سے اٹھارھویں صدی کے ختم تک گیارہ گورنروں نے ایک دوسرے کے بعد حکومت کی۔ اسکے بعد فرانسیسی دخل شروع ہوگیا۔ اِس زمانہ کی خارجی اور ملکی تاریخ میں وہی غارتگری اور بدنظمی کے اتفاق پائے جاتے ہیں جو الجزائر کی حالت میں بیان ہو چکے۔ چھوٹی چھوٹی ترکتازیاں کرنا یا ہمسایہ ریاستوں سے حد بندی کی بنا پر جھگڑ بیٹھنا۔ تجار ریاستوں سے محصول آمد و رفت وصول کرنا۔ وغیرہ واقعات سے زیادہ اَور کوئی خاص بات نہیں پائی جاتی تمام گورنروں کے حالات بیان کرنا کچھ طول امل معلوم ہوتا ہے۔ اٹھارھویں

گورنروں کا عزل و نصب

صدی کے شروع میں جو گورنر تھے۔ انمیں سے بعض کے حالات مناسب ہونگے
مثلاً حسن چاوش جو سنہ ۱۷۰۰ء میں برطرف ہوا اور سپاہیوں کا آغا۔ مصطفیٰ مقرر ہوا۔
اسکے زمانہ میں اہل ٹیونس نے سرحدی علاقہ کے باشندوں پر بیجا تشدد کیے۔ اسلئے
مصطفیٰ نے ٹیونس پر فوجکشی کر کے اُسکو فتح کیا اور مراکو پر بھی جا چڑھائی کی۔ سنہ ۱۷۰۵ء میں
عزّین خواجہ تخت نشین ہوا اسنے ایک سال کی حکومت میں اوران فتح کیا۔ سنہ ۱۷۰۸ء میں
بختاش خواجہ مقرر ہوا اور جلوس کے تیسرے سال دربار میں قتل ہوا۔ پھر ایک نومسلم
یورپین ابراہیم دہلی مقرر ہوا مگر اسکے اطوار نہایت ناپسندیدہ تھے۔ تنگ چشم۔ ذلیل
دنی الطبع۔ رعایا میں بہت جلد بدنام ہو گیا اور بیوقوف کہلانے لگا۔ صرف چند ماہ
حکومت کرنے پایا تھا کہ اہل شہر نے باغی ہو کر قتل کر ڈالا اور اُسکی لاش منظر عام پر
لٹکا دی۔ سنہ ۱۷۱۰ء میں علی نامی ایک شخص گورنر ہوا۔ یہ کسیقدر پولیٹکل آدمی تھا۔ اسوقت
تک ملک میں جسقدر سازشیں، مفسدے، یا طوائف الملوکی ہوتی تھی اُسکی علت اُولےٰ
کسی نہ کسی طرح اسکے سوا اَور کچھ نہ تھی کہ الجزائر کے ترکوں اور یورپین نومسلموں میں
نہ بنتی تھی۔ اور اگر اتفاقاً ایک فریق کا آدمی سپہ سالار ہوتا اور دوسرے کا عامل تو سخت
طوفان برپا رہتا تھا۔ علی نے اِس اعلیٰ منصب پر جمکر سب سے پہلا کام یہی کیا کہ اپنے مقابل
گروہ کو ضعیف کیا اور آٹھ برس کی حکومت میں قریباً تین ہزار ترکوں کو بغاوت کے
جرم میں ماخوذ کر کے قتل کر ڈالا۔

سپہ سالاری اور گورنری کا تقابل

اِن واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب سے الجزائر میں عامل اور سپہ سالار

الگ الگ منتخب ہونے لگے تھے تب سے حکمراں قوت کے گویا پرخچے اُڑ گئے تھے اور چونکہ سپہ سالار کا انتخاب اور تقرر جاں نثاری فوج میں سے اور جاں نثاریوں میں سے عمل میں آتا تھا اور اس فوج کی قوت اور اختیارات خاص قسطنطنیہ کی طرح الجزائر میں بھی نہایت وسیع تھے۔ اسلئے ملک میں سپہ سالار کا اثر روز بروز بڑھتا گیا۔

گورنری کی شکست

یہانتک کہ رفتہ رفتہ گورنری بھی اسی میں مدغم ہوگئی۔ ابتک پاشا لوٹ مار اور ڈاکہ زنی ضرور کرتے تھے مگر کپتانوں کے ذریعہ سے کرتے تھے جو رئیس کہلاتے تھے۔ اور اس قسم کے مشاغل کا علانیہ اعتراف نہ کرتے تھے لیکن جاں نثاریوں کے منتخب کیے ہوئے گورنر نہ اپنی اصلیت چھپاتے تھے اور نہ اپنی بے اصول زندگی کو چھپانے کی کوشش کرتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ محمد پاشا نے جو ۱۷۶۰ء میں الجزائر کا حاکم تھا ایک فرانسیسی قونصل کو کسی بات پر بگڑ کر جواب دیا کہ "میری ماں بھیڑوں کے پائے بیچا کرتی تھی اور باپ گائے کی جیب بیچا کرتا تھا۔ لیکن تمھارے جیسی لغو اور بیہودہ جیب بیچنے سے اُسکو بھی عار ہوتا"۔ اسیطرح ایک مرتبہ گورنر مذکور نے اسی قونصل سے اقرار کیا کہ "اہل الجزائر درحقیقت ٹھگوں اور لٹیروں کی ایک کمپنی ہے اور میں اُسکا سردار ہوں"۔

محمد پاشا

طرابلس

الجزائر اور ٹیونس کے علاوہ ٹریپولی یعنے طرابلس ایک اور چھوٹا سا بابنِ غارتگری تھا جسکی بحری قوت اگرچہ اتنی مضبوط نہ تھی مگر خطرناک اُتنی ہی تھی۔

مراکو

سلطنت مراکو ریاستہائے بربر میں شمار نہیں ہوسکتی۔ اسلئے ہم اُسکو اس

تین سو برس کے زمانہ کی تاریخ میں شامل نہیں کر سکتے۔ پھر بھی سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی غارتگروں سے خالی نہ تھی۔ الجزائر کے قزاقوں کے حملے تو آبنائے جبل الطارق کے اندر ہوتے تھے اور ان کے باہر۔ ایک زمانہ میں شہر تیطوان جو تجارت کی بڑی منڈی تھی قزاقوں کے لئے نہایت مشہور تھا۔ سنہ ۱۵۴۶ء میں فلپ ثانی شاہ اسپین نے حملہ کرکے اُسکو تباہ کر ڈالا۔ مراکو میں غارتگری کے تین بڑے مرکز تھے۔ سیوطہ۔ تنجیر یا طنجہ۔ اور سیلی۔ سیوطہ پر مختلف قوموں کا قبضہ رہا اول اسپین کا۔ پھر اہل جنیوا کا۔ پھر سنہ ۱۴۱۵ء میں پرتگال کا۔ آخر سنہ ۱۵۸۰ء میں اسپین نے پھر فتح کرلیا اور آجتک اُسی کے قبضہ میں چلا آتا ہے۔ تنجیر جو چارلس ثانی کی بی بی کتھرائن ملکہ پرتگال کو جہیز میں ملا تھا اور عرصہ دراز تک انگریزوں کے قبضہ میں رہا۔

مراکو کے اجمالی حالات

بندرگاہ سیلی اگرچہ شروع میں کوئی مشہور مقام نہ تھا۔ مگر اخیر زمانہ میں نہ صرف مشہور بلکہ ہر طرف بدنام ہو گیا تھا۔ اسکے چاروں طرف سنگلاخ بلندیاں اور ریت کے بڑے بڑے تودے حلقہ باندھے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ مغربی کنارہ پر ہلکے سے ہلکا جہاز بھی آسانی سے لنگر انداز نہ ہو سکتا تھا۔ علاوہ ازیں خاص خاص اوقات پر شمال مغربی سمت سے تیز آندھی چلتی تو سڑکیں بھی محفوظ نہ رہتی تھیں۔ اسکا یہ نتیجہ تھا کہ سیلی کے غارتگروں کے پاس کبھی کوئی جنگی بیڑا نہیں رہا بلکہ نہایت چھوٹی چھوٹی کشتیاں رہتی تھیں اور انہیں سے وہ سمندر میں لوٹ مار کرتے تھے چنانچہ سنہ ۱۶۳۴ء تک یہاں ایک بھی پورا جہاز نہ تھا۔ اور سو برس سے پہلے کے حالات پڑھنے سے
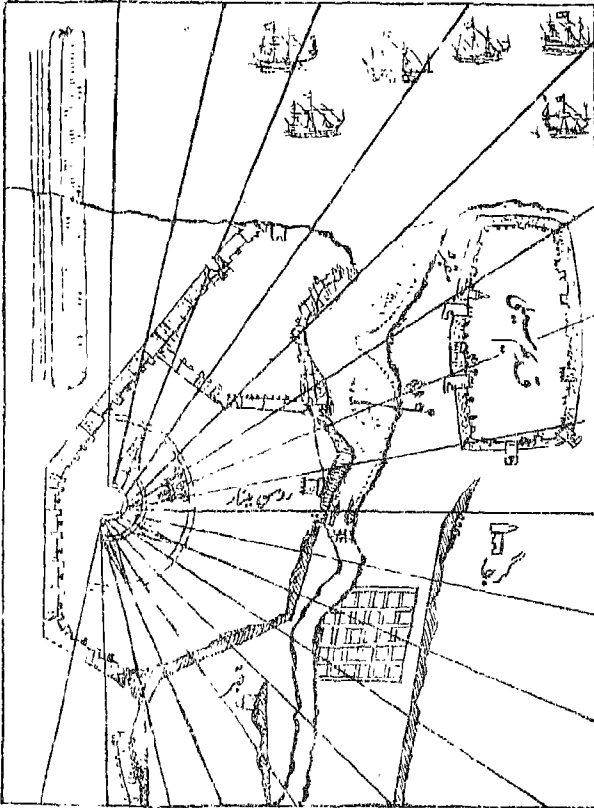
سیلی
شہر اور بندرگاہ
سنہ ۱۷۳۴ء

معلوم ہوتا ہے کہ اس سے بھی ابتر حالت تھی۔ البتہ الجزائر و ٹیونس وغیرہ ہمسایہ
ریاستوں کو دیکھکر اسنے بھی کروٹ لی اور صدی کے اخیر میں سخت بدنام ہو گئی۔
پھر بھی بڑے بڑے جنگی جہاز انکو کبھی نصیب نہیں ہوئے۔ چنانچہ ۱۶۳۷ء میں
جب انھوں نے ایک دفعہ ریاست پروویڈنس کے چند تجارتی جہاز لوٹ لئے تو
چیومیر ایکٹن نامی کپتان نے صرف ایک بڑے جہاز سے انپر حملہ کیا اور انکے تین
منجملہ پانچ جہاز غارت کر ڈالے۔ ۱۸۸۰ء میں مراکو اور اُسکے مضافات کی جنگی قوت
چھ یا آٹھ جہاز دو دو سو ٹن وزنی تھے۔ اور اسلحہ میں سولہ توپیں تھیں جنمیں صرف
چھ چھ پونڈ کا گولہ آتا تھا۔ انکے علاوہ چند گیلے جہاز بھی تھے۔

شروع میں سیلی کے لٹیروں نے باہم ملکر سلطان سے ایک معاہدہ کر لیا تھا
جسکی رو سے غنیمت اور غلاموں کا دسواں حصہ خزانہ میں داخل کر دیتے تھے اور
سلطان اسکے عوض میں انکی حتی الوسع حفاظت کرتا تھا۔ لیکن پھر گورنمنٹ کو ایسا
چسکا پڑا کہ رفتہ رفتہ تمام لوٹ کے مال پر قبضہ کرنے لگی اور غارتگری کا چراغ ٹمٹمانے
لگا۔ اخیر کو سلطان نے یورپ کی بڑی بڑی تاجر قوموں سے براہ راست معاہدے
کر لئے جنکی رو سے گرانبہا تحائف اور نذرانوں کے بدلے غارتگری مسدود ہو گئی[1]

[1] ۱۷۲۱ء میں جب انگلستان نے کموڈور اسٹیوارٹ کے ذریعہ سے ایک سفارت مراکو کو بھیجی تھی اور جسکی رو سے
۲۹۶ انگریزی غلام آزاد ہوئے تھے۔ اور تجارتی جہازوں کی تلاشی لینے اور پکڑنے کی رسم مسدود ہو گئی تھی۔ اس
سفارت کے حالات جان ونڈس نامی ایک شخص نے "میکنز کا سفر" کے نام سے ۱۷۲۵ء میں شائع کئے۔
یہ کتاب قابل دید ہے۔ اسیطرح کپتان جان برتھویٹ کی تاریخ سلطنت مراکو بڑی عمدہ کتاب ہے

ریاستہائے بربر کے اندرونی حالات نظرانداز کرکے دیکھیں تو یہ دو ڈیڑھ سو برس کا زمانہ یورپ کے لئے عذاب الیم کا دور تھا ہر چند کہ لیپنٹو کی جنگ کے بعد اہل بربر میں وہ شجاعت نہ رہی تھی مگر باربروسہ اور اسکے ابتدائی جانشینوں نے یورپ کے دل پر وہ سکہ جمایا تھا کہ مغربی دنیا کی کسی قوم۔ نہ تجارت پیشہ۔ اور نہ حکمراں کو یہ حوصلہ ہوا کہ باہم ملکر انکی بیخکنی کر ڈالتے۔ انھوں نے اپنی تجارت۔ اپنی حکومت۔ اپنی آزادی بلکہ عزت کو ان لٹیروں کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ حالانکہ اگر تمام بربری جہازات اکٹھا ہوکر آتے تو یورپ کے ایک پورے اور باقاعدہ جنگی بیڑے کا مقابلہ نہ کرسکتے۔ یورپ ضعیف نہ تھا۔ نہ بزدل تھا۔ مگر کچھ شک نہیں کہ چالباز ضرور تھا۔ اور ہمیشہ خانہ جنگیوں میں اپنی قوت صرف کرتا رہتا تھا یہ چالبازی ہی تھی کہ فرانس نے گر پڑ کر الجزائر کو دوست بنایا تاکہ اسپین نیچا دیکھے اور بحری قوت میں ضعیف ہوجائے لوئیس شاہ فرانس کہا کرتا تھا کہ اگر الجزائر نہ ہوتا تو اسپین کو زک دینے کے لئے مجھے کوئی اور الجزائر بنانا پڑتا۔ یہ چالبازی ہی تھی کہ سولھویں صدی میں ڈنمارک نے خود آگے بڑھکر الجزائر سے دوستی کی تاکہ یورپ کی چھوٹی چھوٹی تجارت پیشہ ریاستیں مثلاً وینس و جنیوا وغیرہ پامال ہوجائیں۔ انگلستان بھی چالبازی کے خیال سے خالی نہ تھا۔ اور عرصۂ دراز تک بربر کی ریاستوں کو سالانہ خراج دیتا رہا تاکہ اسکا غارتگرانہ گوشۂ چشم انگلستان کے دشمنوں کی طرف پھرا رہے۔ اگر خانہ جنگی دیکھنا ہو تو انگلستان کی تاریخ میں اس زمانہ کے حالات پڑھو۔ اسوقت تمام برطانیہ میں بادشاہ اور رعایا کی باہمی لڑائیوں سے ایک طوفان برپا تھا۔ ولندیزوں میں بھی یہی پھوٹ پڑ رہی تھی

اور فرانس کے انقلاب عظیم کے اسباب بھی اسی زمانہ سے مہیا ہونا شروع ہوگئے تھے
صرف پچاس ساٹھ برس سے یورپ نے ریاستہائے بربر کو نذرانہ دینا بند کیا تھا
ابھی تک یورپ میں ایسے آدمی موجود ہیں جنکو اچھی طرح یاد ہے کہ یورپین قونصل
فرمانروایان بربر کی نظروں میں کسقدر ذلیل ہوتے تھے اور گورنر کے دربار میں
گھٹنوں کے بل چلکر ایک نیچی جگہہ بیٹھا کرتے تھے[1] شاید ۱۶۷۴ء میں ایک فرانسیسی
قونصل دربار ٹیونس میں حاضر ہوا تو اُسکو گورنر کا ہاتھ چومنے کا اشارہ ہوا۔ اُسنے انکار
کیا مگر پھر موت کے خوف سے ہاتھ چومنا پڑا۔ اسیطرح ۱۶۶۲ء میں انگریزی قونصل
کو بھی واقعہ پیش آیا۔ کسی یورپین سلطنت کی یہ مجال نہ تھی کہ خلاف ورزی کرے۔
آسٹریا نے ۱۷۴۸ء میں کچھ حجت کی جسکا یہ نتیجہ ہوا کہ بحر روم میں اسکے جہازوں کے
لئے قفل پڑگیا۔ آخر طوعاً کرہاً اسنے سالانہ خراج دینا منظور کیا۔ ولندیزا سقدر ذلیل
ہوئے کہ ٹیونس میں جو انکی رزیڈنسی کی کوٹھی تھی اُسپر ملکی جھنڈا لگانے کے لئے اُنکے
ایک قونصل نے گورنر سے باضابطہ اجازت مانگی اور گورنر نے اس حق کے معاوضہ
میں پندرہ ہزار سیکوئن (آدھا پونڈ یا سات روپیہ کا ہوتا ہے) لئے۔ اہل وینس ہرچند
کہ آئے دن بربر مقابلہ رہتے تھے مگر سالانہ خراج ادا کئے بدون بحر روم سے صحیح و
سلامت نہ گذر سکتے تھے حتیٰ کہ اسپین جسکو جلاوطن اُندلسیوں کی وجہ سے بربر کے
ساتھ قلبی عداوت تھی وہ بھی آخرکار سالانہ خراج ادا کرنے پر مجبور ہوگیا تھا اور

[1] دیکھو تاریخ براڈلے صفحہ ۱۵۱۔

ایک لاکھ پیاسٹر پیشکش کرتا تھا۔ اور اِن سب سے بڑھکر یہ کہ سنہ ۱۷۹۹ء میں امریکا کی ریاستوں[1] نے ایک عہد نامہ کے ذریعہ سے دوستی خریدی اور بڑی سخت قیمت دی یعنی پچاس ہزار ڈالر ایک۔ آٹھ ہزار ایک۔ اٹھائیس توپیں۔ دس ہزار گولے۔ بارود جہاز کے رستے۔ جواہرات۔ اتنا خراج سالانہ دیتی تھیں۔ خلاصہ یہ کہ ہالینڈ۔ سویڈن ڈنمارک۔ اسپین۔ امریکا میں سے کوئی ریاست نہ تھی جسکی پیشانی پر الجزائر نے قشقۂ اطاعت نہ کھینچا ہو۔ ہرچند کہ الجزائر کا بیڑا سنہ ۱۸۱۹ء میں ۲۵ جہازوں سے زیادہ کا نہ تھا۔ مگر ڈنمارک نے سنہ ۱۷۲۲ء میں ایک جدید معاہدہ کے بموجب حسب ذیل خراج دینا منظور کیا۔ پانچہزار ڈالر نقد۔ دس توپیں ہر ایک ۲۴ پونڈ وزنی گولہ کی۔ پچیس بڑے مستول۔ پانچ لنگر کی زنجیریں۔ ۴۵۰ پیپے بارود کے پچیس سو بڑے گولے پچاس پیپے بندوق کی بارود کے۔ اور کچھ تلواریں اور بندوقیں۔ اگر اسپر بھی کبھی الجزائر کا گورنر بگڑ جاتا تو ڈنمارک کو خراج کے بڑھانے میں تامل نہوتا۔ اہل وینس حمودہ پاشا گورنر الجزائر کو چالیس ہزار سیکوئن اور گرانبہا تحائف سالانہ ادا کرتے تھے۔

یورپین سلطنتوں کے قونصل بھی یہاں آکر بہت ذلیل رہتے تھے۔ اسکی وجہ کچھ تو یہ تھی کہ دول یورپ ان عہدہ داروں کے انتخاب میں وجاہت اور قابلیت وغیرہ کا لحاظ نکرتی تھیں۔ اور کچھ اہل بربر کا برتاؤ بھی اچھا نہ تھا۔

---

[1] دیکھو لین پول صفحہ ۲۵۷ تا صفحہ ۲۵۹

بعض قونصل نالائق ہوتے تھے - بعض انتہا درجہ کے شر انگیز، کوئی چالباز، اور
تمام تجارت پیشہ۔ جو اس عُہدہ کی مصلحتوں کے خلاف تھا۔ اگر سفلہ مزاج اور حد سے
زیادہ اطاعت گزین ہوتے تو اپنے حقوق کی حفاظت نہ کر سکتے۔ اور اگر دلیر اور
آزاد منش ہوتے اور گورنر کے احکام کی تعمیل کرنے میں تامل کرتے تو اپنی ہی
گورنمنٹ کے معتوب ہوتے۔ اسکے علاوہ اِن بیچاروں کو اور بہت دقتیں تھیں
مثلاً انگریزی قونصل سیکنوں ہزاروں انگریزی قیدیوں کو اپنی ضمانت پر رہا کراتے مگر
برٹش گورنمنٹ سے فدیہ میں کوڑی وصول نہوتی۔ اگر سمندر سے ذراسی مخالفت
کی خبر آتی تو اہل الجزائر قونصل کے بنگلہ کو آکر گھیر لیتے اور اکثر اُسکو اور ساتھ میں
اسکے ہموطن اور ہم مذہب باشندوں کو قیدخانہ میں ڈالدیتے۔ اُنکے گھر لوٹ
لیتے جب کوئی ایک قونصل مقرر ہو کر آتا تو لازم تھا کہ تمام فوجی اور ملکی افسروں کو
جُدا جُدا قیمتی تحفے دے۔ اور چونکہ اہلِ بربر ایک شخص کو اس خوف سے کہ مبادا اُسکا
اثر و اقتدار حد سے بڑھجائے بہت دنوں تک اس منصب پر نہیں رہنے دیتے

دول یورپ کا ہر نیا انداز اطاعت قدرتی طور پر عاملان الجزائر کے حوصلے
بڑھاتا تھا۔ الجزائر کے کسی قونصل کے پاس مالٹا کا ایک باورچی تھا۔ مالٹا والوں سے
اہل الجزائر سخت نفرت کرتے تھے اور چڑتے تھے۔ گورنر نے اسپر اعتراض کیا۔

مالٹا کے باورچی کا حشر

اور باورچی کو جبراً قونصل کی کوٹھی سے پکڑوا کر قید کردیا۔ [illegible]
فالکن نامی ایک قونصل ایک جرم میں ماخوذ ہوئے اور اُنکی گورنمنٹ [illegible]

گئے بارون قید خانہ میں بھیجدیے گئے۔ ۱۸۰۰ء میں ولندیزوں (اہل ہالینڈ) کی طرف سے سالانہ خراج میں دیر ہوئی۔ اور اسکی پاداش میں اُنکے قونصل کو محبس کی سیر کرنا پڑی۔ اسپر تمام یورپین قونصل متفق ہوکر اُٹھ کھڑے ہوئے اور اُسکو جبرًا قید سے رہا کرنا چاہا۔ اور گو یہ مقصد بالآخر گورنر کی رضا مندی سے حاصل ہوگیا۔ مگر قونصل مذکور کی قید کے صدمہ سے اُسکی بی بی مرگئی۔ یہی حشر ایک فرانسیسی قونصل کا ہوا۔

ولندیزوں کے قونصل کی کہانی

سمندر میں لوٹ مار

جسطرح بربر کی حدود میں غیر ملک والوں پر دست تظلّم دراز ہوتا تھا۔ اسیطرح حدود سے باہر سمندر میں لُوٹ مار کرنے میں بھی کوتاہی نہ کیجاتی تھی۔ سیکنوں مسافر اور تجار آئے دن گرفتار ہوتے رہتے تھے۔ لیکن جہانتک اُس زمانہ کے سفرناموں سے یا تاجرانہ تعلّقات پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں اُنکے مطالعہ سے۔ یا اور اس سے بھی بڑھکر دول یورپ اور اہلِ بربر کے باہمی تجارتی عہدناموں کے دیکھنے سے نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ نہیں کہ اِن دست درازیوں میں ہمیشہ انہی کی طرف سے ابتدا ہوتی تھی بلکہ بسا اوقات یورپ والے آپ اپنی غلطی سے لُٹتے تھے اور گرفتار ہوتے تھے۔ مثلاً فرض کرو کہ یورپ کی کسی بحری قوت مثلاً اسپین یا مالٹا سے یا کسی تجارتی ریاست مثلاً وینس وجنیوا سے الجزائر کی لڑائی چھڑ رہی ہے اور ایک فرانسیسی اُنکے کسی جہاز پر نوکر ہے۔ جب یہ جہاز الجزائر والوں کے ہاتھ آئیگا تو وہ فرانسیسی بھی گرفتار ہوگا۔ اور اُسپر بھی وہی تشدّد کیا جائیگا جو ایک دشمن پر کرنا لازم ہے

لوٹ مار کا سبب

اکثر جہاز جھنڈے بدلکر بحیرۂ روم سے گذرتے تھے۔ یا اگر اس ملک کے ہوتے جو الجزائر سے برسر جنگ ہوتا تو اُن ملکوں سے پاس (پروانۂ راہداری) خرید کر بحیرۂ روم کا قصد کرتے جو الجزائر کے دوست ہوتے۔ دونوں صورتوں میں جب وہ گرفتار ہو جاتے تو اُنکی بری گت بنتی اہل بربر اور خاصکر الجزائر والے دوست بنانے میں کچھ ایسے فراخدل نہ تھے اور اُنکا عذر بھی معقول تھا۔ یہ کہ۔ اگر تمام ملکوں اور قوموں سے دوستی کرلیجائے تو اسکے دوسرے معنے یہ ہونگے کہ گویا قزاقی سے دستکش ہو گئے۔ چنانچہ ایک دفعہ گورنر الجزائر نے شاہ سویڈن سے بیشبہا نذرانہ لیکر معاہدہ کرلیا کہ سویڈن کے تمام جہاز بحر روم سے صحیح سلامت گذر جایا کرینگے۔ اسپر الجزائر کے تمام ملاح اور جہازراں جو قزاق پیشہ تھے متفق ہوکر محلسرا پر چڑھ آئے اور اُسکو لوٹنے کی دھمکی دی اور یہ حجت کی کہ اگر یوں ہی دوست بڑھتے رہے تو یورپ کے قزاقوں پر ہمارا کچھ بھی رعب نہ رہیگا۔ ہمارے جہاز بھی لٹ جایا کرینگے اور بسر اوقات کے ذرائع بھی مسدود ہو جائینگے۔ آخر کار دیوان عام میں ایک کمیٹی ہوئی جسمیں بڑے بڑے ملکی اور فوجی افسروں نے اس بات پر بحث کی کہ کس قوم سے دوستی رکھی جائے اور کس سے مخالفت رہے[۱]۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دول یورپ میں صرف اُن ایک دو سلطنتوں سے دوستانہ تعلقات قایم رکھنا قرار پایا جو باب عالی کے حلفا میں تھیں ان کے علاوہ اور یورپین جہاز تاجرانہ مقاصد کے لئے جب کبھی بحر روم کا قصد

---

[۱] تاریخ مارگن۔ مقدمہ باب ۵ و ۶۔

کرتے تو اپنے جہازوں پر انہی کے جھنڈے لگا کر اور انہی سے پروانۂ راہداری خرید کر چلتے۔ پس اگر اہل الجزائر پر یہ فریب کھلجاتا اور وہ ان دوستدار دشمنوں کو لوٹ کر اور گرفتار کر کے تشدد کرتے تو کچھ ایسا نازیبا اور خلاف محل نہ تھا۔ الجزائر والے کہا کرتے تھے کہ "فلینڈرز کے جہازراں تو بیشک بہت خوش معاملہ اور راستباز ہیں۔ ہمسے جھوٹ نہیں بولتے۔ مگر فرانسیسی اور ہالینڈ والے بڑے پاجی اور مکار ہیں۔ اپنے پاس (پروانۂ راہداری) اَور قوموں کے ہاتھ بیچ دیتے ہیں جب سے انسے دوستی ہوئی ہے تب سے سویڈن۔ ڈنمارک۔ یا ہمبرگ کے جہاز ہی سمندر سے اُڑ گئے ہیں۔ سب کے پاس ہالینڈ کے پاس ہوتے ہیں۔ اور جھنڈوں کا رنگ بھی اُن ہی کا سا ہوتا ہے جس سے ہم دھوکے میں آجاتے ہیں اور شکار ہاتھ سے نکلجاتا ہے[۱]۔

یوں تو سبھی دنیا کی تمام سلطنتیں فرداً فرداً اور مجموعتاً دل سے آرزومند تھیں اور کوشش بھی کرتی تھیں کہ کسی طرح اہل بربر کے قشقۂ اطاعت کو پیشانی سے دھو ڈالیں اور کبھی کبھی عملی ثبوت بھی دیتی تھیں۔ مگر تین قوتوں نے جان توڑ کر کوشش کی۔ یعنے امریکا۔ انگلستان۔ اور فرانس۔ پہلے دو ملکوں کے حملوں سے اہل بربر کی قوت مضمحل ہوئی۔ اور تیسرے کے حملہ سے منتشر ہو کر بالآخر اُسی میں مدغم ہو گئی۔

شروع میں امریکا نے دول یورپ کے ساتھ بربر کو خراج دینا مرض لاعلاج سمجھکر قبول کر لیا تھا۔ لیکن ۱۷۸۵ء کے بعد انگلستان کے بندِ غلامی سے آزاد ہو کر ترقی

۱؎ لین پول صفحہ ۲۷۰ و ۲۷۱

الجزائر کی ترکتاز کشتیوں اور یورپ کے میری روز بیڑے کا مقابلہ (سنہ ۱۶۱) عیسوی۔
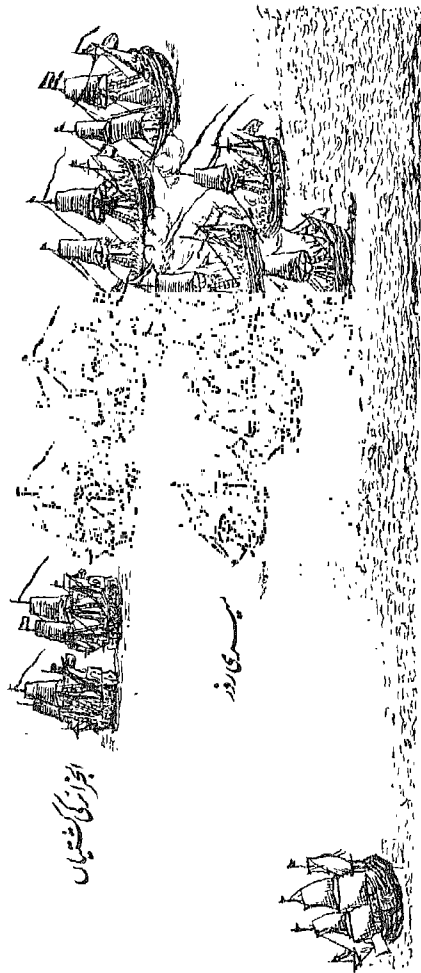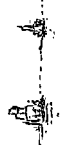
شروع کی اور تجارت میں بھی علم یکتائی بلند کیا تو الجزائر کے گورنر نے اسکو ایک نیا شکار سمجھکر دوست بنالیا تھا چنانچہ الجزائر کے ارادتمندوں میں امریکا سب سے زیادہ عزیز و مبارک تھا۔ اسلئے کہ جہازرانی اور جہازسازی میں انکو جسقدر ملکہ تھا اسیقدر بحری حرب کے سامان سے عدم توجہی تھی۔ اور گورنران الجزائر نے سخت شرائط پر دوستی کیا کرتے تھے۔ اور ۱۰ لاکھ ڈالر نقد اور کچھ سامان سالانہ لیتے تھے۔ اخیر پر ایک مرتبہ اہل امریکا میں جوش پھیلا۔ کیونکہ الجزائر میں دوستی کے باوجود امریکن غلاموں کی تعداد بہت زیادہ بڑھگئی تھی تو گورنر نے شرطیں فوراً ڈھیلی کردیں اور اس ترکیب سے اہل امریکا کو موقع نہ دیا کہ جنگی بیڑے کی ضرورت کو زیادہ محسوس کریں۔ اودھر امریکا والوں نے بھی اسکو غنیمت سمجھا اور ایک بڑی رقم بطور پیشکش سالانہ ادا کرنے کی شرط پر گورنر سے صلح کرلی۔ یہ دیکھکر بربری اور ریاستوں نے بھی سر اٹھایا سب سے اول یوسف پاشا گورنر طرابلس نے بڑے زور سے دھمکی دی کہ اگر امریکا کی متحدہ ریاستیں انگلستان۔ فرانس۔ اور اسپین کی طرح گرانبہا تحائف و خراج ادا نہ کرینگی تو انکے جہازات اسقدر بیرحمی سے لوٹ لیے جائینگے کہ دولتمند اور نامی تاجروں تک کا دیوالہ نکلجائیگا۔ یوسف نے مراسلہ میں یہ شکوہ بھی کیا کہ جب تونس اور الجزائر جیسی ہمسر و ہمسایہ ریاستوں کو بیدریغ پیشکش دیے جاتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ ہم اس سے محروم رہیں۔ کم از کم ایک تجارتی جہاز تو بطور نذرانہ ملنا چاہئے۔ امریکا کے پریسیڈنٹ نے اسکے جواب میں مہذب طریقہ سے اطمینان دلایا اور خشک عدے کئے

الجزائر

اسپر گورنر نے پھر لکھا کہ آپ اپنے قول کو فعل سے ثابت کریں اور اس چاپلوسی کو چھوڑ کر چھ مہینے کے اندر وعدہ کو پورا کریں ورنہ ہر شخص کو اختیار ہے کہ جو مناسب و مُفید سمجھے کرے

شیونس کا طریق عمل

اسیطرح گورنر شیونس نے بھی مطالبہ کیا اور مراسلہ میں لکھا کہ جب ڈینمارک۔ اسپین۔ سسلی۔ اور سویڈن نے پیشکش دینا بطیب خاطر گوارا کر لیا تو کیا وجہ ہے

اہل مراکو

کہ امریکا ساکت ہے۔ اہل مراکو ہر چند کہ بہت ہی کم آزار تھے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ لیکن وہ بھی اس خوانِ یغما میں شریک ہونے سے نہ چُوکے۔

الجزائر

اُدھر سے الجزائر نے پھر سر اُٹھایا اور بقایا رقم خراج کا تقاضا کیا۔ سب سے زیادہ ڈانٹ یوسف پاشا نے دی تھی اسلئے افتتاح بھی اُسی کی طرف سے ہوئی چنانچہ جب چھ ماہ بلا جواب گذر گئے تو اُسنے جنگ کی تیاری شروع کر دی اور امریکن قونصل کی کوٹھی سے جھنڈا اُکھاڑ کر پھینکدیا اور ۱۴ مئی سنہ ۱۸۰۱ء کو اشتہار جنگ دیدیا۔

اِدھر اہلِ امریکا نے بھی قومیت کا نیا نیا سبق پڑھا تھا۔ اُنکے دل جوانی کی اُمنگوں سے لبریز تھے اور حق یہ ہے کہ وہ بیچارے برسوں خراج کی سختیاں سہتے سہتے اُکتا بھی گئے تھے۔ پہلے سے تو انگلستان کے ساتھ خونریز لڑائیاں لڑنے سے اُنھیں فرصت نہ تھی۔ مگر اب کہ وہ اپنے انگریزی بھائیوں کی کمندِ عنایت سے آزاد تھے اور ایک مختصر سا بیڑا جہازات معہ سامانِ حرب بھی تیار ہو گیا تھا۔ اُنھوں نے طرابلس کے اشتہار جنگ کے جواب میں صاف صاف لکھ بھیجا کہ "قومی عزت اور قدرتی حق کی حمایت میں

لہ لین پول صفحہ ۲۷۰۔

لاکھوں کروڑوں پھینکدینگے لیکن نذرانے کے نام کا ایک حبہ نہ دینگے۔ باینہمہ امریکا نے کوئی نمایاں کوشش نہیں کی۔ بلکہ تین حملوں میں سے دو مرتبہ تو سخت ناکامی ہی ہوئی۔ تیسری مرتبہ ۱۸۱۵ء میں بسر کردگی کموڈور پریبل کسیقدر کامیابی ہوئی جسکی مفصّل کیفیت حسب ذیل ہے۔

طرابلس پر یلغار

کموڈور کا منشاء تو یہی تھا کہ طرابلس پر چڑھائی کر کے قزاقوں کو ایسا سبق دے کہ وہ آیندہ غارتگری سے باز آجائیں اور اِسطرح مغربی دنیا کو جو بوجہ پالیسی پائزدلی کے ذلتوں پر ذلتیں اُٹھائے چلی جاتی تھی "عذاب الیم" سے ایک حد تک نجات ملے مگر آبنائے جبل الطارق میں لنگر انداز ہو کر امریکن امیر البحر کا خیال غالبًا تھوڑی سی دیر کے لئے بدلگیا۔ قرون وسطی کے بحیرۂ روم کی آب وہوا ہی کچھ اس قسم کی ولولہ انگیز تھی کہ بڑی آزاد منش مہذب۔ اور حق شناس قوموں کو بھی لوٹ مار کی طرف مائل کردیتی تھی۔

۳۶ توپوں کا فلاڈلفیا نامی ایک کوہ پیکر جنگی جہاز جو ساحل اسپین کی طرف بظاہر اس مقصد کے لئے بھیجا گیا تھا کہ اگر کوئی طرابلس کی غارتگر کشتی ملے تو اُسکو پکڑلائے مگر حقیقت میں اس سے یہ منشا تھا کہ کوئی شکار ہاتھ لگجائے۔ یہ جہاز مراکو کے مشبہ نامی ایک جہاز کو گرفتار کر کے لایا۔ مشبہ کے ساتھ سیریا نامی ایک اور جہاز جو بوسٹن کے ایک دولتمند تاجر کا تھا اور مشبہ والوں کے ہاتھ گرفتار ہوگیا تھا۔ وہ بھی پکڑا آیا مشبہ کے کپتان ابراہیم رئیس سے جواب طلب کیا گیا تو اُس سے معلوم ہوا کہ مشبہ دراصل تنجیر کا جہاز تھا۔ اسپر کموڈور نے تنجیر پر حملہ کیا۔ اور گورنر کو ہر طرف سے گھیر کر مجبور کیا

کہ ۱۷۹۶ء کے عہدنامہ کی پابندی کرے جسکی رو سے امریکن جہازوں پر دست درازی ممنوع تھی۔ اس حجت کا نتیجہ یہ ضرور ہوا کہ کموڈور نے دونوں جہاز بھی اپنے بیڑے میں داخل کر لیئے۔ اور اکتوبر (۱۸۰۳ء) میں چند جہاز بسر کردگی کپتان بیمبرج طرابلس پر حملہ کرنے کے لئے بڑھا۔ ہمنے مقدمہ میں بیان کیا ہے کہ مغربی بحر روم کی خاصیت اور سواحل بربر کے نشیب و فراز سے اجنبی جہازراں کبھی واقف نہ ہو سکتے تھے۔

طرابلس والوں کو جب اس چڑھائی کی خبر ہوئی تو انھوں نے دھوکا دینے کی غرض سے ایک چھوٹا سا جہاز امریکن امیر البحر کی حد نظر میں مشرق کی جانب ایسے مقام پر بھیجدیا جہاں عُمق کم تھا۔ امریکا والے اس جہاز کو دوسرا شبہ سمجھکر خوشی خوشی فلاڈلفیا سمیت اُسطرف بڑھے۔ اِدھر طرابلس کے جہاز نے فلاڈلفیا کو قریب تر ہونے کا موقع دیکر یکبیک حرکت کی اور نہایت تیزی سے طرابلس کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ فلاڈلفیا نے آتشباری شروع کردی اور تعاقب بھی کرتا رہا یہانتک کہ شہر طرابلس سامنے دکھلائی دینے لگا۔ ساتھہی عُمق کم ہونا شروع ہوا۔ ساحلِ طرابلس کے قریب سمندر میں اکثر پہاڑیاں ہیں انمیں سے ایک میں فلاڈلفیا ٹکرا کر رہ گیا۔ اسکے ٹکراتے ہی طرابلس سے آتشبار کشتیاں فی الفور موقع پر پہنچگئیں۔ انھوں نے فلاڈلفیا پر کچھ دیر آگ برساکر اسکو گرفتار کرلیا جب کپتان بیمبرج نے بجز اسکے چارہ نہ دیکھا کہ خود مع ملازموں سمیت خط غلامی لکھدے اور جہاز کو دشمن کے حوالہ کردے تو اُسنے یہ چالاکی کی کہ جہاز سپرد کرنے کے قبل تمام سامان جنگ اور آذوقہ پانی میں پھینکدیا اور فلاڈلفیا میں جابجا

سوراخ کر دیے جس سے جہاز مذکور کچھ عرصہ میں وہیں غرقاب ہو گیا۔ لیکن اہل طرابلس نے جنکو جہاز رانی میں اہل امریکا سے زیادہ مشق تھی جہاز کو صرف ایک ہفتہ کی کشش و کوشش میں پانی سے نکالکر اور آراستہ کر کے سطح سمندر پر جا دیا۔ فلاڈلفیا کے ہاتھ سے نکلجانے کا پرنیل کو بڑا صدمہ ہوا اسلئے کہ یہ اکیلا کل بیڑے کی دو تہائی قوت تھا۔ پھر بھی اسنے ہمت نہیں ہاری اور ۳۔ فروری ۱۸۰۴ء کو فلاڈلفیا کی جگہہ تین اور جہاز شامل کر کے پھر طرابلس کی طرف بھیجے۔ امنیں ایک تو انٹرپیڈ نامی جہاز تھا جو تھا تو اصل میں فرانسیسی۔ مگر مصر کے قریب انگریزی قزاقوں نے گرفتار کر لیا تھا اور سالانہ خراج میں طرابلس والوں کو دیدیا تھا۔ اور اب امریکا کے کپتان ڈیکیٹر نے بحر روم سے پکڑ کر اپنے بیڑے میں شامل کر لیا تھا۔ اسکے علاوہ ایک سائرین نامی اور چند اَور جہاز تھے۔

امریکن بیڑا چھٹے روز طرابلس کے حوالی میں پہنچا۔ شہر سامنے دکھلائی دیتا تھا مگر طوفان کی شدّت اور ہوا سامنے کی تھی اسلئے خلیج میں داخل نہو سکا۔ رات کو اَور زیادہ تیز ہوا چلی یہانتک کہ امریکن بیڑا سنبھلتے سنبھلتے مشرق کو ہولیا اور خلیج سدرہ میں جا پڑا۔ بالآخر ۱۶۔ تاریخ کی سہ پہر کو کشاں کشاں پھر طرابلس کی حوالی میں داخل ہوئے ہوا ہلکی۔ موسم خوشگوار۔ آسمان کا چہرہ بالکل صاف۔ اور سمندر کی سطح تلاطم امواج سے خالی تھی۔ اسلئے ڈیکیٹر نے قصد کیا کہ رات کو چھاپا مارے حسب قرارداد جہاز سائرین کو دن بھر حد نظر سے باہر رکھا اور اُسکی وضع قطع کو حتی الوسع بدلدیا تاکہ طرابلس والوں میں

کوئی پہچان نہ لے۔ ہوا ہلکی ہونے کے سبب جہاز مذکور دُور سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا رات ہونے سے پہلے بندرگاہ میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ اہالیِ جہاز تمام نیچے کے درجہ میں آ گئے۔ عرشہ پر صرف ایک دو آدمی اور اسیطرح ڈک (تختہ) پر چند سپاہی مالٹا والوں کا سا لباس پہنکر کھڑے ہو گئے۔ بندرگاہ طرابلس کے قریب پہنچکر ڈیکیٹر کو دُور سے فلاڈلفیا دکھائی دیا جسکے مستول پر ہلالی پرچم ہوا میں لہرا رہا تھا۔ یہ قلعہ کی توپوں کی زد کے اندر لنگر انداز تھا اور آس پاس تین کشتی نما جہاز اور قریبًا بیس آتشبار کشتیاں لنگر انداز تھیں۔

اِدھر دمبدم اندھیرا ہوتا جاتا ہے اور اُدھر انٹریپڈ خشکی کے قریب آتا جاتا ہے بندرگاہ پہ پہنچکر مغربی راستہ میں کھولتے ہوئے پانی کی طرح تیز و تند موجیں محسوس ہوئیں۔ اسلئے شمالی راستہ سے داخل ہونا مصلحت سمجھا گیا جو سنگلاخ بلندیوں اور بالوریت کے ٹیلوں کے درمیان پیچ و خم کھاتا ہوا شہر کی طرف بڑھتا ہے۔ اب اٹھ کے دس بجے ہیں اور امریکن جہاز جیسے جیسے مشرق کی ہوا کے ہلکے ہلکے جھونکوں سے تھپیڑ کھا کھا کر سطح آب پر ڈگمگاتا ہوا بڑھتا جاتا ہے ویسے ویسے اہالی جہاز کے دل امید و بیم سے اُٹھتے بیٹھتے جاتے ہیں۔ رات نہایت خوشنما۔ چاندکی نورانی چادر سمندر کی بلوریں سطح پر بچھی ہے۔ سامنے ایک طرف قلعہ کے فصیل و بروج سے اور دوسری طرف شہر کے بلند مکانوں سے صدہا چراغ ٹمٹما ٹمٹا کر اپنی شعاعیں سمندر کے انتہاء عمق تک ڈال رہے ہیں۔ اِدھر ہوا کے ہلکے ہلکے جھونکے انٹریپڈ کو لوریاں دیدیکر

سنگلاخ ٹیلوں کے بیچ سے اندر کی جانب آہستہ آہستہ اور بیخبر داخل کر رہے ہیں
ہر طرف خاموشی کا عالم طاری ہے۔ صرف کبھی کبھی پال کے ڈنڈے گرانبار ہو کر
بول اُٹھتے ہیں یا لوہے کی کیلیں بوجھ کی شکایت کر بیٹھتی ہیں۔ یا جہاز کے سنگ
پر پانی کی چھوٹی چھوٹی لہریں دمبدم تھپیڑ دیتی ہیں یا جہاز کے سینہ کے نیچے کی چرخیاں
پانی کے زور سے گھوم گھوم کر ایک قسم کی سُریلی آواز پیدا کرتی ہیں۔ اسکے سوا ہر طرف
سناٹا ہے۔ سامنے فلاڈلفیا کے ڈک پر چند آدمی کھڑے ہیں۔ پیچھے قلعہ کی سفید
دیوار کا سلسلہ کھنچا دکھلائی دیتا ہے۔ اور اُور پیچھے ہٹکر اُفق پر آسمان کی نیلگوں دیوار
بلند ہے جسکو اس خوشنما تصویر کا پشتہ کہنا چاہیئے۔ جہاز انٹریپڈ پوری تیز قدمی سے مگر
نا معلوم فلاڈلفیا پر قبضہ کرنے کے لئے برابر بڑھتا آتا ہے۔ چونکہ اسکا مستول طرابلس
کی وضع پر آراستہ کیا گیا ہے۔ اور ناخدا بھی سسلی کا رہنے والا اور طرابلس کے انداز
ناخدائی سے واقف ہے۔ اسلئے کسی کو شُبہ نہیں ہوتا۔ امریکا والوں کا منشا تھا کہ
اسیطرح رفتہ رفتہ اور بے معلوم بڑھکر فلاڈلفیا پر قبضہ کر کے اہلِ طرابلس کا قلع قمع کر ڈالیں
مگر جیسے ہی اُسکے قریب پہنچے فوراً خبر ہو گئی اور اسکے ساتھ "امریکا والے! امریکا والے!"
کا شور بلند ہوا۔ الارم دینا تھا کہ سامنے قلعہ میں فالن ہو گیا۔ توپچی فلیتے لیکر توپوں
کی طرف بڑھے۔ رات کی خاموشی کا سلسلہ یک بیک مُنقطع ہو گیا۔ بم کے گولوں کے
چلنے اور پھٹنے سے تمام شہر اور محلسرا میں کھلبلی مچگئی۔ امریکا والوں نے بڑی جرأت
اور اُلوالعزمی سے دُشمن کی آتشباری کا مقابلہ کیا اور فلاڈلفیا کے قریب کے دلوں

جہازوں کو آگے بڑھکر تھام لیا۔ اور تمام اہلِ جہاز کو تہ تیغ کر ڈالا اور پھر فلاڈلفیا کو لیکر پلٹ آئے۔

ادھر ۲۵ جولائی تک کموڈور پریبل بمعیت جنگی جہازوں کا ایک زورمند بیڑا لیکر طرابلس کے حوالی میں آموجود ہوا اور شہر کو گھیر کر پیامِ صلح کا انتظار کرنے لگا۔ بڑی قیل و قال کے بعد بالآخر ۳۔ اگست کو اہلِ طرابلس نے صاف جواب دیدیا۔ اور لڑائی چھڑ گئی۔ ۳ ستمبر تک محاصرین نے پانچ بڑے حملے کئے جنمیں کموڈور اور اسکے رفیقوں نے بڑھ بڑھکر دادِ مردانگی دی۔ مگر محصورین کا اس سے کوئی بڑا نقصان نہیں ہوا۔ صرف قلعبندی کو کسیقدر صدمہ پہنچا۔ محاصرہ ۱۸۰۵ء تک برابر جاری رہا اور جب طرابلس کا بال تک بینکا نہوا تو اہلِ امریکا نے اسکو ناقابلِ تسخیر سمجھکر چھوڑ دیا اور ویرنا نامی ایک چھوٹے سے قصبہ پر حملہ کیا۔ اہل طرابلس کی ناعاقبت اندیشی اور سوءِ تدبیری سے یہاں کوئی جنگی سامانِ حفاظت نتھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ امریکا والے خشکی اور تری دونوں طرف سے چڑھ گئے۔ اہلِ قصبہ نے بھی فوجی قوت کے ساتھ فولادی دیوار بنکر مقابلہ کیا مگر دشمن کی آتشباری کے سامنے کچھ نہ کر سکے اور مغلوب ہوگئے ویرنا پر قبضہ ہونے سے طرابلس میں گویا رخنہ پڑگیا۔ اخیر بر گورنر کو اس شرط پر صلح کرنا پڑی کہ آیندہ سے امریکا کے جہازات بحر روم سے جنگی دیے بدون گذر جایا کرینگے اہلِ امریکا نے بربری غلاموں کو اور اہلِ طرابلس نے امریکن غلاموں کو ایک ایک کرکے آزاد کر دیا۔ اور کموڈور نے بیڑے سمیت معاودت کی۔

معلوم ہوتا ہے کہ اہل امریکا کو اس نمایاں کامیابی اور مفید عہدنامہ پر زیادہ ناز کرنا نصیب نہوا۔ چنانچہ اگلے ہی برس طرابلس نے پھر خراج طلب کیا اور امریکا نے طوعًا نہیں تو کرہًا ادا کیا۔ ایک انگریزی مؤرخ اسکی تعداد ۱۰ ہزار ڈالر لکھتا ہے[1] چونکہ اسی زمانہ میں انگلستان اور امریکا کی مشہور لڑائی ختم ہی ہوئی تھی اور ابھی تک صلح مستقل بھی نہیں ہوئی تھی اسلئے امریکا والوں نے فی الحال اسطرف زیادہ توجہ نکی۔ مگر ۱۸۱۵ء میں عہدنامہ گینٹ کی تحریر و تکمیل کے بعد جب امریکا مسٹر جان بل[2] کے "حالا کشیدند" سے آزاد ہو گیا تو پھر اہل بربر کی طرف متوجہ ہوا۔ جنگی بیڑے کے بجائے

امریکا ڈیپوٹیشن

اس مرتبہ ایک معزز ڈیپوٹیشن گورنر الجزائر کی خدمت میں بھیجا گیا جسمیں مسٹر ولیم شیلز قونصل۔ کپتان بیمبرج۔ اور کپتان ڈیکٹیر شریک تھے۔ انھوں نے گورنر کو آشتی صلح پر راضی کر لیا۔ اور ۳۰ جون ۱۸۱۵ء کو ایک عہدنامہ لکھا لیا جسکی رو سے یہ قرار پایا کہ اہل امریکا کوئی محصول ادا نہ کریں۔ فریقین ایک دوسرے کے غلام آزاد اور لوٹ کا مال واپس کر دیں اور آئندہ ہمیشہ دوست رہیں۔ لیکن ریاستہائے بربر سے

امریکا اور ریاستہائے بربر سے صلح

پوری مصالحت اسیوقت ہوئی جبکہ اہل امریکا نے اپنے ساحل کے شہروں میں بردہ فروشی کے بازار بند کیے اور غارتگروں کو سخت سزائیں دیں۔

انگلستان اور بابعالی کی دوستی سب سے اول ۱۵۸۲ء میں ہوئی اور تقریبًا سوا دو سو

---

[1] لین پول صفحہ ۲۹۰۔

[2] جان بل سے انگلستان مراد ہے۔

اسکاٹلینڈ کے دو قیدی امیرزادے

برس تک یہ تعلقات مسلسل قایم رہے۔ اُسوقت انگلستان کے اعلیٰ خاندانوں کے لئے بھی بحر روم کا سفر خطرناک ہونے سے خالی نتھا۔ اسکاٹلینڈ کے دو امیرزادے مارٹن اور لیفٹنٹ الجزائر میں برسوں قید رہے۔ سرطامس رو جب انگریزی سفیر مقرر ہوکر قسطنطنیہ گئے تو انھوں نے اپنی گورنمنٹ پر متواتر ظاہر کیا کہ "اگر الجزائر کی غارتگری مسدود نہ کیگئی تو دول یورپ کی بڑی سے بڑی فوجی قوت کے دھوئیں اُڑ جائینگے اور ساحل بربر ایک ایسا خوفناک مقام بنجائیگا کہ وہاں سے کبھی کوئی مسافر پھر کر نہ آئیگا۔

سرطامس رو کی رپورٹ

سرطامس نے اپنی رپورٹ میں یہ بھی لکھا کہ آخری غارتگرانہ حملوں میں ۴۹۔ انگریزی جہاز پکڑے گئے ہیں۔ اور وہ وقت قریب ہے کہ الجزائر کے نخاس میں انگلستان کے سوا اور کسی ملک کے غلام دکھلائی نہ دینگے۔ اسلئے کہ بربر کے لُٹیرے بڑھ بڑھکر کہتے ہیں کہ اسپین کی طرح ہم انگلستان کے اندرونی مقامات میں گھسکر انگریزوں کو سوتے سے پکڑ لائینگے اور غلام بناکر بیچڈالینگے"۔ چنانچہ خاص حد تک انھوں نے اِس وعدہ کو پورا بھی کیا۔

بربری غارتگروں کی انگلستان پر ترکتازیاں

یعنے اس رپورٹ کے چند ہی برس بعد یہ سُنا گیا کہ چند بحری قزاق علاقہ صوبہ کارک کے شہر بالٹیمور میں رات کے وقت گھس آئے اور اُسکو تاخت تاراج کرڈالا۔ اور یہ تو اُس زمانہ میں ایک نہایت معمولی بات تھی کہ ہارٹلینڈ[۵۲] اور پلائیموتھ[۵۳] کے کسی اونچے مقام

---

۵۱ آئرلینڈ کا جنوبی صوبہ اور مشہور بندرگاہ۔

۵۲ ہارٹلینڈ انگلستان کے جنوب میں صوبۂ سومرسٹ کا ایک شہر جو سمندر میں نکلے ہوئے گوشہ پر واقع ہے۔

۵۳ پلائیموتھ انگلستان کے صوبۂ ڈیون کی مشہور بندرگاہ۔

پر کھڑے ہو کر جب چاہتے بربری قزاقوں کی کشتیوں کو سامنے سمندر میں سانپ کی طرح لہراتے دیکھ لیتے - اسیطرح برسٹل[1] کے سوداگر جو گویا تجارتی دنیا کے شہزادے تھے قزاقوں کو سامنے آتا دیکھکر اپنے تجارتی جہازوں کو بلا تامل غرقاب کر ڈالتے تھے کہ مبادا وہ لوگ حملہ کریں اور مال کے ساتھ جان بھی جائے ایک مرتبہ ریورینڈ ڈیویریو نامی ایک مشہور پادری سے صرف اتنا قصور ہوا کہ کارک سے برسٹل کو پانی کے راستہ جاتے تھے یوگیل کے مقام پر پکڑے گئے اور ایک پلک جھپکنے میں سرزمین انگلستان سے الجزائر پہنچگئے -

پادری ڈیویریو کی گرفتاری

حالت روز بروز بدتر ہوتی جاتی تھی ۱۶۲۲ء کے بعد تین چار برس میں الجزائر والوں نے چار سو انگریزی جہاز گرفتار کیے جس سے تجارتی طبقہ میں ایک غلغلہ پڑ گیا اور دیوالیوں کی فریاد سے پارلیمنٹ کے کان بہرے ہونے لگے - ادھر مسٹر فریزل انگریزی قونصل متعینہ الجزائر نے مسلسل درخواستیں بھیجکر برٹش گورنمنٹ کو اسطرف توجہ دلائی - الجزائر کے انگریزی غلاموں نے درخواستیں بھیجیں - مگر بیس برس تک کچھ شنوائی نہیں ہوئی - بیچارے سوداگر برسوں کی محنت کے بعد مال و دولت کما کر گھر لا رہے ہیں اور رستہ میں الجزائر کے قزاق آن پڑے اور کپڑے تک اُتار کر لیگئے -

چار سو انگریزی جہازوں کی گرفتاری

سترھویں صدی کے چوتھے عشرہ کی مردم شماری کے بموجب تین ہزار انگریز الجزائر میں حلقہ بگوش تھے - اِس عرصہ میں گورنمنٹ نے کبھی کبھی ایک خفیف سی رقم بطور فدیہ

تین ہزار انگریز غلام

[1] صوبۂ گلاؤسسٹر کا ایک شہر جو تجارت کی بڑی منڈی ہے -

بھیجکر غلاموں کو آزاد بھی کرایا چنانچہ ایک مرتبہ مجلس امراء نے تین ہزار پونڈ چندہ
کرکے دیا تھا۔ اسیطرح سترھویں صدی کے رُبع اول میں دوسو چالیس انگریزوں
کو ۱۲ سو پونڈ فدیہ دیکر آزاد کرایا۔ ایڈنبرا کی ایک لیڈی جسکا نام ایلس ہیزتھا ۲۴ سو

انگریزی لیڈیوں کی گرفتاری اور رہائی۔

فرانک دیکر آزاد ہوئی۔ سیرا پلپے نامی ایک اَور لیڈی جو لندن کی رہنے والی تھی
۸ سو دیکر۔ اور ڈنڈی کی دو اَور عورتیں دوسو اور ۰ ۹ ۱۳ دیکر آزاد ہوئیں۔ مردوں سے
عموماً ۵ سو فرانک سے زیادہ نہ لئے جاتے تھے[لہ]۔ اسکے علاوہ اکثر یورپین غلام موقع
پاکر بھاگ بھی جاتے تھے۔ جیساکہ ۱۶۳۹ء میں چار انگریز لڑکے اور قریباً ۷۰ اَور
یورپین جنمیں بکثرت مجورکا کے رہنے والے تھے بھاگ گئے تھے لیکن بھاگ کر

انگریز غلاموں کی فراری

یا فدیہ دیکر جتنے آزاد ہوتے تھے اُتنے ہی پھر گرفتار ہوجاتے تھے۔ غرضکہ سلسلہ بندھا
رہتا تھا۔ اسمیں صرف اہلِ بربری کا قصور نہ تھا بلکہ یورپ والوں کا بھی تھا۔ کیونکہ یہ لوگ
ایکطرف تو معاوضہ کی رقمیں طے کرتے۔ اور آیندہ کے لئے عہدنامے لکھتے۔ اور
دوسری طرف حملے بھی کرتے تھے۔ چنانچہ ۱۶۵۵ء میں جب انگریزی امیر البحر بلیک

انگریزی امیر البحر کا بندرگاہ فرنیہ پر حملہ

ٹیونس سے حسب دلخواہ شرائط صلح طے نہ کرسکا تو ۳۔ اپریل کو پورٹو فارنیا (بندرگاہ فرنیہ)
میں بزور شمشیر گھسگیا۔ اور شاہی بیڑے کو جسمیں ۹ جہاز تھے تباہ کرکے الجزائر آیا اور

ارل آف انچیکوئن اور لارڈ اوبرائن کی گرفتاری

پاشا کو مجبور کیاکہ تھوڑا سا فدیہ لیکر تمام مسیحی غلام آزاد کردے۔ کچھ دنوں بعد ارل آف
انچیکوئن جو سخت خطرناک اور جنگجو جرنیل تھا اور اُسکا بیٹا لارڈ اوبرائن دونوں الجزائر

لہ دیکھو سر آرایل پلے فرنگی "مسیحی دنیا پر عذاب الیم" صفحہ ۶۴۔

پر حملہ کرنے بھیجے گئے مگر گرفتار ہو گئے اور سات آٹھ ماہ قید رہ کر ۵۷ سو کرون (ایک کرون پندرہ روپیہ کا) کے بدلے آزاد ہوئے۔

جو جہاز بھیس بدلکر یا صلحائے بربر سے پاس (پروانہ راہداری) خرید کر بحر روم سے گذرتے تھے اُنمیں اکثر کے ملّاح انگریز ہوتے تھے۔ اور چونکہ اُس زمانہ کے بحری سفر کے قواعد کے بموجب یہ ایک جُرم تھا۔ لہٰذا اہالی جہاز کے ساتھ وہ بھی پکڑ کر غلام بنا لئے جاتے تھے۔ اس طریقہ سے انگریزی غلاموں کی الجزائر میں اس درجہ کثرت ہوئی کہ ہر چند کہ ۱۶۹۴ء میں انگریزی قونصل کی رپورٹ کے مطابق کوئی انگریزی غلام آزاد ہونے سے نہیں رہا تھا۔ لیکن جب کچھ دنوں بعد مسٹر بیٹن نامی ایک مستطیع اور فیاض منش انگریز نے ۲۱ ہزار پونڈ سے ایک سرمایہ غلاموں کو آزاد کرنے کے لئے قائم کیا اور یہ خبر رفتہ رفتہ بربر کے بڑے بڑے شہروں میں پہنچی تو وہاں سے صدہا انگریزوں نے درخواستوں کے ذریعہ سے استمداد کی۔

انگلستان کے نجات دہندہ قافلے

انگلستان سے آئے دن جہازوں کے چھوٹے چھوٹے بیڑے بھیجے جاتے تھے ہمدرد اور دلسوز نجات دہندہ قافلہ کی شکل میں ساحل[1] بربر پر نازل ہو کر گورنران الجزائر و ٹیونس سے حجت کرتے تھے۔ ڈراتے اور دھمکاتے تھے کہ بردہ فروشی بند کرو۔ غلاموں کی گیر ودار موقوف کرو۔ اور بحر روم سے گذرنے والے انگریزی جہازوں کی تلاشی نہ لیا کرو۔ مگر چونکہ اقوام یورپ خود ان شرائط کی پابندی نہ کرتی تھیں اور

[1] لین پول صفحہ ۲۷۰ و ۲۷۱۔

یورپین جہازوں کا فدیہ

جہازوں کے جھنڈے بدلکر بحر روم سے گذرنا ایک عام رسم تھی اسلئے اہل الجزائر یا ٹیونس مجاز تھے کہ ہر جہاز کی تلاشی لیکر مخالف ممالک کے تاجروں کو گرفتار کرلیں اور انکا اسباب لوٹ لیں۔

سر رابرٹ مینسل کا حملہ اور الجزائر میں انگریزی جہازوں کی گرفتاری۔

سنہ ۱۶۲۰ء میں سر رابرٹ مینسل ۱۰ جنگی جہاز جنمیں ۵ سو بندوقچی اور ۱ہ ۲ سو جوان تھے لیکر الجزائر والوں کی گوشمالی کے لئے آئے مگر خود سبق لیکر واپس گئے۔ انکے پیٹھ موڑتے ہی قزاقوں نے ۴۰ انگریزی جہاز گرفتار کئے۔ پھر سر طامس رو بیڑا اٹھاکر آئے۔ انھوں نے ایک عہدنامہ بھی تحریر کرایا لیکن بالآخر وہ ایک سادہ کاغذ ثابت ہوا

جنرل بلیک۔ لارڈ سینڈج اور سر طامس ایلن کے ناکام حملے

جنرل بلیک اور لارڈ سینڈج نے ایک دوسرے کے بعد الجزائر پر چڑھائی کرکے گولہ باری کی مگر کچھ نہوا۔ سر طامس ایلن ایک مضبوط جنگی بیڑا لیکر چار مرتبہ خلیج الجزائر میں داخل ہوئے اور چاروں مرتبہ ناکام واپس آئے۔ انکے آنے کی خبر سُنکر علی پاشا نے اپنے سرداروں سے کہا تھا کہ "کیا یہ لوگ عقل سے خارج ہیں یا نشہ میں ہیں۔ کچھ اسطرح

ان حملوں کی نسبت گورنر کا خیال۔

باتیں کرتے ہیں کہ گویا ہمکو مجبور ہی کرڈالینگے اور اپنے ملک کے غلاموں کو فدیہ دیے بدون چھڑا کر لیجائینگے۔ انسے کہدو کہ اپنا راستہ لیں[1]" اس پچاس برس کے عرصہ میں صرف ایک معتدبہ کامیابی ہوئی۔ یعنی سر اڈورڈ اسپرگ نے ایک جنگی بیڑے سے

سر اسپرگ کا حملہ اور بربری بیڑے کی تباہی

الجزائر پر حملہ کیا اور شاہی بیڑے کو بوجیہ کے قریب بالکل تباہ کرڈالا۔ اس سے اتنا ہوا کہ شاہی فوج کے سرداروں نے غصہ میں اپنے آغا کو قتل کرڈالا اور اُسکا سر گورنر کے

آغا کا قتل

[1] پلیے فیئر کی "مسیحی دنیا پر عذاب الیم" صفحہ ۹۴۔

سامنے لیجاکر درخواست کی کہ انگریزوں سے صلح کرلیجائے چنانچہ صلح کیگئی مگر صرف پانچ سال بعد سر جان نار بارو کو پھر الجزائر پر فوجکشی کرنے کی ضرورت ہوئی - یہ جسقدر جوش میں بھر کر گئے تھے اُسیقدر تحمل ۱۰ ہزار پونڈ بطور فدیہ غلامان دیکر چلے آئے سنہ ۱۶۸۱ء میں امیر البحر ہربرٹ نے جو بعد کو لارڈ تارنگٹن سے مخاطب ہوگئے کئی مرتبہ الجزائر پر چڑھائی کی لیکن خراج معاف نہ کراسکے - اس سے تیسرے سال سر ڈبلیو سومر نے بڑی مشکل سے لڑ جھگڑ کر ٹیکس کی طرح یہ حق وصول کیا کہ انگلستان کے شاہی علمبردار کو اہل الجزائر ۲۱ توپ کی سلامی دیا کریں سنہ ۱۷۴۹ء میں امیر البحر کیپل نے اور سنہ ۱۷۶۳ء میں انگریزی قونصل جیمس بروس نے انگلستان اور الجزائر کے دوستانہ تعلقات کو مستحکم کرنے کی کوشش کی لیکن نمایاں کامیابی نہوئی - بالآخر انگلستان - اسپین - پرتگال - نیپلز - مالٹا - نے متفق ہوکر سخت تدابیر عمل میں لانے کا ارادہ کیا اور سنہ ۱۷۸۴ء میں ایک زورمند بیڑا اکٹھا کرکے غارتگران الجزائر کی گوشمالی کے لئے بھیجا مگر سخت ناکامی ہوئی جسکی وجہ یہ بیان کیجاتی ہے کہ جہاز چھوٹے تھے اور فوج کارآزما نہ تھی - مگر سچ یہ ہے کہ باربروسہ اور اُسکے اولوالعزم جانشینوں نے اپنی مردانگی اور دلیری کا وہ سکہ جمایا تھا کہ دول یورپ کو فرداً فرداً اور مجموعتاً اُنیسویں صدی سے پہلے کبھی یہ بات نصیب نہوئی کہ اہل بربر کی اطاعت کا قشقہ اپنی پیشانی سے دھو ڈالیں

سر جان نار بارو کا حملہ

امیر البحر ہربرٹ کا حملہ

انگلستان کے علمبردار کی سلامی

انگریزی سفیروں کی کوشش صلح

دول یورپ کا مشترکہ حملہ اور ناکامی

ابتداء اُنیسویں صدی میں لارڈ نیلسن بحر روم میں موجود تھا لیکن بربری غارتگروں کے منہ آنے کی اُسے بھی جرأت نہوئی - اسیطرح کالنگوڈ بھی بجز اسکے کچھ

گورنر الجزائر کو ہدیہ

نہ کرسکا کہ ایک معزز سولین کے ہاتھ ایک قیمتی گھڑی بطور نذرانہ گورنر الجزائر کی خدمت میں بھیجکر اظہار ارادت کرے حتیٰ کہ سنہ ۱۸۱۲ء میں جب اہل پرتگال اور گورنر الجزائر میں کچھ اَن بن ہوئی اور پرتگیز تاجروں کا دیوالہ نکلنے لگا تو مسٹر اے کورٹ نے جو بعد کو لارڈ ہیٹسبری سے مخاطب ہوئے بیچ میں پڑکر گورنر کو بمنت اس بات پر راضی کیا کہ دس لاکھ ڈالر فدیہ لیکر تمام پرتگیز غلاموں کو آزاد کردے اور آیندہ کیلئے پرتگال

پرتگال کا خراج

کے جہازات اور مضافات پر دست درازی نہ کرے۔ اور شاہ پرتگال اسکے عوض میں ۲۴ہزار پونڈ سالانہ خراج ادا کیا کرے۔ خلاصہ یہ کہ اُنیسویں صدی کا عشرۂ اول بھی اسی کشمکش میں ختم ہوگیا مگر انگلستان کو اہل بربر کی طرف سے جیسا چاہئے اطمینان نہوا۔ بالآخر امریکا کی کامیابی سے انگلستان کا حوصلہ بڑھا اور سنہ ۱۸۱۶ء میں لارڈ ایکس موتھ کو سفیر بناکر بھیجا اور یہ ہدایت کی کہ معاملہ کو جسطرح ممکن ہو یکسو کرے۔

ہمارے نزدیک اسمیں کسیقدر قصور انگلستان کا بھی تھا۔ یہ کہ اپنے ساتھ دوسروں سے بھی اہل بربر کا رشتۂ مؤدت قایم کرنے کی کوشش کیا کرتا تھا۔ اور چونکہ مؤدت کے دوسرے معنی تھے بحر روم سے ہر قسم کے جہازوں کو محصول لئے بدون گذرنے دینا اسلئے اہل بربر اسکو بطیبِ خاطر منظور نہ کرتے تھے چنانچہ اب جو لارڈ ایکس موتھ بھیجا گیا اُسکا بھی یہی مقصد تھا کہ جزائر آئی اونین انگلستان کے ہم پلہ سمجھا جایا کرے۔ گورنر

نیپلز اور سارڈینیا کے محصولات میں تخفیف

الجزائر نے کچھ خفیف رد و قدح کے بعد منظور کرلیا کہ اہل نیپلز کم محصول ادا کیا کریں۔ اسیطرح اہل سارڈینیا کا محصول بھی گھٹا دیا اور جزائر آئی اونین کو تاجرانہ حقوق

میں انگلستان کے برابر تسلیم کر لیا۔ پھر لارڈ موصوف نے ٹیونس اور طرابلس میں جاکر وہاں کے گورنروں سے مسیحی بردہ فروشی کو قطعًا مسدود کر دینے کا وعدہ لیا۔ ان میں ٹیونس کے حالات کی تفصیل خالی از دلچسپی نہوگی ٹیونس کے لٹیروں نے سارڈینیا والوں کی چند جہازات لوٹ لئے تھے۔ لارڈ ایکس موتھ کو جب یہ معلوم ہوا تو انھوں نے جوش ہمدردی میں آکر اہل ٹیونس کی گوشمالی کا قصد کیا اور ۱۲ اپریل ۱۸۱۶ء کو حلق الوید میں لنگر انداز ہوئے۔ اور گورنر کو صاف کہلا بھیجا کہ یا تو مسیحی بردہ فروشی قطعًا مسدود کردو ورنہ گولہ باری کرکے ہم شہر کو تباہ کر دینگے۔ اور مزہ یہ کہ حسن اتفاق سے اسی زمانہ میں شہزادی کیرولائن[1] محمود پاشا ٹیونس کی مہمانی سے مسرور الوقت تھی۔ اب ادھر تو انگریزی افسر نے تننا شروع کیا اور ادھر اہل ٹیونس کشیدہ ہوئے معاملہ دن بدن خطرناک صورت اختیار کرنے لگا شہزادی بیچ میں پڑی لیکن پھر بھی مصالحت نہوئی۔ لارڈ ایکس موتھ نے شہزادی کی عزت اور جان کا ذرا بھی پاس نہ کیا اور اسکو لٹیروں کے بادشاہ کے رحم پر چھوڑ دیا۔ نوبت بانجا رسید کہ شہزادی نے ہر طرف سے مایوس ہوکر اپنا اسباب حلق الوید کی طرف چلتا کیا۔ تمام انگریزی تاجر جو ٹیونس میں مقیم تھے اثاثہ سمیت جہازوں میں سوار ہوکر چلدیے۔ ادھر لارڈ ایکس موتھ نے جہازوں کو ترتیب دیکر بڑھنے کا سگنل دیا۔ ادھر محمود پاشا نے اپنا بیڑا استقبال کے

ٹیونس کو دھمکی

شہزادی کیرولائن

کیرولائن کی بیچارگی

[1] پرنس آف ویلز یعنے ولیعہد انگلستان جو بعد کو جارج چہارم کے نام سے تخت نشین ہوا۔ کیرولائن اسکی بی بی تھی

لئے بڑھایا۔ اہل ٹیونس میں سخت جوش پھیلگیا۔ کیرولائن بہت پریشان تھی کہ اب کوئی دم میں پاشاکے سپاہی آتے ہیں اور ولیعہد انگلستان کی بی بی کو پابجولاں کرکے لیجاتے ہیں۔ شہزادی کو لارڈ ایکس موتھ کا اسطرح مخل ہونا ویسے بھی سخت ناگوار گذرا تھا۔ مسلمانوں کی فیاضانہ مہمانی۔ پاشاکے چھ گھوڑوں کی گاڑی میں صبح شام سوار ہونا جسکے اردگرد ساٹھ مملوک زرق برق وردیاں پہنکر اور خوبصورت گھوڑوں پر سوار ہوکر حلقہ باندھکر چلتے تھے۔ اور کارتھج کے کھنڈرات کی سیر کرنا ٹیونس کے سرسبز و شاداب حاشیہ کی سیر سے مسرور الوقت ہونا۔ وغیرہ۔ اس قسم کی تفریح نہ تھی جسکو شہزادی کیرولائن جلد بھول جاتی۔ مگر افسوس لارڈ ایکس موتھ کو اسپر ذرا بھی رحم نہ آیا۔ اور عین اُسوقت جبکہ شہزادی گرفتاری اور بیعزتی کے خوف سے کانپ رہی تھی محمود پاشاہی کو اُسپر رحم آیا اور اُسنے کہلا بھیجا کہ آپ ذرہ برابر فکر نہ کریں۔ مجھپر چاہے جو کچھ گذرے۔ اسلام کے قانون مہمان نوازی کی خلاف ورزی کرنا میرا شعار نہیں۔ بااینہمہ لڑائی کی نوبت نہیں پہنچی۔ ایک معمولی عہدنامہ سے فیصلہ ہوگیا اور یہ قرار پایا کہ حدود ٹیونس میں غلام نہ بکا کرینگے بشرطیکہ انگلستان بھی اپنے مضافات میں بردہ فروشی مسدود کردے[1]۔

کیرولائن کی ملاقات

کیرولائن سے گورنر کا غایت رحیمانہ برتاؤ

انگلستان اور الجزائر کی مصالحت

یہاں سے لارڈ ایکس موتھ پھر الجزائر آئے تاکہ یہاں کے گورنر سے بھی اسیطرح کا ایک عہدنامہ لکھالے چنانچہ دو انگریزی افسر اس مقصد کے لئے

---

[1] تاریخ براڈلے صفحہ ۸۵ و ۸۶ [2] لین پول صفحہ ۲۹۵۔

سفیروں کی توہین اور بےعزتی۔

بھیجے بھی گئے مگر اہل الجزائر نے سفیروں کی بہت بُری گت بنائی۔ سربازار خاکہ اُڑایا
انکو گھوڑوں سے کھینچکر نیچے گرادیا۔ اور مشکیں کَسکے باندھ دیں۔ شہر میں تشہیر کیا پھر
مسٹر مکڈانل انگریزی قونصل کو قید کردیا۔ اور انگریزی رزیڈنسی کو لوٹ لیا[۵۱]۔ اسی اثناء
میں الجزائر کی اطالین رعایا میں بغاوت پھیلگئی۔ گورنر کو فوجی قوت سے مدد لینا
پڑی جسمیں بہت سے باغی قتل ہوئے۔ انگریزی جرنیل نے دست اندازی کے
لئے کافی حجت دیکھکر اس مرتبہ سخت تر تدابیر عمل میں لانا ضروری سمجھا اور ایک بڑا

اہل ہالنڈ اور انگریزوں کا حملہ

بیڑا اکٹھا کیا جسمیں ۲۵ جنگی جہاز تھے۔ اُدھر سے اہل ہالنڈ نے اپنا جنگی بیڑا بسر کردگی
امیر البحر بیرن بھیجا۔ یہ دونوں ۲۷۔ اگست ۱۸۱۶ء کو الجزائر میں داخل ہوئے۔ لارڈ ایکس متھ
نے لڑائی شروع کرنے سے پہلے ایک جہاز کپتان ڈاشوڈ کے ساتھ مسٹر مکڈانل
کے خاندان کو لینے کے لئے بھیجا۔ کپتان نے رزیڈنسی کے سامنے ٹھیر کر اور رات کے
وقت ایک چھوٹی سی کشتی لیکر قونصل کے بی بی بچوں کو لانے کا قصد کیا۔ مکڈانل کی
بی بی اور ایک بیٹی تو بخیریت جہاز پر پہنچا دیگئیں۔ لیکن ایک شیر خوار بچہ اور شاگرد پیشہ
جو رہگئے تھے جب اُنکو لانے لگا تو اتفاق سے بچہ رو پڑا۔ سنتریوں نے الارم دیدیا

گورنر کی انسانیت

اور یہ تمام قافلہ گورنر کے روبرو پیش ہوا۔ اور ہمکو یہ دیکھکر بڑی حیرت ہوتی ہے کہ اُن
لٹیروں کے سردار نے جو نہایت قسی القلب اور بیرحم بیان کئے جاتے ہیں ان
سب کو چھوڑدیا اور بچہ کو ایک شاہی کشتی میں بحفاظت تمام اُسکی ماں کے پاس بھجوادیا[۵۲]۔

---

[۵۱] ملیے فنر کی "مسیحی دنیا پر عذاب الیم"، صفحہ ۲۵۶ [۵۲] لین پول صفحہ ۲۹۷۔

مگر مسٹر مکڈانل بدستور مقید رہے۔

۲۸ کی صبح کو بڑے سویرے انگریزی علمبردار خلیج کے اندر داخل ہو کر بندرگاہ کے عین دروازہ میں لنگر انداز ہوا۔ متحدہ بیڑے کے باقی جہاز اپنے اپنے قرینہ سے پیچھے جمائے گئے۔ ادھر سے شاہی جنگی بیڑا بھی ساحل کے سامنے جمایا گیا اور پیچھے بندرگاہ کے تمام بالائی حصوں پہ پشتوں اور سنگین سدوں پر۔ اور اور پیچھے ہٹ کر قلعہ کی فصیل و برج پر جا بجا اُن توپوں کے دہانے سوجھتے تھے جو شاید ابھی کچھ دن ہوئے کہ یورپ والوں نے سالانہ خراج میں نذر کی تھیں۔ الجزائر میں عام طور پہ جوش پھیلا تھا۔ گورنر رات بھر لڑائی کے اہتمام میں مصروف رہا۔ ٹھیک ۱۱ بجے ساحل سے ایک توپ سر ہوئی جو انگریزی علمبردار کے بالمقابل تھی۔ اور اسکے ساتھ ہی دونوں طرف سے آگ برسنے لگی۔ اور رات کے ۱۰ بجے تک لگاتار برستی رہی۔

جنگ کا خوفناک سین

گولے توپوں سے نکل نکل کر رات کے دامن تیرگی کو دمبدم منقطع کرتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا آج تمام ساحل پر جا بجا آتشیں ناگنیں قابض ہیں جنکے ہر سانس سے شرارے جھڑ رہے ہیں۔ بم کے گولے ہر طرف سے ہوا میں بلند ہو کر اور ایک ذرا چمک کر پھٹتے تھے تو گمان ہوتا تھا کہ آسمان سے تارے ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے ہیں۔ ادھر محاصرین کی توپوں کی شدت آتشباری سے ہر جہاز پر کوہ آتش فشاں کا دھوکا ہوتا تھا۔ ۱۱ بجے کے قریب الجزائر کے جہازوں میں آگ لگ گئی اور پھر گدام اسٹیشن۔ تمام بندرگاہ اور ساحل پہ ایک خوفناک آتشیں سین پیش نظر ہو گیا۔ ابھی تک

ارضی آفات تھے آسمان کے تیور نہ بدلے تھے مگر اب اُسکے چہرہ پر بھی کدورت آنا شروع

قدرتی حوادث

ہوئی۔ سیاہ بادل فوجوں کی طرح حرکت کرنے لگے۔ بجلی کی چمک اور گرج مینھ اور آندھی کی

شدت سے بحر و بر میں اسقدر تہلکہ مچا کہ گویا وہ قدرتی طاقتیں جو ۱۵۴۱ء میں اہل الجزائر

کی طرف سے لڑی تھیں آج انکے خلاف ہیں۔ ہوا کے تھپیڑ اور پانی کے چھینٹوں سے

آگ اور زیادہ بھڑک اُٹھی۔ انگریزی توپخانہ نے اسی حالت میں پھر اپنا کام شروع کیا

الجزائر کی ہزیمت

اور اگرچہ ۲ بجے کے قریب الجزائر کی توپیں بالکل مدھم پڑ گئیں اور لڑائی بھی ختم ہو گئی لیکن

متحدہ بیڑے کو سخت صدمہ پہنچا۔ خاصکر امپرگنبل نامی انگریزی جہاز اور وچ بیڑے کے

یورپین بیڑوں کا نقصان

عقب کا ایک جہاز بالکل تباہ ہو گیا۔ ایک انگریزی وقائع نگار[۱] لکھتا ہے کہ اس رات کو انگریزی

بیڑے سے ۱۱۸ ٹن بارود۔ ۵۰ ہزار گولیاں اور ایک ہزار گولے خرچ کئے گئے تھے۔ ۱۱سو

آدمی کام آئے۔ امیر البحر ایکس موتھ سخت زخمی ہوا۔ اور نتیجہ بجز اسکے کچھ نہوا کہ اُسی قدیم

صلح اور شرائط عہد نامہ

عادت کے بموجب حملہ آوروں نے چند شرائط کے ساتھ صلح پیش کی اور اُنھوں نے

منظور کر لی۔ یہ کہ آئندہ سے اسیرانِ جنگ بدل لئے جایا کریں غلام نہ بنائے جائیں

الجزائر میں جو ۱۶۴۲ یورپین غلام ہیں وہ فوراً آزاد کر دیے جائیں امسال جو کچھ خراج

اٹلی کے مضافات سے وصول کیا ہے وہ بجنسہ واپس کریں۔ آیندہ کے لئے اپنا

انگریزی سفیر کی رہائی

چال چلن درست رکھیں۔ اور انگریزی قونصل مسٹر مکڈانل کو فی الفور قید سے رہا کر کے

حتی الوسع اسکی تلافی مافات کریں۔ گورنر الجزائر نے نہایت خوشی سے ان سب شرائط

---

[۱] پلے فئر کی "مسیحی دنیا پر عذاب الیم" صفحہ ۲۶۹ تا ۲۷۲۔

کو قلمبند کراکر عہد نامہ پر دستخط کر دیے مگر باینہمہ جو پہلے عہد ناموں کا حشر ہوا تھا وہی اسکا ہوا۔ چنانچہ ۱۰ برس بعد ۱۸۲۴ء میں جب سر ہیری نیل سفیر بنکر الجزائر بھیجے گئے تو "ہموں آتش در کاسہ" کا مضمون تھا۔ اور ۱۸۲۷ء میں ڈنمارک کو ۱۲۵ توپوں کی نذر دینا پڑی ❖

بارھواں باب

فرانسیسیوں کا حملہ۔ شیردل عبدالقادر کی خونریز کشمکش۔ الجزائر کا الحاق۔ ٹیونس میں فرانسیسیوں کی مداخلت بیجا۔ محمد صادق پاشا کا عہدنامۂ قصرالسعید

اور خاتمہ

امریکا اور انگلستان کے مسلسل حملوں سے الجزائر کی قوت گو مضمحل ہوگئی لیکن غارتگرانہ جذبات ہنوز اسی شدومد پر تھے۔ چنانچہ پچھلے محاصرہ سے صرف تین برس کے عرصہ میں شہر اور بندرگاہ الجزائر اسکی ستاریں اور مدمے پہلے سے دوچند مستحکم ہوگئے۔ شکاری کشتیاں بحیرۂ روم میں اسیطرح بیباکانہ دورے کرنے لگیں اور ساحل کے قریب سے صحیح سلامت گذر جانے کے لئے وہی شرطیں پیش ہونے لگیں۔ بایںہمہ وہ طلسم جو باربروسہ نے برسوں کی عرقریز محنت سے بنایا تھا ٹوٹ چکا تھا اور ساعت ناگزیر سر پر تھی۔ اپریل سنہ ۱۸۲۷ء میں گورنر اور فرانسیسی قونصل کے درمیان ایک خفیف سی بات پر نزاع لفظی کی نوبت پہنچی۔ قونصل نے خلاف مراسم شاہانہ برسر دربار بدزبانی کی۔ گورنر نے غصہ سے بیتاب ہوکر ایک پنکھے کی ڈنڈی سے قونصل کی خوب گت بنائی قونصل نے اسکی شکایت اپنی گورنمنٹ سے کی۔ اور گورنمنٹ نے ایک مضبوط جنگی بیڑا گورنر کی گوشمالی کے لئے بھیجدیا۔ دو برس تک فریقین میں سخت کشمکش ہوا کی۔ اور گو اخیر پر پالا اہل الجزائر ہی کے ہاتھ رہا لیکن مغربی دنیا کی سربرآوردہ سلطنتیں جو

فرانس کی مداخلت

فرانسیسی قونصل اور گورنر میں نزاع۔

پہلا حملہ

عہدنامہ ایکسلاچیپل کی پابند تھیں آمادۂ پرخاش ہوگئیں۔ علاوہ ازیں اثناء جنگ میں اُس زمانہ کی رسم جنگ کے بموجب فریقین نے ایک دوسرے کی رعایا پر جوبے دل کھولکر ہاتھ صاف کئے جس سے معاندت کی آگ دونی بھڑک اُٹھی۔ اسپر طرّہ یہ ہوا کہ ۱۸۲۹ء میں ایک فرانسیسی سفیر تصفیہ معاملات کے لئے الجزائر آیا۔ گورنر نے اُسکو سخت جواب دیکر ناکام رخصت کر دیا اور بندرگاہ سے نکلتے وقت اسکے جہاز پر گولہ باری کی۔ یہ بدسلوکی مراسم سفارت کے خلاف تھی لہذا فرانسیسی گورنمنٹ الجزائر کی بساط اُلٹنے کے لئے اُٹھ کھڑی ہوئی اور ۲۵ مئی ۱۸۳۰ء کو ایک نہایت مہیب جنگی بیڑا جو مقدار اور اثر میں چارلس پنجم کے بیڑے سے کہیں زیادہ تھا بسر کردگی امیر البحر ڈوپرے بندرگاہ ٹولون سے چلتا کیا۔ اسمیں کئی سو قلعہ شکن توپیں۔ و افر سامان جنگ بحری و برّی۔ چالیس ہزار پیادے اور کئی رسالے تھے۔ اگرچہ ساحل بربر کی طوفان خیز خاصیت اور پُر پیچ راہ و رسم منزل نے حسب عادت حملہ آورین کی مزاحمت کی مگر فرانسیسی بیڑا بالآخر ۱۳ جون کو الجزائر کی حدّ نظر میں داخل ہوکر اگلے دن خلیج شیدی فرج میں اطمینان کے ساتھ لنگر انداز ہوگیا۔ پانچویں روز یعنے ۱۹ کی صبح کو فوج جہازوں سے اُترکر شہر کی طرف بڑھنا شروع ہوئی۔ ادھر سے بربری اور عربی قبیلوں نے چھوٹے چھوٹے دستوں میں مرتّب ہوکر جابجا مزاحمت کی۔ مگر یہ آہنی دیوار سے سر ٹکرانا تھا سخت نقصان کے بعد پسپا ہوئے محاصرین کی تعداد ۵ ہزار سے زیادہ تھی اور الجزائر والوں کی قوت برسوں دل یورپ کے تھپیڑے سہتے سہتے نہایت مضمحل ہوگئی تھی

جنگجوئی کے اسباب

دوسرا حملہ

غنیم کی قوت

محاصرہ

اہل الجزائر کا مقابلہ

پھر بھی انھوں نے اپنی صدیوں کی آزادی کو اُس میراث کو جو اُوالعزم عربوں سے سینہ بسینہ منتقل ہوتی چلی آتی تھی۔ ایک آخری خونریز کشمکش کئے بدون ہاتھ سے نہیں دیا۔ فرانسیسی غاصبوں کے گھوڑے انکی لاشوں کو روند روندکر شہر کی طرف بڑھنے پاتے تھے جو شخص جسجگہ مقابلہ کرتا تھا وہیں کٹکر ڈھیر ہو جاتا تھا[1]۔ اگر الجزائر والوں کی فوجی طاقت

ایک تاریخی نظیر

فرانسیسیوں سے تہائی چوتھائی بھی ہوتی تو الجزائر کا محاصرہ آج اُسی نظر سے دیکھا جاتا جس نظر سے کہ وِیانا کا محاصرہ دیکھا جاتا ہے۔ جب یہ لوگ باہر بندرگاہ اور میدانوں میں محاصرین کے قدم نہ روک سکے تو بالآخر سمٹکر شہر میں محصور ہو گئے وہ شہر جو اس منحوس

شہر میں قلعہ بند ہونا

صدی کے آغاز سے لیکر آجتک صدہا مرتبہ یورپین توپوں کی زد پر رہ چکا تھا۔ ۴ جولائی

گولہ باری

کو بڑی صبح شہر پر آگ برسنا شروع ہوئی اور شام تک لگاتار برستی رہی۔ اہل شہر نے قلعہ کی فصیل و بروج سے دلیرانہ جواب دیے مگر سنہ ۱۵۴۱ء کے معرکہ کی طرح دندان شکن نہ تھے

قلعہ کی تسخیر

اخیر کو قلعہ ہاتھ سے نکلگیا۔ مگر ساتھ ہی میگزین کے پھٹنے سے جسمیں محصورین نے چلتے وقت آگ لگا دی تھی ہزاروں فرانسیسی کھیت رہے۔ قلعہ کے بعد شہر کی ساعت ناگزیر آئی۔ اہل شہر طوفان زدہ مچھلیوں کی طرح سراسیمہ ہو ہو کر کبھی خیرالدین اور طرغد کو تلاش کرتے پھرتے تھے گو گورنر نے جہانتک ہو سکا داد مردانگی دینے میں دریغ نہیں کیا لیکن ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے جب فصیل و بروج میں رخنے پڑ گئے تو ہر طرف سے مایوس و مجبور

پیام مصالحت

ہو کر اُسنے بالآخر صلح کا پیام دیدیا۔ اور یہ قرار پایا کہ گورنر اور اہل شہر جان و مال کی حفاظت

[1] لین پول صفحہ ۳۰۲۔

شرائط

کی شرط پر شہر اور قلعہ خالی اور سپرد کردیں چنانچہ ۵ جولائی کی صبح محشر کو عہدنامہ پر دستخط

عہدنامہ

کرکے اور قلعہ کی کنجیاں فاتحین کو سونپ کر گورنر ہمیشہ کے لئے بارِ عظمت سے سبکدوش

بارِ عظمت سے سبکدوشی

ہوگیا۔ شہر پر قابض ہوتے ہی فرانسیسیوں نے بدعہدی کی اور گورنر کو عشیرہ اور متعلقین سمیت

فرانسیسیوں کی بدعہدی

اپنے جہاز میں سوار کرکے نیپلز میں لیجاکر قید کردیا۔[1]

ایک ریمارک

فرانسیسی دور کے آغاز پر الجزائر کے قدیم فرمانرواؤں کا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے اور اسکے ساتھ ہی تاریخ اقصائے مغرب بھی تمام ہوجاتی ہے۔ لیکن اگر تتمہ کے طریق پر الجزائر کے حالات مابعد ہدیۂ ناظرین کئے جائیں تو گو اُنکے مطالعے سے رقیق القلب اور رحمدل ناظرین کو حزن اور ملال کے سوا اور کچھ نہیں ملیگا۔ مگر ساتھ ہی اس بات کا اندازہ بھی ہوجائیگا کہ مسیحی دنیا جو آج ترکوں کے طرزِ حکومت پر نکتہ چینی کرنے کے پیرایہ میں اسلام کے کیرکٹر اور پولٹیکل اصول پر دھبہ لگانے کی کوشش کرتی ہے اُسکی ایک جلیل القدر اور مہتم بالشان قوم کا نیشنل کیرکٹر اور اندازِ حکمرانی کہانتک اچھا تھا۔

تسخیر کے حالات مابعد

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ فرانسیسیوں نے فوجکشی اور تسخیر کے وقت اہل الجزائر پر وہ ظلم و ستم نہیں کئے جو اسپین کی کیتھلک گورنمنٹ نے کمبخت اندلسیوں پر کئے تھے۔ کاش

ایک تلخ حقیقت

مابعد کا طریق عمل بھی یہی ہوتا۔ لیکن افسوس کہ یہ ایک نہایت تلخ حقیقت ہے کہ مغربی دنیا میں صدہا برس رحم و عفو سے حکومت کرنے کے بعد جب اسلام معتوبِ زمانہ ہوکر ایوانِ حکومت سے نکلا تو باستثناء چند مقامات کے اُسکو حریفوں کا ظلِ حمایت دنیا میں کہیں

[1] پٹے فنٹرکی "عذاب الیم" صفحہ ۳۱۰ تا ۳۲۲۔

فرانس کی دغا

نہیں آیا۔ فرانسیسیوں نے صرف شہر الجزائر کو اس غرض سے لیا تھا کہ اُسکو ایک بحری مقام کر کے انکی غارتگری قطعاً مسدود کریں۔ لیکن اگلے ہی برس مظفر و منصور فوجیں صوبہ کے اندرونی مقامات کی طرف بڑھنا شروع ہوئیں تمام الجزائر تسخیر کر کے سنہ ۱۸۸۱ء تک صوبہ ٹیونس کو بھی خونریز تلوار اور غاصبانہ پالیسی کا شکار کر ڈالا۔

الجزائر کے فرمانروا

اِن پچاس برس کے واقعات کی تفصیل سے پائے قلم میں آبلے پڑتے ہیں مدبّر۔ عفو گار۔ اور بندہ نواز سویلین کے بجائے۔ الجزائر پر سخت احمق۔ کور عقل اور ناتراشیدہ ملٹری افسروں کی حکومت کا "عذاب الیم" نازل رہا۔ یہ تلوار کی آب بدون پولیٹکل عوارض کا ازالہ نکر سکتے تھے۔ انکے ظلم آفریں تہدید سے صدہا شریف بیبیوں کو طلاقیں

ظلم آفریں تہدید اور اُسکے نتائج

ملگئیں۔ ہزاروں عہد و پیمان ٹوٹ گئے۔ رعایا پر دستِ تظلّم دراز کرنے میں یہ نہ مرد و عورت کا لحاظ کرتے تھے اور نہ بچّہ اور بڈّھے کا۔ نہ انکو تشدّد میں باک تھا اور نہ سیاست میں

اسباب بغاوت

معقولیت۵۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تسخیر کے تیسرے ہی برس تمام صوبہ اس آہنی شکنجہ سے بلبلا اُٹھا اور عربی اور بربری قبیلوں میں یکبیک بغاوت کی آگ بھڑک گئی۔ فرانسیسی گورنمنٹ آئے دن نئے نئے جرنیل بھیجتی تھی جو اپنی نالائقی اور سفاکی کا ثبوت دیکر ناکام چلے جاتے تھے۔ تسخیر اور الحاق تاریخی دنیا کا نہایت معمولی واقعہ ہے لیکن الجزائر کی تسخیر سے فرانس کے دامن تہذیب پر اسقدر گہرا دھبّہ لگتا ہے کہ اُندلس کے سوا شاید اَور کہیں اُسکی نظیر نہیں ملیگی۔ کاش فرانس کے آہنی پنجہ جرنیل حکومت شروع کرنے کے ساتھ محکوم کے قومی کیرکٹر

سوء تدبیری

۵ لین پول صفحہ ۳۰۲

کو سمجھنے کی کوشش بھی کرتے۔ اگر ذرا بھی فاتحانہ تحمل۔ فرزانگی او رحُسن تدبیر۔ رحم اور انصاف
سے کام لیا جاتا تو جو بات چالیس برس کی مسلسل سختیوں کے بعد حاصل ہوئی وہ صرف
چار برس میں ممکن تھی۔

بغاوت کے چھوٹے چھوٹے حملوں اور بے ترتیب لڑائیوں سے صوبہ میں
ایک طوفان سب بے تمیزی برپا رہا۔ بوگیڈ۔ پیلیشیر۔ کانروبرٹ۔ سینٹ ارناڈ۔
میکماہن۔ جیسے فرانسیسی جرنیلوں نے ناحق خون بہانے۔ لوٹنے اور جلا دینے میں
کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اور اگر کسی قوم کی مردانہ جسارت۔ استقلال اور
اُلوالعزمی ہمکو حیرت و استعجاب میں ڈالتی ہے تو وہ عربی اور بربری قبائل تھے۔ مانا کہ قضا و
قدر سے لڑنا عقلمندی نہ تھا لیکن جس دلیری اور جانبازی سے اُنھوں نے اپنے سے
دس گُنی قوت کا مُقابلہ کیا ہمکو مجبورًا اُسکا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ اُنھوں نے فرانس
کی عظیم الشان فوجوں کو شکستوں پر شکستیں دیں۔ بڑے بڑے شہر اُنسے چھین چھین لئے
اور اسقدر آڑے ہاتھوں لیا کہ کارآزما جرنیلوں کے چھکّے چھُوٹ چھُوٹ گئے۔ اور فرانسیسی
ایوانِ حکومت جڑ سے ہل ہل گیا۔ لیکن ان شہر آشوبیوں کا باعث کون تھا؟ اہل الجزائر؟
ہرگز نہیں۔ بلکہ خود فرانس۔ اسلئے کہ اگر سب سے پہلا فرانسیسی جرنیل کلاسل ذرا بھی مذاق
ملکداری رکھتا تو لوگ رفتہ رفتہ اس جدید انقلاب کو بطیب خاطر گوارا کر لیتے لیکن افسوس
سو اس کورعقل شخص نے اپنے جابرانہ طریق عمل سے ہر طرف مخالفت کی آگ بھڑکا دی
اہل ملک کے دلوں کو جوش انتقام سے بھر دیا۔ اور فاتح و مفتوح کو ایک دوسرے کے

عربوں کا استقلال اور شجاعت

شہر آشوبیوں کا اصلی سبب

خون کا پیاسا بنا دیا[۵]۔

عبد القادر اور اسکے مختصر حالات زندگی

ان خانہ جنگیوں کا گیویلیٹر الجزائر کا ایک مشہور و معروف ہیرو تھا یعنی عبد القادر یہ شہر مسقارا کے ایک قدیم شریف خاندان سے تھا جسکے ممبر الجزائر میں ہمیشہ سے دینی پیشوا چلے آتے تھے۔ عبد القادر خود بھی فقیہ۔ پکا دیندار۔ اور حاجی تھا۔ اسمیں تمام باتیں قدیم

کیریکٹر

عربوں کی سی تھیں۔ مہمان نواز۔ فیاض منش۔ راستباز۔ آزاد رو۔ اور مزید برین فن سپہگری میں پورا مذاق رکھتا تھا۔ اعلیٰ درجہ کا شہسوار اور دلیر معرکہ آرا۔ اور ان سب سے بڑھکر قوم پرست اور جاں نثار ملک تھا چونکہ عبد القادر بچپن ہی سے ہونہار تھا اور تمام عربی قبائل میں خاص نظر سے دیکھا جاتا تھا اسلئے گورنر الجزائر اسکے درپے تخریب ہوگیا اور یہ تھوڑی سی

ترک وطن

عمر میں ترک وطن کر کے مصر کی طرف چلا گیا۔ چوبیس[۲۴] برس کی عمر میں جب عبد القادر

مراجعت

پھر وطن آیا تو اسنے دیکھا کہ بساط الٹ گئی ہے ملک پر ایک غیر قوم قابض ہے اور اسکے ہموطن سخت مایوس ہیں۔ اسکا اور اسکے باپ دادا کا نام ملک میں طلسمی اثر رکھتا تھا چنانچہ اسکے آتے ہی تمام قبیلے ایک مقناطیسی قوت سے اسکی طرف کھنچ گئے۔ اور جب اسطرح اسکی قوت بڑھتے بڑھتے ایک اوسط درجہ کی ریاست کے ہم پلہ ہوگئی تو فرانسیسیوں نے

صوبہ مسقارا کی حکومت

دفع الوقتی کے طور پر ۱۸۳۲ء میں اسکو مسقارا کا خود سر حاکم تسلیم کر لیا۔ مسقارا میں جمکر

استحکام قوت

عبد القادر نے ایک بڑے جنگ کی تیاری شروع کی اور صرف ایک سال کے عرصہ میں اپنی جنگی قوت کو اسقدر مستحکم کر لیا کہ جب ۱۸۳۵ء میں فرانسیسیوں سے حسب عادت

---

[۵] لین پول صفحہ ۳۰۴۔

فرانسیسیوں کی فوج کشی اور ہزیمت

ایک پولیٹیکل حیلہ نکالکر مسقارا پر حملہ کیا تو انکو اسی نام کے دریا پر سخت نقصان اٹھاکر پسپا ہونا پڑا۔ پھر ۱۸۳۵ء میں اسنے فرانسیسیوں کی ایک ٹڈی دل فوج کو مطیحہ کے میدان میں ایک اور شکست دی۔ اس روزافزوں ترقی سے ڈرکر بیس ہزار کی ایک اور تازہ فوج مسقارا کا قلع قمع کرنے کے لئے بھیجی گئی مگر اسکو بھی عربی سردار کا لوہا ماننا پڑا۔ پھر تو عبدالقادر کی دلیری اور کاروائی کا ہر طرف شور مچگیا حتّٰی کہ ڈیوک آف ولنگٹن بھی حیرت و استعجاب کیے بدون نہ رہ سکا۔ فرانسیس ہر مرتبہ حملہ کرتے تھے اور ہر مرتبہ ہزیمت اٹھاتے تھے۔ تمام شہر اور قلعے ایک دوسرے کے بعد ہاتھ سے نکلگئے اور اخیر کو دو تین مقامات کے سوا در وبست صوبۂ الجزائر پر عبدالقادر قابض ہوگیا۔ اسوقت کی حالت دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ گویا قدرت نے اہل الجزائر کی تمام پچھلی خطائیں معاف کرکے پھر ایک مرتبہ باربروسہ کو بھیجدیا ہے لیکن افسوس کہ الجزائر کے زوال کا فتوٰے لکھا جاچکا تھا۔ باربروسہ کے بلند کیے ہوئے ایوانِ حکومت کی بنیادیں ہل گئی تھیں۔ اور یہ عروج کی سی کیفیت صرف ایک ٹمٹماتے ہوئے چراغ کا سا سنبھالا تھا۔ چنانچہ ۱۸۴۱ء کے اخیر میں فرانسیسی گورنمنٹ نے اسّی ہزار سپاہیوں کا ایک ٹڈی دل بسرکردگی مارشل بوگیڈ بھیجدیا۔ یہ گویا سنگ آمد و سخت آمد کا مضمون تھا۔ عبدالقادر کیا بوناپارٹ سا الوالعزم جرنیل بھی اس خدائی قوت کا جنگ آزمایانہ تدابیر سے مقابلہ نہ کرسکتا تھا اور نہ کرسکا۔ مارشل پوری قوت سے ہر شہر پر طوفان کی طرح جھکتا تھا اور اُسکو پامال سفا کی کرکے

مطیحہ کا میدان

عبدالقادر کا عروج

فتوائے زوال

آخری ایلغار

الجزائر کی فتح

---

[1] لین پول صفحہ ۳۰۵ و ۳۰۶

نقیدمہ کی تسخیر

دوسرے شہر کا رُخ کرتا تھا۔ حتّی کہ عبدالقادر کا پایۂ تخت تقیدمہ بھی تباہی سے نہ بچ سکا
شہروں پر شہر اور قبیلوں پر قبیلے مطیع ہونے لگے سنہ ۱۸۴۱ء میں مسقارا بھی مسخر ہوگیا۔
مگر عربی جرنیل نے اطاعت قبول نہ کی اور وہاں سے نکلکر مراکو میں چلا گیا۔ اور مراکو سے

عبدالقادر کی آخری کشمکش اور ہزیمت

سنہ ۱۸۴۳ء میں اور پھر سنہ ۱۸۴۴ء میں متواتر دو مرتبہ فوجیں لیکر پلٹا لیکن کامیابی نہوئی۔
۱۸۴۴ء سے سنہ ۱۸۴۷ء تک پورے تین برس الجزائر پر قیامت نازل رہی۔ خاصکر جرنیل
پلیشیر نے بڑے بڑے وحشیانہ ظلم کئے۔ اور پانسو مرد و عورت بچّوں اور بوڑھوں کو جو قتل عام

مظالم

سے بچکر کوہستانی غار میں جا چھپے تھے دھوئیں سے گھونٹکر مار ڈالا۔ جب عبدالقادر نے
دیکھا کہ تمام تدبیریں اُلٹی پڑتی ہیں۔ قومی ادبار روز بروز بڑھتا جاتا ہے۔ مایوسی کے سوا کوئی

صلح

شکل نہیں۔ تو ناچار صلح کرلی۔ اور سنہ ۱۸۴۷ء میں اس شرط پر اپنے تئیں ڈیوک آمیل کے حوالہ
کردیا کہ اسکندریہ یا عکہ میں چلے جانے کی اجازت دیجائے۔ لیکن عہد کی پابندی فرانس کے
قومی قانون کی شرط نہیں۔ ڈیوک نے اس نامور شخص کو فرانس کے قیدخانہ میں پانچ

عہد شکنی

برس تک قید رکھا اور طرح طرح کی اذیتیں دیں۔ آخر لوئیس نپولین نے اتفاقًا یہ حالات سُنکر

عبدالقادر کی موت

ترس کھایا اور اُسکو رہا کرکے بروسہ میں چلے جانے کی اجازت دیدی۔ تیس برس اسیطرح
اِدھر اُدھر دھکّے کھانے کے بعد عبدالقادر سنہ ۱۸۸۳ء میں دمشق میں مرگیا۔ ناظرین کو یہ پڑھکر
حیرت ہوگی کہ وہی عیسائی جنھوں نے اسکی صدیوں کی قومی آزادی کو پامال سفاکی۔ اسکے
ہزاروں برادرانِ اسلام کو تہ تیغ۔ اور خود اُسکو خانہ برباد اور جلا وطن کردیا تھا۔ اس نامور اور
سچے شجاع نے مرتے مرتے بھی اُنکی خدمت سے دریغ نہیں کیا اور دمشق کے سنہ ۱۸۶۰ء

کے قتل عام میں انگوبری مدودی[۱]

بغاوت کا فوری انسداد

گو عبدالقادر گرفتار اور قید ہوگیا تھا مگر آتش بغاوت اُسی شدّ و مد پر تھی۔ عربی قبائل رہ رہ کر بغاوت کرتے تھے۔ گر تے تھے اور پھر سنبھلکر مقابلہ پر کھڑے ہوجاتے تھے لیکن ہر مرتبہ فرانسیسی جنرلوں کے پامالِ ظلم ہوتے تھے۔ آخر جب لوئس نپولین سنہ ۱۸۵۲ء میں الجزائر آیا تو اُسنے عربی قبیلوں کو اطمینان دلایا کہ شخصی جاگیرات اور ریاستوں میں گورنمنٹ کسی قسم کی دست اندازی نکریگی تب کہیں جاکے ملک کو تسکین ہوئی لیکن یہ حالت نپولین ہی تک قایم رہی چنانچہ اسکے برطرف ہوتے ہی فرانس کی گورنمنٹ میں ضعف آگیا۔ قبیلوں پر پھر وہی ظلم ہونے لگے اور اُنھوں نے پھر وہی سرکشی اور طغیانی اختیار کی۔ اور

سرکشی

جوش سے بہوت ہوکر اپنے پہاڑی مقامات سے بلائے بے درماں کی طرح فرانسیسیوں پر آپڑے۔ اِدھر جنرل ڈوریو نے پھر وہی خون آشام تلوار ہاتھ میں پکڑی اور پھر وہی قتل عام اور غارتگری شروع ہوئی۔ اور پانچ برس تک الجزائر ایک ظلمتکدہ بنارہا۔ آخرکار جب سنہ ۱۸۷۰ء میں فرانس کا پولیٹیکل اسٹیج منقلب ہوا اور جمہوری گورنمنٹ قایم ہوئی اور الجزائر میں اکھڑ سپاہیوں کے بجاے مدبر اور تہذیب یافتہ سولین بھیجنا شروع ہوئے تب کہیں جاکر ملک میں امن ہوا۔ شروع سے آخر تک فرانسیسیوں کے پچاس ہزار آدمی کھیت رہے۔

فرانس کی پالیسی پر ایک سرسری نظر۔

جب الجزائر میں فرانس دخیل ہوا تو برٹش گورنمنٹ نے عہدنامہ ایکسلاچپیل کے مطابق اُس سے بازپرس کی تھی۔ اور اُدھر سے یہ جواب ملا تھا کہ صرف شہر الجزائر پر براے

---

[۱] لین پول صفحہ ۳۰۷ اور تاریخ مارگن۔

چندے قبضہ کیا جاتا ہے تاکہ مسیحی دنیا کو "عذاب الیم" سے نجات ملے لیکن اسکے تھوڑے ہی دن بعد مستقل اور دائمی قبضہ کا اعلان دیکر فرانس نے فوجی حکومت قایم کرلی۔ پھر بھی اس بات کا یقین دلایا کہ فرانسیسی مداخلت صوبۂ الجزائر کی حدود سے متجاوز نہوگی لیکن افسوس کہ زبان سے اقرار کرکے پھر جانا اور اطمینان دلاد لاکر آشفتہ کرنا یورپ کا قدیم شعار ہے آج سنہ ۱۸۹۹ء میں چین میں جو غاصبانہ انداز روس کا ہے۔ وہی بیس برس پہلے فرانس کا طریق عمل بربر میں تھا۔ اور ابھی تک ہے۔

الجزائر پر قابض ہوکر بھی فرانس کی حرص بیجا کو تسکین نہوئی۔ سنہ ۱۸۸۱ء میں اسکا غاصب ہاتھ رفتہ رفتہ ٹیونس کے عنانِ حکومت کی طرف بڑھنا شروع ہوا حالانکہ ٹیونس میں کوئی معقول وجہ دست اندازی نہ تھی۔ لیکن جہاں پرخاش کے لئے کوئی معقول حجت نہیں ہوتی وہاں یورپ کے مدبر پولیٹیکل حجت نکال لیا کرتے ہیں چنانچہ ایم تھیوڈور اوسٹن نے اسی قسم کی حجتوں سے ٹیونس کے ایوانِ حکومت کے گرد جالا تننا شروع کیا۔ اور ترکی گورنر محمد الصادق کو ایسی شرائط کا پابند کرنا چاہا جو بابعالی کے شاہانہ حقوق کے لیے مضر تھیں گورنر نے اس سے انکار کیا اور اسکا وہی نتیجہ ہوا جو قدرتی طور پر ہونا چاہیئے۔ اگر ایک تیز نوکیلا فولادی برما کسی نرم لکڑی پر مسلسل اور بے روک چلتا رہے تو انجام کار لکڑی میں رخنہ پڑ جائیگا۔ اسیطرح اگر کوئی زبردست مگر بے اصول گورنمنٹ کسی زبردست مگر راستباز ریاست پر اپنی غاصبانہ پالیسی کا عمل چپکے چپکے جاری رکھے۔ اور کوئی ہمسر طاقت مزاحمت نہ کرے تو بالآخر اسکو لے ڈالیگی ٹیونس کا بھی یہی حشر ہوا۔ مواد تو پہلے سے نضج پا رہا تھا

ٹیونس میں

سنہ ۱۸۸۱ء میں صوبۂ مذکور کے اُن سرحدی اضلاع میں جو الجزائر سے ملتے تھے کچھ خفیف سی شورش ہوئی اور ایم روسٹن اپنی پوری فوجی قوت لیکر فی الفور ٹیونس پر چڑھ گیا۔ مظلوم محمد الصادق نے ہرچند یقین دلایا کہ "فساد فرو ہوگیا ہے۔ اب آپ کی دست اندازی کی ضرورت نہیں" اخیر پر دول یورپ سے فریادیں کیں لیکن ایک پیش نہ گئی۔ برٹش گورنمنٹ نے گو فرانس سے بازپرس کی مگر اُدھر سے وہی ڈپلومیٹک جواب ملا کہ "الجزائر اور ٹیونس کے درمیانی اضلاع میں جو لڑائی چھڑنیوالی ہے اُس سے صرف یہ مقصود ہے کہ ٹیونس کے سرکش قبیلے جو آئے دن الجزائر کی سرحد پر ترکتازیاں کرتے رہتے ہیں اُنکی قرار واقعی سرکوبی کیجائے۔ محمد الصادق کے نیم خود مختارانہ حقوق اور صوبۂ ٹیونس کے حدود کا ہر طرح لحاظ رہیگا" اور مزہ یہ کہ لارڈ گرنیول وزیر دول خارجہ اس جواب پر نازاں ہی رہے اور فرانسیسی فوجیں ٹیونس کی طرف بے تکلّف بڑھکر ۲۶۔ اپریل تک کیف اور تبارکہ پر قابض ہوگئیں جھیل بزرطہ پر فرانسیسی جھنڈا لہرانے لگا۔ جرنیل بریرٹ نے تمام علاقہ آگ اور تلوار سے برباد کرکے اور گورنر کے محلسرا پر گولہ باری کرکے ۱۲ مئی کو عہدنامہ قصر السعید پر جبراً دستخط کرالئے[1]۔

اگرچہ محمد الصادق اور اسکے انتقال پر سیدی علی دونوں ایم روسٹن کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنگئے لیکن اہل ٹیونس نے اطاعت قبول نہ کی۔ اور تمام جنوبی اضلاع میں کھلی بغاوت پھیلگئی۔ اور کچھ دنوں وہ طوفان بدنظمی برپا رہا کہ فرانسیسی منتظم مایوس ہوکر

الصادق کی معذرت

گورنمنٹ فرانس کا جواب

ٹیونس کا حشر

ٹیونس میں بغاوت

---

[1] مسٹر اے ایم براڈلے کی تاریخ ٹیونس میں نہایت تفصیلی حالات درج ہیں۔

فرانسیسیوں کے مظالم

بیٹھ رہے۔ لیکن پھر کچھ سنبھلکر اُٹھے اور سفاکس پر بلائے بیدرمان کی طرح ٹوٹ پڑے۔ شہر پر بیدریغ گولہ باری کی۔ گھروں کو لوٹ کر جلادیا۔ یا سرنگیں لگاکر گھر والوں سمیت باروت سے اُڑادیا۔ کوچہ و بازار ذبح سے بدتر بنگئے۔ اخیر پر اہل سفاکس کی آتش انتقام بھی بھڑک اُٹھی اور اب دونوں طرف سے مظالم شروع ہوئے۔ فریقین نے وحشی درندوں کی طرح ایک دوسرے پر رہ رہ کر حملے کیے۔ سیکڑوں ہزاروں بیگناہ مردوں عورتوں کو ذبح کر ڈالا۔ قلعبند چوکیوں سے باہر تمام علاقہ تلوار کا کھیت۔ بیرحم لٹیروں کا جولانگاہ۔ اور میدان قیامت کا نمونہ بنگیا۔ مگر اگلے برس ٹیونس والوں کی خوش نصیبی سے گورنر روسٹن واپس بلالیا گیا۔ اُسوقت سے کسیقدر امن ہے۔ ایم ہنری ڈی راجیفورٹ نے بغاوت کے خاتمہ پر اپنی رپورٹ میں درست لکھا تھا کہ "فرانسیسیوں نے ٹیونس کی مہم کو ایک بات سمجھا تھا مگر یہ غلط فہمی تھی۔ ٹیونس کی فتح حقیقت میں کھلی رہزنی اور خونریزی تھی۔ اہل ٹیونس اسکو کبھی نہ بھولینگے"

ز شرح قصۂ من رفت خواب از چشم خاصاں را
شب آخر گشت و افسانہ از افسانہ میخیزد

حامد علی صدیقی سہارنپوری

بقلم احقر العباد غلام رسول کاپی نویس پنجابی غفرلہ

ضروری اطلاع

اقتصاے مغرب کا حق تالیف پانچ برس کے
واسطے مطبع روزانہ اخبار دہلی نے خرید لیا ہے۔
اِس عرصہ میں اصل مؤلف کو کتاب ہذا کے
بجنسہ یا کسی تغیّر و تبدل سے خود چھاپنے یا کسی
کو اجازت دینے کا حق نہیں ہے۔جس کسی کو خریداری
منظور ہو دفتر روزانہ اخبار دہلی سے طلب کرلے۔

مینیجر روزانہ اخبار
مقام دہلی